مدرسۂ رفیق العلوم آمبور سے جاری شدہ فتاویٰ کا منتخب مجموعہ

فتاویٰ رفیقیہ

جوابات

مفتی محمد صلاح الدین صاحب قاسمی مدظلہ

(مہتمم مدرسۂ رفیق العلوم، آمبور)

ترتیب وتخریج

مفتی محمد مصباح اللہ صاحب قاسمی

مفتی سید ولی اللہ صاحب قاسمی

شائع کردہ

شعبۂ نشر واشاعت مدرسۂ رفیق العلوم، آمبور

تفصیلات

نام کتاب	:	فتاویٰ رفیقیہ (جلدِ اول)
منتخب فتاویٰ	:	مفتی محمد صلاح الدین صاحب قاسمی
ترتیب و تخریج	:	مفتی محمد مصباح اللہ قاسمی، مفتی سید ولی اللہ قاسمی
سنِ اشاعت	:	۱۴۳۸ھ مطابق ۲۰۱۷ء
ناشر	:	شعبۂ نشرواشاعت مدرسۂ رفیق العلوم، آمبور
قیمت	:	....
ویب سائٹ	:	www.rafeequluioom.com
ملنے کے پتے	:	مدرسۂ رفیق العلوم، آمبور (+91 9025968341)
		مکتبۂ جامع الخیر، آمبور (+91 9629481998)

فہرستِ عناوین

عقائد کے احکام

بدعات ورسومات کے احکام

طہارت کے احکام

نماز کے احکام

روزہ کے احکام

زکوۃ کے احکام

حج کے احکام

نکاح کے احکام

طلاق کے احکام

بیوع کے احکام

شرکت کے احکام

ہبہ کے احکام

وقف کے احکام

قربانی کے احکام

حلال و حرام کے احکام

وراثت کے احکام

تشکر و امتنان

از: مرتبین

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی الہ واصحابہ واتباعھم وتابعیھم الی یوم الدین، اما بعد!

ربِ ذوالجلال کا بے پایاں احسان و کرم ہے کہ محض اپنی توفیق سے ہم بے حیثیت اور بے کیفیت خادموں سے ایک عظیم الشان مجموعۂ فتاویٰ کی ترتیب و تہذیب کی خدمت لی، ہم اس توفیقِ بے بہا پر اللہ تعالیٰ کا تہہ دل سے شکر گذار ہیں، سچ تو یہ ہے کہ ہم ہر گز اس مہتم بالشان کام کے بالکل لائق نہیں تھے۔

منت منہ کہ خدمتِ سلطاں ہمی کنی

منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

فتاویٰ رفیقیہ جو آپ کے ہاتھوں میں ہے، یہ مجموعہ ہمارے استاذِ محترم حضرت مفتی محمد صلاح الدین صاحب قاسمی مدظلہم (مہتمم مدرسۂ رفیق العلوم) کے تحریر کردہ فتاویٰ کا منتخب مجموعہ ہے جو وراثت، طلاق اور خلع کے مکرر فتاویٰ کو چھوڑ کر نہایت ضروری اور بنیادی دو سو فتاویٰ پر مشتمل ہے، یہ فتاویٰ شہر اور بیرونِ شہر سے آئے ہوئے استفتاء کے جوابات ہیں، الحمد للہ! حضرت مدظلہ فتاویٰ نویسی سے خوب واقف بلکہ اتالیق ہیں، آپ نے ازراہِ کرم اس رفیع القدر خدمت کا ہم خدام کو موقع عنایت فرمایا، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے فیوض چہار دانگِ عالم میں پھیلائے، اورآپ سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

اس مجموعہ کی تیاری میں ہم نے فقہی اعتبار سے ترتیب دینے کے ساتھ

صرف ضروری جگہوں پر حاشیہ لگایا ہے، کیونکہ آپ نے از خود آدابِ فتویٰ نویسی کی حد درجہ رعایت کرتے ہوئے حوالہ جات کا خاص اہتمام فرمایا ہے، جس کی وجہ سے مزید کسی تحقیق وتعلیق کی ضرورت نہیں رہی، اِن فتاویٰ کی بہت ساری خصوصیات میں سے ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے دفعِ دخلِ مقدر کا خاص اہتمام فرمایا ہے، جو ان فتاویٰ کی خصوصی زینت ہے، قارئین کرام انشاء اللہ اس بات کو پوری طرح محسوس فرمائیں گے۔ نیز ہمارے علاقہ اور ماحول کے اعتبار سے بہت سے اہم مسائل کے جوابات اِس مجموعہ میں آ گئے ہیں، جن کی بنیاد پر فقیہ العصر حضرت مفتی محمد طاہر صاحب دامت برکاتہم نے اس مجموعہ کی اشاعت پر زور دیا۔ اور ازراہِ کرم خود مسودہ کو بغور ملاحظہ فرما کر تحسینی کلمات ارشاد فرمائے۔

دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم پر حضرت مفتی صاحب کا سایۂ عاطفت تادیر قائم ودائم رکھے، اوراپنے شایانِ شان اس مجموعہ کو شرفِ قبولیت عطا فرما کر ہمارے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین!

محمد مصباح اللہ عفا اللہ عنہ، سید ولی اللہ غفرلہ

۱۹/ربیع الثانی ۱۴۳۸ھ

احوالِ واقعی

از: حضرت مفتی صاحب مدظلہ

الحمدللہ رب العالمین، والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین، اما بعد!

الحمد للہ گذشتہ بیس سال سے مدرسہ رفیق العلوم میں احقر تدریسی خدمت انجام دے رہا ہے، درس و تدریس کے ساتھ افتاء کی خدمت بھی احقر سے منسلک رہی، اس دوران سیکڑوں استفتاأت کے جوابات لکھنے کی توفیق و سعادت حاصل ہوئی، گذشتہ پانچ چھ سالوں سے فتاویٰ نویسی کی اس خدمت میں عزیزم مفتی محمد مصباح اللہ قاسمی زید فضلہ اور عزیزم مفتی سید ولی اللہ قاسمی زید فضلہ بھی بفضلہ تعالیٰ شریک ہوئے، اب یہ خدمت ہم تینوں کے درمیان مشترک چل رہی ہے، ان دونوں مفتیانِ کرام نے فتاویٰ نویسی کے ساتھ گذشتہ سالوں کے فتاویٰ کو بھی کمپوزنگ کرنا شروع کیا اور مقصد بس اتنا تھا کہ گذشتہ فتوؤں میں جو فروگذاشتیں ہوئی ہیں ان کی تصحیح کرکے ان کو مدرسہ کے ویب سائٹ پر اپ لوڈ(Upload) کردیں گے تو ان سے استفادہ آسان ہوجائے گا۔

اس غرض سے کمپوزنگ کے بعد جب اصلاح و تصحیح کے لئے اس مجموعہ کو حضرت الاستاذ مفتی محمد طاہر صاحب دامت برکاتہم کے پاس ارسال کیا گیا تو آپ نے الحمد للہ سبھی فتاویٰ کو بغور ملاحظہ فرمایا اور ضروری اصلاحات فرمائیں، پھر آپ کی رائے بلکہ حکم ہوا کہ اس مجموعہ کو ضرور طبع کرانا چاہئے، کیوں کہ یہ ضرورت کے سوالات ہیں، یہی رائے مدرسہ کے سکریٹری جناب آنیکار ارشاد احمد صاحب کی بھی اصرار کے ساتھ ہوئی تو مجبوراً اس کی طباعت واشاعت کا فیصلہ کرنا پڑا، ان فتاویٰ کی کمپوزنگ،

فقہی ابواب کے مطابق جمع وترتیب، ضرورت پر حذف واضافہ اور تخریجِ حوالجات کا اہتمام، اس کے لئے پوری تندہی، جانفشانی اور عرق ریزی عزیزم مفتی محمد مصباح اللہ قاسمی اور عزیزم مفتی سید ولی اللہ قاسمی (مفتیانِ کرام مدرسہ ہٰذا) ہی نے کی ہے، اللہ تعالیٰ ان دونوں مفتیانِ کرام کی خدمات میں خوب عافیت اور برکت نصیب فرمائے اور جملہ شرور وآفات سے محفوظ رکھے۔

اِس مجموعہ کی طباعت واشاعت ایک صاحبِ خیر نیک دل تاجر جو مدرسہ ہٰذا کے اہم ذمہ دار بھی ہیں کے صرفِ خاص سے ہو رہی ہے، اللہ تعالیٰ ان کے جملہ مقاصدِ حسنہ پورے فرمائے اور مزید دینی خدمات کی توفیق عطا فرمائے۔

فتاویٰ کی اس ٹوٹی پھوٹی خدمت کو مدرسہ کے بانی مرحوم آنیکار عبد الشکور صاحبؒ، ان کی اہلیہ مرحومہ اور مرحوم کے فرزند آنیکار رفیق احمد صاحب کے حق میں صدقہ جاریہ بنائے اور مدرسہ ہٰذا کو ترقیات سے مالامال فرمائے۔ آمین

خادمِ مدرسہ ہٰذا

محمد صلاح الدین عفی عنہ

۱۷/۴/۱۴۳۸ھ

تقریظ

فقیہ العصر حضرت مفتی محمد طاہر صاحب دامت برکاتہم

(مفتیٔ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور وخلیفۂ فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ)

دینِ محمدی علیٰ صاحبہ الصلوۃ والتسلیم آخری دین ہے، اس کے بعد تا قیامِ قیامت کوئی نیا دین نہیں آئے گا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اخیر زمانے تک اس دین کے محفوظ وباقی رہنے کی ذمہ داری لی ہے، جس کی صورت عالمِ اسباب میں یہ اختیار کی گئی ہے کہ امت میں ایسے افراد پیدا کیے گئے جنھوں نے دین اور علمِ دین کی خدمت ہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا، انہوں نے اس کی حفاظت سے لے کر اشاعت تک کے فرائض اس خوش اسلوبی سے انجام دئے کہ سابقہ امتوں میں اس کی نظیر پیش نہیں کی جاسکتی۔ حفاظتِ دین کے لئے وہ مختلف علوم وفنون ایجاد اور وضع فرمائے جن سے دین کے ارد گرد ایسا حصار قائم ہو گیا جس سے دین میں نقب زنی کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی اور اشاعتِ دین کے لئے بھی وعظ ونصیحت، جرائد ورسائل، تعلیم وتدریس، تصنیف وتالیف اور فتویٰ وارشاد ہر ممکن وجائز ذرائع کو اختیار کیا، جس کے نتیجہ میں حضورِ اکرم ﷺ کی پیشین گوئی کے مطابق دینِ اسلام ہر کچے وپکے گھر میں داخل ہو گیا۔

اشاعتِ دین کی کوششوں میں سب سے اہم ونازک فتاویٰ نویسی ہے، جس کے لئے مختلف علوم وفنون پر عبور اور مصادرِ شریعت پر گہری نظر ہی کافی نہیں بلکہ احوالِ زمانہ سے آگاہی، عرف وعادت سے باخبری اور مزاج شناسی بھی لابدی ہے، مزید براں مفتی فرامینِ الٰہی کا ترجمان ہوتا ہے جس کی وجہ سے فتاویٰ نویسی کا منصب اور شغل "پر خار وادی" ہو گیا ہے، جس سے توفیقِ الٰہی کے بغیر گزر ممکن نہیں، اسی

لئے بڑے بڑے اکابر اور اہلِ علم افراد سے اس دینی خدمت کی انجام دہی سے گریز وفرار منقول ہے، مگر بہر حال یہ امت کی ایک ناگزیر ضرورت ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے وہ پختہ دل اور پختہ عزم افراد بھی پیدا کیے جنہوں نے توفیقِ الٰہی سے نہ صرف اس اہم ذمہ داری کو نبھایا بلکہ وہ بعد والوں کے لئے مشعلِ راہ ثابت ہوئے اور قیامت تک یہ سلسلہ جاری وساری رہے گا۔

عزیزِ گرامی جناب مفتی محمد صلاح الدین صاحب زید فضلہ انہی باتوفیق لوگوں میں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اس اہم دینی خدمت کی توفیق سے نوازا ہے، وہ اپنے علاقہ میں تعلیم وتدریس کے ساتھ فتاویٰ نویسی کی خدمت بھی انجام دیتے ہیں، پیشِ نظر فتاویٰ کا مجموعہ جو "فتاویٰ رفیقیہ" کے نام سے موسوم ہے انہی کے تحریر کردہ فتاویٰ ہیں جو مدراس کے معروف ادارہ "مدرسۂ رفیق العلوم" کی جانب منسوب ہیں، چونکہ موصوف اس ادارہ کے ذمہ دار ورفیق ہیں اس لئے اس مجموعہ کا انتساب اس کی طرف کیا گیا ہے۔

بندہ نے اس مجموعہ کو بالاستیعاب دیکھا ہے، ماشاء اللہ ان فتاویٰ کی زبان سادہ اور اسلوب واضح ہے، ان کا مضمون بھی مختصر وجامع اور بے جا تطویل سے پاک ہے جیسا کہ فتاویٰ کی شان ہوتی ہے، نیز فتویٰ کی حدود وشرائط اور اس میں جس تثبت اور حزم واحتیاط کی ضرورت ہوتی ہے وہ بھی ان میں ملحوظ ہے، اس مجموعہ میں عقائد وعبادات سے لے کر نکاح وطلاق، عدت وبیوع، معاملات اور وصیت ووراثت سبھی ابوابِ فقہ سے متعلقہ فتاویٰ شامل ہیں اور تمام فتاویٰ میں اسلوب اور تحقیق کے لحاظ سے یکسانیت پائی جاتی ہے جو موصوف کی علمی لیاقت وصلاحیت اور فقہ وفتاویٰ پر عبور پر دال ہے۔

اللہ تعالیٰ موصوف کے علم و عمل میں خوب برکت پیدا فرمائے اور مزید خدمات کی توفیق سے بہرہ ور فرمائے اور اس مجموعہ کو قبولِ عام نصیب فرمائے۔ آمین

العبد محمد طاہر عفا اللہ عنہ
مظاہر علوم سہارنپور
۱۹؍ صفر ۱۴۳۸ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

فتویٰ کی تاریخ، اہمیت اور عظمت

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم، امابعد!

دنیا بھر میں جتنے بھی علوم رائج ہیں ان کی تین قسمیں ہیں: (۱) علومِ عقلیہ، (۲) علومِ نقلیہ، (۳) علومِ نقلیہ و عقلیہ۔

علومِ عقلیہ: اس قسم کے علوم صرف عقل سے متعلق ہوتے ہیں۔ نقل کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔

علومِ نقلیہ: ان کا تعلق محض نقل سے ہوتا ہے، عقل کی اس میں کوئی گنجائش نہیں ہوتی، نصوص وروایات سے وہ علوم ہم تک پہنچتے ہیں جیسے احادیثِ مبارکہ اور تفاسیر آیاتِ قرآنیہ، ان علوم کے ماہرین کو محدثین اور مفسرین کہتے ہیں۔

مجموعۂ علومِ نقلیہ وعقلیہ: ان علوم کا تعلق نہ صرف عقل سے ہوتا ہے نہ صرف نقل سے، بلکہ دونو برابر شریک ہوتے ہیں، ان کو اشرف العلوم کہا جاتا ہے، اس میں علمِ فقہ اور اصولِ فقہ شامل ہیں، ان علوم کے حاملین کو فقہاء کہا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان علوم کے حاملین کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے: **فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم۔** (ہر قوم میں سے ایک گروہ ایسا ہونا چاہئے جو دین کی سمجھ حاصل کرے اور اپنی قوم کو ڈرائے

جب ان کی طرف واپس آجائے)۔ (سورۂ توبہ:۱۲۲)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: **من یرد اللہ بہ خیراً یفقھہ فی الدین۔** (متفق علیہ بحوالہ مشکوۃ شریف ص/۳۲) یعنی جب اللہ کسی کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے دین کی سمجھ عطا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اسلامی احکام ومسائل کے جاننے اور سمجھنے کے لئے ایسے ہی لوگوں سے پوچھنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: **فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون۔** (سورۂ نحل:۴۳) پس اہلِ ذکر سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے، باجماعِ مفسرین اہلِ ذکر سے مراد علماء وفقہاءِ امت ہیں۔

فقہ کی لغوی واصطلاحی تعریف:

فقہ کا لغوی معنیٰ ہے کسی چیز کو کھولنا اور کسی چیز کو جاننا، اسی سے فقیہ ہے فقیہ اس عالمِ دین کو کہا جاتا ہے جو شرعی احکامات کو واضح کردے، اس کے حقائق کا سراغ لگائے، اسی طرح مسائل کی پیچیدگیاں دور کرے۔

فقہ کی اصطلاحی تعریف امام ابوحنیفہؒ نے یوں کی ہے: **ھو معرفۃ النفس مالھا وماعلیھا۔** (التوضیح والتلویح ج۱ ص۱۰) یعنی فقہ ان امور کو جاننے کا نام ہے جو بندے کے لئے جائز ہیں یا ناجائز۔ اور متأخرین کی مشہور تعریف یہ ہے: **الفقہ ھو العلم بالاحکام الشرعیۃ الفرعیۃ المکتسب من ادلتھا التفصیلیۃ.** (الدر المختار علی رد المحتار ج۱ ص۳۶) فقہ ان فروعی احکامات کے جاننے کا نام ہے جو ادلۂ تفصیلی سے مستنبط ہوں۔

فقہ کا موضوع: مکلف کے افعال ہیں جائز وناجائز ہونے کے اعتبار سے۔

غرض وغایت: سعادتِ دارین سے کامیاب ہونا ہے۔

فقہ کے مآخذ: فقہ کے مآخذ جن کو ابھی فقہ کی تعریف میں ادلۂ شرعیہ سے تعبیر کیا گیا چار ہیں، ان میں قرآن وسنت دو بنیادی اصول ہیں اور باقی دو یعنی اجماع و

قیاس ان دونوں کے تابع ہیں، اس لئے کہ جو اجماع و قیاس قرآن و سنت کے معارض ہوں تو وہ نا قابلِ اعتبار ہیں، یہ چاروں دلائل فقہائے امت کے یہاں متفق علیہ ہیں۔

(درِ مختار ۱/ ۱۲۰)

ان مآخذ سے مستنبط شدہ مسائل جو کتبِ فقہ میں درج ہیں، وہ تین اقسام پر مشتمل ہیں: (۱) متون (۲) شروح اور (۳) فتاویٰ۔

چونکہ اس وقت ہمارا موضوع فتاویٰ ہیں، اس لئے ان سے متعلق چند باتیں پیش خدمت ہیں۔

لفظِ فتویٰ کی تحقیق :

فتاویٰ ان حوادث اور واقعات کے حل کا مجموعہ ہے جو مختلف حالات اور ازمنہ میں علماءِ امت کے سامنے بصورتِ سوال پیش ہوئے، اور انہوں نے ان مآخذ کے تحت حل تلاش کر کے امت کے سامنے پیش کیا ہے، اس حل کو فتویٰ، مجموعہ کو فتاویٰ، حل کرنے والے کو مفتی اور حل طلب کرنے والے کو مستفتی کہا جاتا ہے، جب کہ یہ عمل افتاء کے نام سے موسوم ہے۔

لغت میں '' فتویٰ'' دو طرح سے منقول ہے: (۱) بفتح الفاء (۲) بضم الفاء، لیکن قولِ اول زیادہ صحیح ہے، اور لفظِ فتویٰ افتی یفتی افتاء کے حاصلِ مصدر کے طور پر مستعمل ہے، اور لغت میں اس کے معنی یہ ہیں: **هو الجواب لأی سوال کان، سواء کان متعلقاً بالاحکام الشرعية او بغيرها من المعاملات الاخرىٰ الدنيوية المحضة** یعنی فتویٰ کسی بھی سوال کا جواب دینے کو کہا جاتا ہے، سوال چاہے احکامِ شرعیہ کے متعلق ہو یا کسی دنیوی امور کے بارے میں ہو، جیسے قرآنِ کریم میں ارشادِ باری ہے: **يوسف ايها الصديق افتنا فی سبع بقرات**۔ (سورۂ یوسف: ۴۶) اِس آیت میں دنیاوی امور

کے بارے میں سوال لفظِ فتویٰ سے کیا گیا ہے۔

اصطلاح میں فتویٰ کا معنیٰ یہ ہے: **الجواب عن مسئلة دينية** یعنی کسی دینی مسئلے کا جواب دینا؛ محققین نے دیگر تعریفات بھی کی ہیں مگر سب کا ما حصل یہی ہے کہ دینی مسئلے کا جواب دینا خواہ احکامِ شرعیہ عملیہ سے متعلق ہو یا اعتقادیہ سے۔(المصباح:۲۴)

پھر فتویٰ اور افتاء کا اطلاق فقہاء کے کلام میں تین معنوں پر ہوتا ہے اس کو تین اقسام میں تقسیم کرسکتے ہیں(۱) تشریعی فتاویٰ(۲) فقہی فتاویٰ(۳) جزئی فتاویٰ۔

تشریعی فتاویٰ:

یہ وہ فتاویٰ ہیں جو وحیٔ متلو یا غیر متلو کے ذریعہ اللہ اوراس کے رسول ﷺ کی جانب سے صادر ہوئے ہیں ،اور یہ عموماً نبی ﷺ کے دورِ مبارک میں کسی سوال کے جواب میں یا کسی فوری پیش آنے والے مسئلے کو بیان کرنے کے لئے آئے، پھر عام شرعی قاعدے بن گئے، قرآن وحدیث میں اس کی بے شمار مثالیں ہیں، جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:**يسئلونك عن الاهلة قل هي مواقيت للناس والحج**۔(سورۂ بقرہ:۱۸۹)

فقہی فتاویٰ:

یہ وہ فتاویٰ ہیں جس کا اظہار کسی فقیہ کی جانب سے ہوتا ہے ،البتہ وہ کسی مخصوص سوال کے جواب میں نہیں ہوتے بلکہ مختلف تفریعات یا کسی عمومی سوال کے ضمن میں ہوتے ہیں، اور یہ اس فقیہ کا طریقۂ کار ہوتا ہے جو مسائلِ فقہیہ کی تدوین کرتا ہے۔ جیسے کسی فقیہ سے پوچھا جائے کہ اس شخص کا کیا حکم ہے جو اپنی بیوی کو سرحتک کہے، اور اس سوال میں اس کو کسی متعین واقعے کا حوالہ نہ دیا گیا ہو۔

جزئی فتاویٰ:

اس سے مراد وہ فتاویٰ ہیں جس میں کسی متعین واقعے کے سوال کا جواب دیا

جاتا ہے، اس طریقہ پر کہ فقہ کے کلی حکم کو جزئی واقعے پر منطبق کیا جاتا ہے۔ جیسے کسی متعین شخص کے بارے میں سوال کیا جائے کہ اس نے اپنے ورثاء میں والدین، ایک بیوی، ایک بیٹا اور ایک بیٹی چھوڑے۔ اب اس کے ترکہ کو اس کے وارثین میں کیسے تقسیم کیا جائے۔ (اصول الافتاء وآدابہ ص/۸۔۱۱)

فتویٰ کا تاریخی پس منظر:

سب سے پہلے جنہوں نے منصبِ افتاء کو سنبھالا وہ آپ ﷺ ہیں، عہدِ نبوت میں مسائل کا حل براہِ راست آپ کی ذاتِ اقدس سے وابستہ تھا، گویا آپ ﷺ بنفسِ نفیس تعلیمِ قرآن کے ساتھ ساتھ قانون سازی، فتاویٰ، اور قضا وغیرہ کے فرائض بھی انجام دیتے تھے، نبیٔ کریم ﷺ نے اپنے فتاویٰ کے ذریعے سے مسلمانوں کی ہر چیز میں یعنی عبادات، معاملات، اخلاقیات، آداب ومعاشرت سب چیزوں میں رہنمائی فرمائی، ہر بات میں آپ ﷺ کے فتاوے اور ارشادات موجود ہیں جو مسلمانوں کے لئے مشعلِ راہ ہیں، لیکن آپ ﷺ کے فیصلے، فتاویٰ عموماً ایک دستور اور اصولی رنگ میں تھے، جس کی لاتعداد مثالیں کتبِ حدیث میں موجود ہیں؛ مثلاً آپ ﷺ نے سود اور ربوا کی تعیین جاننے کے لئے اور متفق الاجناس اشیاء کی باہمی بیع کے لئے اشیاءِ ستہ کے بارے میں فرمایا: **الحنطة بالحنطة والشعير بالشعير والذهب بالذهب والفضة بالفضة والملح بالملح والتمر بالتمر مثلاً بمثل يداً بيد والفضل ربوا۔**

(مشکوۃ: ۲۴۴)

خلاصہ یہ کہ عہدِ نبوت میں فتویٰ صرف آپ ہی دیا کرتے تھے جو آج ہمارے سامنے کتبِ حدیث کی شکل میں موجود ہیں، البتہ بعض صحابۂ کرام کو اجتہاد اور استنباط کی عملی مشق کی خاطر آپ ﷺ نے فتویٰ دینے کی اجازت دی تھی، جیسا کہ

مستدرک حاکم میں ہے: ان رجلین اختصما الی النبی ﷺ فقال لعمرو اقض بینھما فقال اقضی بینھما وانت حاضریا رسول اللہ قال نعم علی انک ان اصبت فلک عشرا جور وان اجتھدت فاخطأت فلک اجر "دو افراد اپنا جھگڑا لے کر نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے تو آپ نے حضرت عبد اللہ ابن عمروؓ سے فرمایا کہ ان دونوں کے درمیان فیصلہ کرو، انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ کی موجودگی میں میں فیصلہ کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں تم فیصلہ کرو، اگر تم نے درست فیصلہ کیا تو تمہارے لئے دس اجر ہیں اور اگر تم نے اجتہاد کیا اور غلطی کی تو تمہارے لئے ایک اجر ہے"۔

(مستدرک حاکم، رقم الحدیث: ۷۰۰۴)

نیز حضرت معاذؓ بن جبل اور حضرت عمروؓ وغیرہ کے حضور ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں فتویٰ دینے کے واقعات کتبِ احادیث میں ملتے ہیں۔

(ملاحظہ فرمائیں: ابوداؤد ۲/۱۴۹، مشکوۃ: ۳۲۴، طبقات بن سعد: ۱۱۲)

دورِ صحابہ کرامؓ :

اس کے بعد دورِ صحابہ میں اکابر صحابۂ کرامؓ کو مرجعیت کا مقام حاصل ہوا، جن میں خاص طور پر سات صحابہ کا نام نمایاں ہے: (۱) حضرت عمر بن خطابؓ (۲) حضرت علی بن ابی طالبؓ (۳) حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ (۴) حضرت عائشہ بنت ابو بکر صدیقؓ (۵) حضرت عبد اللہ بن عباسؓ (۶) حضرت زید بن ثابتؓ (۷) اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ۔ (اعلام الموقعین ۱/۱۰، ۹)

علامہ ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک شخصیت کے فتاویٰ کو ایک بڑی جلد میں جمع کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ امام ابو بکر محمد بن موسی بن یعقوب نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے فتاویٰ کو بیس جلدوں میں جمع کیا ہے۔ (الاحکام فی اصول الأحکام ۵/۸۹)

اس کے علاوہ بھی بہت سے صحابۂ کرامؓ امت کی دینی رہنمائی کی خدمت انجام دیتے رہے، جن میں سے بعض صحابہ کو خصوصی مسائل میں تخصیص کا درجہ حاصل تھا، جیسے حضرت عثمانؓ اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کو حج کے مسائل میں امتیاز حاصل تھا، اور حضرت عائشہؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ کو علم الفرائض میں خصوصی درک حاصل تھا، اور حضرت عمرؓ کا تو یہ مقام تھا کہ ایک تابعی کا مقولہ ہے کہ جب میں نے حضرت عمرؓ کی فقاہت کو دیکھا، تو دیگر فقہاء ان کے سامنے بچے نظر آئے۔

(کتاب النوازل ۱/۱۳۱)

دورِ حضراتِ تابعینؒ:

صحابۂ کرامؓ کے زمانے کے بعد حضراتِ تابعین نے اس عظیم ذمہ داری کو اپنے ذمہ لے لیا، اور مختلف شہروں میں افتاء کی خدمت بحسن وخوبی انجام دی، بحمد اللہ یہ سلسلہ چلتا رہا، یہ وہ حضرات تھے جو صرف احادیث اور آثار کی روایت نہیں کرتے تھے بلکہمسائل بھی جمع کرتے اور جزئیات کے استنباط کرنے میں بھی خوب کوشش کرتے تھے، یہاں تک کہ فقہ کے ہر باب میں اُن سے کوئی نہ کوئی فتویٰ منقول ہے۔ چنانچہ مدینہ منورہ میں فقہاءِ سبعہ (سعید بن مسیب، عروہ بن زبیر، قاسم بن محمد، عبید اللہ بن عبد اللہ، خارجہ بن زید، ابو بکر بن عبد الرحمن اور سلیمان بن یسارر حمہم اللہ) سرِ فہرست ہیں، مکۂ مکرمہ میں عطاء بن ابی رباح، طاؤس بن کیسان، علی بن طلحہ اور عبد الملک بن جریج رحمہم اللہ اہلِ فتویٰ تھے، اور کوفہ میں ابراہیم نخعی، عامر شعبی اور علقمہ بن قیس رحمہم اللہ فتویٰ دیا کرتے تھے، اور انشاء اللہ یہ سلسلہ تا قیامت چلتا رہے گا۔

(مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو اعلام الموقعین ۱/۱۸ تا ۲۳، الانصاف للشاہ ولی اللہ الدہلوی: ۳۱)

نیز تابعینؒ اور تبعِ تابعینؒ نے اس منصب کو باقاعدہ ایک فن کی شکل دے دیا،

اور بہت سے فقہی مکاتب وجود میں آئے، فقہی مسالک کے اُس دور کو مجتہدین کا دور کہا جاتا ہے، جن میں سے چار فقہاء کی فقہ (فقہِ حنفی، شافعی، حنبلی اور مالکی) کو عالمگیر مقبولیت حاصل ہوئی۔

برِ صغیر میں فتاویٰ کی خدمات:

برِ صغیر میں فتاویٰ کی خدمات کا سلسلہ چوتھی صدی ہجری کے بعد شروع ہوا۔ (عجائب الہند مولفہ بزرگ بن شہر یار) فتاویٰ کے حوالے سے مسلمان بادشاہوں کی فقہِ اسلامی سے خصوصی دلچسپی حیرت انگیز ہے، چنانچہ سلطان محمود غزنویؒ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ اپنے زمانے کے زبردست فقیہ تھے، اورانہوں نے احکام ومسائلِ شرعیہ پر مشتمل "التفرید فی الفروع" نامی ایک زبردست کتاب لکھی، اسی طرح مشہور اسلامی بادشاہ ظہیر الدین بابر نے بھی اصولِ مذاہب پر ایک بہترین کتاب لکھی۔

(مسلمانانِ ہند وپاکستان کی تاریخی تعلیم:۱۷۹)

درجِ ذیل کتبِ فتاویٰ مسلمان بادشاہوں کی خصوصی دلچسپی کی شاہدِ عدل ہیں :

۱۔ فتاویٰ فیروز شاہی ۲۔ فتاویٰ ابراہیم شاہی ۳۔ فتاویٰ اکبر شاہی ۴۔ فتاویٰ عادل شاہی ۵۔ فتاویٰ تاتارخانی اور ۶۔ فتاویٰ عالمگیری۔ (ماہنامہ معارف، فروری ۱۹۹۸ء)

اِس وقت ہند وپاک میں جو اُردو فتاوے مرتب ہو کر شائع ہوگئے ہیں، وہ ہماری ادنیٰ تحقیق کے مطابق تقریباً سو سے زائد ہیں، جن میں سے اکثر فتاویٰ الحمد للہ علماءِ احناف بالخصوص علماءِ دیوبند کے تحریر کردہ ہیں۔

بیسویں صدی عیسوی کے نصفِ آخر میں اربابِ حل وعقد نے اِس بات کی ضرورت کی محسوس کی کہ قرآن وسنت کی روشنی میں ملکی قوانین وملی مسائل کا جائزہ لیں، تو اس حوالے سے درجِ ذیل مشہور ومعروف ادارے وجود میں آئے۔

(۱) مجمع الفقہ الاسلامی (سعودی عرب)۔

(۲) ہیئت ِکبارِ علماء (سعودی عرب)۔

(۳) مجمع البحوث الاسلامیہ (مصر)۔

(۴) مجمع الفقہ الاسلامی (جنوبی امریکہ)۔

(۵) ادارۃ المباحث الفقہیہ (ہندوستان)۔

(۶) اسلامک فقہ اکیڈمی (ہندوستان)۔

(۷) امارات ِشرعیہ پھلواری شریف (ہندوستان)۔

(۸) اسلامی نظریاتی کونسل (پاکستان)۔

(۹) ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی (پاکستان)۔

منصبِ افتاء کی عظمت:

منصبِ افتاء ایک عظیم اور مہتم بالشان امر ہے، اس کی عظمت اور قدر و منزلت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بذاتِ خود اس کی ذمہ داری لی اور اس کو اپنی ذات کی طرف منسوب کیا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ۔** (سورۃ النساء:۱۷۶)

نیز اس امت میں سب سے پہلے امام المتقیین خاتم النبیین رسول اللہ ﷺ اس منصبِ عظیم پر فائز ہوئے، اس لئے کہ افتاء اُس بیان ہی کی ایک نوع ہے جو حضور ﷺ کے فرائضِ رسالت میں سے ایک فریضہ ہے، جیسے کہ ارشادِ خداوندی ہے:

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس مانزل الیھم ولعلھم یتفکرون۔ (سورۂ نحل:۴۴)

چنانچہ صحابۂ کرامؓ اور دیگر مذاہب کے لوگ آپ کی خدمتِ بابرکت میں حاضر ہوتے اور اپنے پیش آمدہ مسائل کے سلسلے میں حکم دریافت کرتے اور آپ ان

تمام کو جوابات سے شاد فرماتے، مثلاً ایک یہودی عالم کا نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا اور بہترین خطۂ ارض کو دریافت کرنا پھر آپ کا خیر البقاع مساجدھا جواب دینا حدیث میں وارد ہے۔(مشکوۃ:۷۱)

اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ مفتی رسول اللہ ﷺ کا خلیفہ اور اللہ رب العزت کا ترجمان ہوتا ہے۔(الموافقات للشاطبی ۴/۲۴۴،الاحکام للقرافی:۹۹)اوراس کی اطاعت در حقیقت رب العالمین کی اطاعت ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یا ایھا الذین اٰمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم۔(سورۂ نساء:۵۹)اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اور اپنے اربابِ اختیار کی اطاعت کرو؛ علامہ ابو بکر جصاصؒ فرماتے ہیں: اختلف فی تاویل اولی الامر فروی عن جابر رضی اللہ عنہ بن عبد اللہ وابن عباس رضی اللہ عنہ روایۃً والحسن وعطاء ومجاھد انھم اولوا الفقہ والعلم۔(احکام القرآن:۲/۲۱۰)

اور نیابت کا مفہوم اس حدیث سے بھی خوب واضح ہے جو حضرت ابو درداءؓ سے ایک طویل حدیث میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد منقول ہے: ان العلماء ورثۃ الانبیاء وان الانبیاء لم یورثوا دیناراً ولا درھماً وانما ورثوا العلم۔(ترمذی: ۲/ ۹۷) کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں، اور یقیناً انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام دینار اور درہم کے وارث نہیں بناتے وہ تو علم کا وارث بناتے ہیں۔

لیکن واضح رہے کہ مفتی کے نائب ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ کسی حکمِ شرعی کو ایجاد کرتا ہو اور لوگوں کو اپنی اطاعت اور اتباع کا حکم کرتا ہو بلکہ وہ شریعتِ اسلامیہ میں موجود احکام کو ظاہر کرتا ہے اور اس کی اطاعت کی دعوت دیتا ہے۔

فتویٰ کی اہمیت :

اعمالِ شرعیہ کے اعتبار سے علمِ فقہ کی ضرورت دیگر علوم کے بہ نسبت عام

طور سے زیادہ ہے، اس لئے کہ علمِ فقہ جامعِ علومِ ثلاثہ (علمِ تفسیر، علمِ حدیث اور علمِ توحید) ہے، اور دنیا اور آخرت کے منافع اور مضرتیں اسی کے جاننے اور اسی کے موافق عمل کرنے میں پوشیدہ ہیں، نیز معاش و معاد کے کاروبار کا جاننا اسی علم کے ساتھ وابستہ ہے، ہر زمانہ کے اکابر، ائمۂ دین اور فقہاءِ اسلام نے اسی کے ساتھ حسبۃً للہ مشغولی رکھی، جس کا آج یہ نتیجہ دیکھا جاتا ہے کہ اہلِ اسلام حرام و حلال، واجب و سنت اور مستحب وغیرہ باتوں کو بے تکلف کتبِ فقہ کی مدد سے معلوم کر لیتے ہیں۔

نبیٔ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد ہے: **مجلس فقه خير من عبادة ستين سنة** (فقہ کی مجلس میں شریک ہونا ساٹھ برس کی عبادت سے بہتر ہے۔

(کنز العمال ۱/۱۷۶، رقم: ۲۸۹۱۷)

بخاری شریف میں حضرت عمرؓ کا قول منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: **تفقهوا قبل ان تسودوا** (سردار بننے سے پہلے فقہ سیکھ لو)۔ (بخاری شریف ۱/۱۷)

فقہ کی اہمیت کا اندازہ اس مسئلے سے ہو سکتا ہے کہ فقہ کا سیکھنا باقی قرآن سے یعنی بقدرِ ضرورت سے زائد حفظ کر لینے سے افضل ہے۔ (در مختار ۱/۱۲۱)

دار العلوم دیوبند کے سابق مہتمم حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ فتویٰ کی اہمیت کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:

"منصبِ افتاء علمی سلسلوں میں سب سے زیادہ مشکل، دقیق اور اہم ترین سمجھا گیا ہے، فقہ کی لاکھوں متماثل اور ان کے متعلقہ احکام میں تھوڑے تھوڑے فرق سے حکم کا تفاوت محسوس کرنا عمیق علم کو چاہتا ہے جو ہر عالم کے بس کی بات نہیں، جب تک فقہ سے کامل مناسبت، ذہن و ذکاوت، خاص قسم کی صلاحیت اور قلب میں مادۂ تفقہ نہ ہو۔ اس وجہ سے مدارسِ دینیہ میں افتاء کے لئے شخصیت کا انتخاب نہایت

پیچیدہ مسئلہ سمجھا گیا ہے جو کافی غور و فکر اور سوچ بچار کے بعد ہی حل ہوتا ہے، پھر بھی تجربات کا محتاج رہتا ہے“۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند ۱/۳۴)

فتویٰ دینے میں احتیاط :

جس طرح منصبِ افتاء ایک عظیم اور رفیع القدر منصب ہے، اسی طرح اِس گراں بار ذمہ داری کی طرف اقدام اور جرأت نہایت خطرہ کی بات ہے؛ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا :من افتیٰ بفتیا من غیر ثبت فانما اثمہ علی من افتاہ یعنی جو شخص بغیر علم کے فتویٰ دے تو اس کا گناہ ضرور فتویٰ دینے والے پر ہوگا۔(سننِ دارمی:۱/۵۳،رقم:۱۶۱)

حضرت عبد اللہ ابن عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا بیشک اللہ تعالیٰ علم کو لوگوں سے اچانک نہیں اٹھالے گا بلکہ علماء کی وفات کے ذریعہ علم اٹھالے گا یہاں تک کہ جب کوئی عالم باقی نہ رہے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا سربراہ بنائیں گے ان سے فتویٰ پوچھیں گے تو وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے سو خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔

(بخاری شریف ۱/۲۰، مشکوۃ ص/۳۳)

حافظ ابن حجرؒ اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ دو باتیں اس حدیث سے معلوم ہوئیں کہ فتویٰ دیناہی حقیقی سربراہی ہے، اور دوسرے یہ کہ بغیر علم کے فتویٰ دینے پر اقدام کرنا نہایت برا ہے۔(فتح الباری ۱/۱۷۵)

فتوے کی نزاکت کے لئے آپ ﷺ کا یہ قول کافی ہے:اجرأکم علی الفتیا اجرأکم علی النار کہ تم میں فتویٰ دینے میں زیادہ جرأت مند وہ ہوگا جو تم میں جہنم کی آگ پر زیادہ جرأت مند ہو۔(مقدمہ سننِ دارمی:۱۷۵)

چنانچہ عبد الرحمن ابن ابی لیلیٰؒ فرماتے ہیں کہ میں نے انصار صحابہؓ میں سے ایک سو بیس صحابۂ کرامؓ کو ایسا پایا کہ جب ان میں سے کسی سے کسی مسئلہ کے بارے میں پوچھا جاتا تو وہ اس مسئلہ کو ایک سے دوسرے ، اور دوسرے سے تیسرے کی طرف بھیجتے، یہاں تک کہ سائل اول مسئول ہی کی طرف واپس آجاتا۔

(المدخل للبیہقی ص:۴۳۳، رقم:۸۰۱)

اسی وجہ سے مفتیان صحابہؓ کی تعداد بہت کم رہی ہے، جیسا کہ علامہ ابن عبد البرؒ نے اپنی سند کے ساتھ عقبہ بن مسلمؒ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں: میں ابنِ عمرؓ کی صحبت میں چونتیس (۳۴) مہینے رہا، اکثر ان سے کوئی سوال کیا جاتا تو وہ فرماتے لاادری (مجھے معلوم نہیں) پھر وہ میری طرف متوجہ ہوتے اور فرماتے کیا تم جانتے ہو یہ لوگ کیا چاہتے ہیں؟ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ ہماری پشتوں کو اپنے لئے جہنم کا پل بنائیں۔

(جامع بیان العلم وفضلہ:۳۱۶)

یہی حال حضراتِ تابعین کا تھا، جیسا کہ حضرت عطاء ابن سائبؒ فرماتے ہیں: ادرکت اقواما ان کان احدھم یسئل عن الشیء فیتکلم وانہ لیرعد (میں نے ایسے علماء کو پایا ہے، اگر ان میں سے کسی کو سوال کیا جاتا تو وہ اس بارے میں اس طرح گفتگو کرتے کہ ان پر کپکپاہٹ طاری ہو جاتی۔ (المعرفۃ والتاریخ ۲/۸۱۷ بحوالہ اصول الافتاء وآدابہ ص/۱۶)

مفتی کے شرائط :

(۱) مفتی قرآن وسنت کا ماہر عالم ہو۔ (اعلام الموقعین ۳۵۲)

(۲) بیدار مغز، قوی الضبط اور اہلِ اجتہاد ہو۔ (البحر الرائق ۶/۲۶۶)

(۳) عاقل وبالغ ہو۔ (طحطاوی علی الدر ۳/۱۷۵)

(۴) زمانہ کے عرف سے واقف ہو۔ (عقود رسم المفتی ص/۴۰)

(۵) اس سے اغلاط کم واقع ہوں۔ (طحطاوی علی الدر ۳/ ۱۷۲)

(٦) معتمد تجربہ کار علماءِ عظام واساتذۂ کرام کی صحبت لازمی ہے، صرف کتب بینی پر اعتماد کرنا کافی نہیں ہے۔ (عقود رسم المفتی ص/ ۴۰)

فقہاءِ کرام نے اور بھی شرائط تحریر فرمائے ہیں، جو مطولات میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

مفتی کے آداب :

(۱) عادل، دیندار وخدا ترس ہو۔ (الدر مع الرد ۴/ ۴۱۸)

(۲) فتویٰ دینے میں کتبِ مذہب سے صریح جزئیہ تلاش کرے، محض کلیات وتعلیلات سے جواب نہ دے، تاہم اگر کافی تتبع کے بعد بھی جزئیہ نہ مل سکے تو لکھ دے کہ جزئیہ نہیں ملا اس لئے قواعد سے جواب لکھا جاتا ہے۔ (تحفۃ العلماء ۲/ ۲۳۷)

(۳) صرف ایک جزئیہ ایک کتاب میں دیکھ کر فتویٰ نہ دے بلکہ متعدد کتابیں دیکھ کر تحقیق کے بعد فتویٰ دیا جائے۔ (رسائل ابن عابدین بحوالہٗ فتاویٰ حقانیہ ۱/ ٦۷)

(۴) جواب واضح، صریح، اور سلیس زبان میں دے، جو موجبِ اشکال اور باعثِ تذبذب نہ ہو ورنہ اصل مقصد فوت ہو جائے گا۔ (صفۃ الفتویٰ: ۵۹)

(۴) ہر مسئلے پر فتویٰ دینے سے گریز کرنا مناسب ہے۔ (الفقیہ والمتفقہ ۱/ ۱۹۷)

(۵) فتویٰ دینے میں زمانہ اور مکان کا لحاظ رکھے۔ (عقود رسم المفتی: ۴۰)

(٦) اگر جواب معلوم نہ ہو تو صاف الفاظ میں کہہ دے کہ میں نہیں جانتا۔

(صفۃ الفتویٰ: ۵۸)

(۷) اشتغالِ قلب کی حالت میں فتویٰ نہ دے جیسے غصہ، غمی، خوشی، تکلیف، غلبۂ نیند یا بھوک وپیاس کی حالت وغیرہ۔ (شرح المہذب ۱/ ۴٦)

(۸) فتویٰ جب مکمل کرلے تو ہم نشین علماء وفضلاء کے سامنے رکھے، جو حق بات سامنے آئے اسے بلا تأمل قبول کرلے۔ (شرح المهذب ۱/۴۶)

(۹) مفتی کو متواضع، نرم خو اور شگفتہ مزاج عفت مآب اور صاحبِ صلاح وتقویٰ ہونا چاہئے، تند خوئی اور درشت مزاجی اس کے لئے سخت عیب ہے۔

(عقود رسم المفتی ص/۵، ۳)

(۱۰) مفتی کو چاہئے کہ وہ مسنون لباس کا اہتمام رکھے اور اپنی وسعت کے مطابق دائرۂ شریعت میں رہتے ہوئے اچھا لباس زیب تن کرے، طہارت ونظافت کا بھی اہتمام رکھے، کیونکہ اگر آدمی کی ظاہری ہیئت قابلِ قبول نہ ہو تو اس کی بات کا وزن بھی عام لوگوں کی نظر میں زیادہ نہیں رہتا۔ (اصول الافتاء وآدابہ: ۳۲۴)

جدید مسائل میں فتویٰ کیسے دیا جائے:

زمانے کے پیش آمدہ مسائل کا حکم متون اور شروح میں صراحتاً نہ ملے تو مندرجۂ ذیل طریقے اپنائے:

(۱) کتبِ فقہیہ کا گہرائی سے مطالعہ کرے۔

(۲) اگر تلاش وجستجو کے بعد بھی جزئیہ نہ ملے تو معاملہ کسی بڑے مفتی صاحب کے حوالہ کردے۔

(۳) اگر خود بالغ نظر ہو اور اصول وقواعد سے بخوبی واقف ہو تو قواعد اور نظائر کو سامنے رکھ کر مسئلے کا حکم بیان کرے، تاہم اس طرح کے مسائل میں ہم عصر علماء سے مشورہ کرلینا بہتر ہے۔ لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم **شاور الفقهاء العابدين ولا تمضوا فيه رأي خاصة**۔ (مجمع الزوائد ۱/۴۲۸ مستفاد از کتاب النوازل ۱/۲۰۸، ۲۰۷)

فقہ اور فقہاء کی عظمت

حضرت مفتی محمد یوسف صاحب تاؤلوی مد ظلہم (استاذِ حدیث دارالعلوم دیوبند)

جب فقہ کی دولت فنا تجھ کو عطا کر دے خدا
یہ جان لے فضلِ خصوصی کر دیا تجھ کو عطا

یہ علم ہی ہر علم کا افسر ہے اور سردار ہے
سب سے زیادہ ایک مفتی عالم و فن کار ہے

قدرت نہیں ہر ایک کو دیتی ہے یہ دولت عظیم
جس کو خدا دے گا یہ دولت اس کی شخصیت عظیم

یہ مسند پاکیزہ ہے ایک دولتِ عظمیٰ ہے یہ
یہ منزلِ مقصود ہے ایک رہبرِ عقبیٰ ہے یہ

خیرِ کثیر اور حکمت عالی مقام و شان ہے
یہ مذہب اسلام کی اک روح ہے اور جان ہے

لازم ہے مفتی کے لئے ہو بدر اثنائے نجوم
فطرت میں اس کی ہوں ودیعت سب فنون و سب علوم

اس مسندِ افتاء کی زینت اس کو دیکھا ہے کہیں
دین داری اور عفت مآبی جس کی فطرت میں نہیں

انصاف سے مفتی تو اصلی علم کا اسٹور ہے
اسلاف میں ایسا رہا ہے آج بھی کچھ دور ہے

یوسف تجھے اللہ نے محمود سا عالی مقام
گنجینۂ عرفاں دیا یعنی فراست کا امام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عقائد کے احکام

حضور ﷺ کے والدین کا انجام

سوال(۱) :

عن انس رضی اللہ عنہ ان رجلا قال یا رسول اللہ این ابی؟ قال فی النار فلما قفی دعاہ فقال ان ابی و اباک فی النار۔ ترجمہ: انسؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول! (قیامت میں) میرے باپ کہاں ہوں گے؟ آپ نے فرمایا دوزخ میں۔ جب وہ واپس گئے تو ان کو بلایا اور فرمایا میرے باپ اور تمہارے باپ جہنم میں ہوں گے۔ (حوالہ: مسلم ۱/۱۱۴، ابوداؤد ۲/۶۴۹، احمد: ۳/۲۶۷،۵ رقم: ۱۱۷۸۲)

عن أبی رزین قال قلت یا رسول اللہ این امی؟ قال امک فی النار قال قلت فاین من مضی من اھلک؟ قال: اما ترضی ان تکون امک مع امی. ترجمہ: ابورزینؓ (لقیط بن صبرہ) کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا اے اللہ کے رسول! میری ماں (انجام کے اعتبار سے) کہاں ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تیری ماں جہنم میں۔ راوی (ابورزین) کہتے ہیں: میں نے سوال کیا تو پھر تمہارے خاندان والوں میں سے جو پہلے گذر چکے ہیں وہ لوگ کہاں ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تمہاری ماں میری ماں کے ساتھ ہو؟ (یعنی سب کا حشر ایک ساتھ ہوگا)۔

(حوالہ: مسندِ احمد ۴/۵۸۱ حدیث نمبر: ۱۵۷۵۶)

مفتی صاحب سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ ان حدیثوں کا صحیح حوالہ کے ساتھ مفصلاً جواب مرحمت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

مذکورہ حدیثوں میں سے پہلی حدیث مسلم شریف (جلد اول صفحہ نمبر ر ۱۱۴) میں ہے، دوسری حدیث مسندِ احمد میں ہے (بحوالہ المعجم المفہرس ۱ر ۸۷) شارحِ مسلم علامہ نووی حدیثِ مذکور کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ وفیہ ان من مات فی الفترۃ علی ما کانت علیہ العرب من عبادۃ الاوثان فھو من اھل النار ولیس ھذا مواخذۃ قبل بلوغ الدعوۃ فان ھؤلاء کانت قد بلغھم دعوۃ ابراھیم وغیرہ من الانبیاء صلوۃ اللہ تعالیٰ و سلامہ علیھم وقولہ ﷺ ان ابی واباک فی النار ھو من حسن العشرۃ للتسلیۃ بالاشتراک فی المصیبۃ۔ (مسلم شریف مع شرحہ للنووی ۱ر ۱۱۴ مطبوعہ کلکتہ) خلاصہ یہ ہے کہ جو لوگ زمانۂ فترت (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد سے حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے تک کے زمانے) میں بت پرستی کرتے ہوئے مرے ہیں وہ جہنمی ہیں اور یہ دعوتِ ایمان سے پہلے گرفت و مواخذہ نہیں ہے، کیونکہ ان لوگوں کو سیدنا ابراہیم علیہ السلام ودیگر انبیاءِ کرام کی دعوت پہنچ چکی تھی۔ اور حضور ﷺ کا یہ فرمان کہ "میرے اور تمہارے باپ جہنم میں ہوں گے" اس شخص کی تسلی کے واسطے ہے کہ مصیبت میں دونوں برابر ہیں، لیکن واضح رہے کہ اس مسئلہ میں خاموشی اور سکوت بہتر ہے، کیونکہ حضور ﷺ کے والدین سے متعلق نجات وعدمِ نجات کا عقیدہ رکھنا ایمانیات وعقائد میں داخل نہیں ہے۔ امام سیوطیؒ نے اس مسئلہ پر متعدد رسائل تصنیف کئے ہیں، اور بتایا ہے کہ اس گفتگو کے بعد حضور ﷺ کے والدِ ماجد کے نجات پانے کی اطلاع آپ کو کردی گئی

ہے، اس لئے احتیاط اور سلامتی کا راستہ ہم سب کے لئے اس مسئلہ میں سکوت اور خاموشی ہے۔ (مستفاد از فتاویٰ محمودیہ ۵/ ۳۵۲ قدیمی)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۷/ محرم الحرام ۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح

محمد اجتباء الحق

بدعات اور رسومات کے احکام

قبروں پر چراغاں کرنا بدعت ہے

سوال(۲) :

کیا شرعی اعتبار سے (۱) قبروں کے آگے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا اور (۲) قبر والوں کے طفیل میں دعا مانگنا اور (۳) قبروں کے آگے دِیا جلانا جائز ہے؟ مہربانی فرما کر قرآن وحدیث کی روشنی میں تفصیل سے جواب ارشاد فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامدا ومصلیا ومسلما!

(۱) قبروں کے سامنے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا اس نیت وعقیدہ کے ساتھ کہ قبر والے حاجت روا، مشکل کشا اور مرادیں پوری کرنے والے ہیں حرام اور شرک ہے، اگر ایسا عقیدہ ونیت نہیں ہے تو قبروں کے پاس قبلہ رُخ ہو کر ہاتھ اٹھا کر دُعا مانگنے کی گنجائش ہے، مگر چونکہ ایسا کرنے میں عقیدہ خراب ہونے کا اندیشہ ہے (مثلاً کفار وبدعقیدہ لوگ کہیں یا سمجھنے لگیں کہ یہ لوگ قبر والوں سے مانگتے ہیں جیسے ہم اپنے بتوں سے مانگتے ہیں) اس لئے علماء نے منع کیا ہے۔

(۲) خدا کے نیک ومقبول بندوں کے وسیلہ اور طفیل میں دعا کرنا جائز بلکہ مستحب ہے، اور یہی تمام اہلِ سنت والجماعت کا مذہب ہے مثلاً یوں دعا کرنا کہ اے اللہ اپنے نیک بندوں کی برکت سے میری حاجت پوری فرمادے، احادیثِ شریفہ سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے:

(الف) نبیٔ اکرم ﷺ نے ایک دیہاتی صحابی کو (جو نابینا تھے) ان کلمات سے تعلیم دی اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَتَوَجَّہُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَۃِ الی قولہ فَشَفِّعْہُ فِیَّ، یعنی اے اللہ میں تجھ سے نبی ﷺ کے وسیلہ سے جو نبیٔ رحمت ہیں التجاء کرتا ہوں اور اے اللہ تو اُن کی سفارش میرے حق میں قبول فرما۔

(ترمذی شریف ۱۹۸/۲، رقم:۳۵۷۸، وقال الألبانی: صحیح)

(ب) امیہ بن خالد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ بذاتِ خود جنگ میں کفار پر کامیابی حاصل کرنے کے لئے مہاجر صحابہ کرامؓ اور فقراءِ صحابہؓ کے وسیلہ سے دعا مانگتے تھے۔(مشکوۃ شریف ص۴۴۷)

اس سے معلوم ہوا کہ وسیلہ اور ذریعہ کی حد تک نیک لوگوں کے طفیل میں دعا کرنا جائز بلکہ مستحسن ہے، البتہ مانگنا صرف اور صرف اللہ تعالی سے ہوگا، کیونکہ وہی نفع ونقصان کا مالک ہے، بعض لوگ براہِ راست اہلِ قبور سے درخواست کرتے ہیں کہ تم دعا کردو اور اللہ تعالی سے کہلوا کر ہماری حاجت پوری کرادو، اس طرح دعا کرنا یا یہ تصور کرنا کہ ہماری دعا براہِ راست قبول نہیں ہوگی، لہذا فلاں بزرگ جو مدفون ہیں اُن سے درخواست کرکے ہمارے حق میں دعا کرالی جائے تو شرعاً یہ فعل ناجائز ہے اور قرآن وحدیث کے خلاف ہے۔

(۳) قبروں کے سامنے چراغ جلانا قطعاً ناجائز اور حرام ہے، اور آنحضرت ﷺ نے قبروں پر آگ جلانے والوں پر لعنت فرمائی ہے جیسا کہ حدیثِ شریف میں موجود ہے: **لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ زَائِرَاتِ الْقُبُوْرِ وَالْمُتَّخِذِیْنَ عَلَیْھَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ**۔(مشکوۃ ص:۷۱) سوچنے کی بات ہے کہ اس میں بے فائدہ مال کو ضائع کرنا ہے، اس روشنی سے کسی کو کچھ بھی نفع نہیں پہونچتا ہے، اور آگ جلانے والی چیز ہے جو

سراسر جہنم ہے اس کو قبروں پر جلانا یہ کونسی عقلمندی ہے؟ نیز اس میں کفار و مشرکین سے بھی مشابہت پائی جاتی ہے، وہ اپنے تہواروں میں بتوں کو اپنے زعم اور خیال کے مطابق خوش کرنے کے لئے اپنے گھروں اور مندروں میں چراغاں کرتے ہیں، اور مسلمان مزاروں پر چراغاں کرکے گویا اُن کے ساتھ اِس عمل میں شریک ہو جاتے ہیں۔

اللّٰھم وفقنا لفھم التوحید وعمل الاخلاص وحسن الخاتمۃ.

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۱۴۲۳/۶/۳ھ

مروّجہ فاتحہ کی شرعی حیثیت

سوال (۳) :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہماری جامع مسجد بوپ سندرا میں کچھ احباب نمازِ فجر اور نمازِ عصر کے بعد دعا میں فاتحہ ،اسی طرح نمازِ جمعہ کے بعد دعائے ثانی اور اس میں فاتحہ اور سنتوں کے بعد کھڑے ہو کر مروجہ طریقہ سے سلام پڑھنے کی مسجد کی کمیٹی سے اجازت مانگ رہے ہیں جب کہ ابھی تک یہ تمام چیزیں ہماری مسجد میں نہیں تھیں، اس سلسلے میں چند سوالات حضراتِ مفتیانِ کرام سے ہم کرنا چاہتے ہیں اور قرآن وحدیث کی روشنی میں اُن کا مفصل، مدلل اور معقول جواب چاہتے ہیں۔ امید کہ آپ حضرات ازروئے شریعت جواب عنایت فرمائیں گے۔

(۱) کیا موجودہ طریقے پر فاتحہ پڑھنا صحیح ہے؟ بعض احباب اس عمل کو بدعت کہتے ہیں اور بعض احباب کہتے ہیں کہ کیا سورۂ فاتحہ پڑھنا گناہ ہے؟

(۲) حضور ﷺ پر درود بھیجنے کا صحیح طریقہ قرآن وحدیث میں کیا ہے؟ بعض احباب نمازوں کے بعد دعامیں اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰئِکَتَہٗ والی آیت پڑھنے کو اور اُس کے بعد امام کی خاموشی کے ساتھ تمام مقتدیوں کے زور سے درود پڑھنے کو ضروری سمجھتے ہیں، کیااِس طرح کرنے میں گناہ ہے؟ بعض احباب یہ بھی کہتے ہیں کہ حضور ﷺ پر درود کو نہ ماننے والا مسلمان ہی نہیں، درود پڑھنے میں کیا حرج ہے کہتے ہیں، اس کا کیا جواب ہے؟

(۳) نمازِ جمعہ اور سنن و نوافل ادا کرنے کے بعد دعاءِ ثانی کرنااور اس میں فاتحہ پڑھنا کیسا ہے؟ کیااِس کی کوئی صحیح دلیل ہے؟

(۴) اسی طرح جمعہ کی سنتوں کے بعد حضور ﷺ کی شان میں خاص انداز میں مروّجہ الفاظ کے ساتھ سلام پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

(۵) کچھ احباب یہ بھی بولتے ہیں فاتحہ، سلام وغیرہ نہ کرنے کی کوئی دلیل نہیں، ورنہ دلیل پیش کی جائے، کچھ احباب ان سب کاموں کی اجازت کے لئے کمیٹی پر اصرار کے ساتھ دباؤ ڈال رہے ہیں، کمیٹی کو اِس سلسلہ میں کیا کرنا چاہئے؟ حالانکہ اس کی وجہ سے بہت فساد جھگڑا ہونے کا اندیشہ بھی ہے، کیااِن چیزوں کی اجازت دیناچاہئے؟

(۶) بعض احباب یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ مسجد بزرگوں کی ہے اور یہ سب بزرگانِ دین کا طریقہ تھا، اِس لئے بزرگوں کی مسجد میں بزرگوں کا طریقہ چلانا چاہئے، براہِ کرم ازروئے شریعت پختہ اور مضبوط اور ٹھوس دلائل قرآن کی آیتوں اور حضور ﷺ کی احادیث اور صحابہؓ کے عمل کے ذریعہ سے واضح فرماکر ممنون ومشکور ہوں گے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

مسئولہ صورتوں میں جوابات سے پہلے اصولی طور پر یہ جان لینا ضروری ہے

کہ دینِ اسلام سراپا اطاعت وفرمانبرداری کا نام ہے، شریعتِ اسلامیہ نے جہاں کسی بات کا حکم دیاہے اس کو کرنا اور جس کام سے منع کیاہے اس سے رکنا ہی اصل دین ہے، مثلاً دن ورات کے کسی بھی وقت نماز پڑھنا باعثِ ثواب ہے مگر اوقاتِ مکروہہ میں نماز نہ پڑھنا ثواب ہے، اِسی طرح سال بھر میں جس دن چاہے روزہ رکھے ثواب ملے گا مگر عید الفطر اور عید الاضحیٰ اور اُس کے بعد تین دن روزہ رکھنا حرام ہے، ایسی بہت سی مثالیں ہیں جن سے شریعتِ اسلامیہ کا مزاج ومذاق بخوبی معلوم کیا جاسکتا ہے، اس مختصر سی وضاحت سے مذکورہ سوالوں کے جوابات خود ہی معلوم کرسکتے ہیں، مگر مختصراً جوابات لکھے جاتے ہیں امید کہ انشاء اللہ اطمینان ہوجائے گا، اللہ تعالی ہم سب کو اپنی اطاعت نصیب فرمائے ۔

(۱) سورۃ الفاتحہ قرآن مجید کی اہم سورت ہے، اس سورت کے متعدد نام ہیں مثلاً سورۂ شفا، سورۂ تعلیم المسئلہ، سورۂ وافیہ وغیرہ اور اِس سورت کے فضائل بھی بہت ہیں یہاں تک کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ (ترمذی ۱/۵۷، مشکوۃ ص/۷۸) سورۃ الفاتحہ کے بغیر نماز کامل نہیں ہوتی، لیکن اللہ کے رسول ﷺ اور حضراتِ صحابہؓ سے اس سورت کے پڑھنے کا کوئی خاص طریقہ ثابت نہیں، لہذا سوال میں ذکر کردہ طریقے پر یعنی نمازِ فجر اور نمازِ عصر کی دعا میں سورۃ الفاتحہ پڑھنا بدعت ہے، احادیثِ شریفہ میں نماز سے فارغ ہونے کے بعد مختلف دعائیں اللہ کے رسول ﷺ کی موجود ہیں، مگر کہیں سورۃ الفاتحہ کا ثبوت نہیں، اسی طرح حضراتِ صحابہؓ اور تابعینؒ سے بھی کوئی ثبوت نہیں ملتاہے، لہذا اس خاص طریقہ سے بچنا چاہئے، اور بعض لوگ جو اعتراض کرتے ہیں کہ کیا سورۂ فاتحہ پڑھنا گناہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ پڑھنا عظیم ثواب ہے، مگر طریقہ بدلنا اور اس کو لازم

سمجھ کر عمل کرنا گناہ ہے۔ بخاری شریف میں حضرت عائشہؓ کی یہ روایت ہے کہ مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا ھٰذَا مَا لَیْسَ مِنْہُ فَھُوَ رَدٌّ ۔(بحوالہٗ مشکوۃ ص ۲۷) یعنی جس شخص نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی چیز داخل کی تو وہ نا قابلِ قبول اور مردود ہے۔

(۲) درود شریف پڑھنے کا یہ طریقہ بھی غیر شرعی ہے، واضح رہے کہ درود شریف پڑھنا نہ صرف ثواب بلکہ باعثِ نجات وسعادت ہے، حدیثِ شریف میں صاف موجود ہے کہ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ وَاحِدَۃً صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ وَحُطَّتْ عَنْہُ عَشْرُ خَطِیَّاتٍ وَرُفِعَتْ لَہٗ عَشْرُ دَرَجَاتٍ۔ (مشکوۃ شریف ص ۸۶) یعنی ایک مرتبہ درود شریف پڑھنے پر اللہ تعالیٰ دس رحمتیں نازل فرماتے ہیں اور دس گناہ معاف فرماتے ہیں اور دس درجے بلند کرتے ہیں۔ احادیثِ شریفہ میں اس طرح کی بہت سی فضیلتیں موجود ہیں، لیکن پورے ذخیرۂ احادیث میں مذکورہ طریقہ یا اس کے علاوہ کوئی خاص طریقہ منقول نہیں ہے بلکہ انفرادی طور پر درود شریف پڑھنے کی ترغیب وتاکید کی گئی ہے، اِس لئے نماز سے پہلے یا نماز کے بعد اور جس وقت رغبت ہو انفرادی طور پر کسی خاص ہیئت وشکل اور طریقہ کے بغیر ضرور درود شریف پڑھا جائے۔

(۳) دعائے ثانی اور اس میں فاتحہ پڑھنے کا یہ طریقہ بھی خلافِ سنت ہے، شہیدِ اسلام مولانا یوسف لدھیانویؒ لکھتے ہیں کہ شریعت کا حکم یہ ہے کہ جو عبادت اجتماعی طور پر ادا کی گئی ہو اس کے بعد تو دعا اجتماعی طور پر کی جائے مگر جو عبادت الگ الگ ادا کی گئی ہو اس کے بعد دعا بھی انفرادی طور پر ہونی چاہئے، چنانچہ آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ وتابعینؒ سے یہ منقول نہیں ہے کہ وہ سنن ونوافل کے بعد اجتماعی دعا کرتے ہوں، اس لئے ہمارے یہاں جو رواج ہے کہ لوگ سنتیں اور نفل پڑھنے کے بعد امام کے انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں، سنن ونوافل سے فارغ ہونے کے بعد امام دعا کرتا ہے اور لوگ اس پر آمین کہتے ہیں،

یہ صحیح نہیں ہے۔ (اختلافِ امت اور صراطِ مستقیم ص۱۰۴)

(۴) انفرادی طور پر آہستہ آواز میں اللہ کے رسول ﷺ پر درود شریف پڑھنا بہت بابرکت عمل ہے مگر مرّوجہ الفاظ یعنی ایجادِ بندہ الفاظ سے سلام پڑھنا ناجائز ہے اور سخت گناہ ہے، سوال میں تین باتیں مذکور ہیں (۱) جمعہ کی سنتوں کے بعد (۲) خاص انداز سے (۳) مرّوجہ الفاظ سے، اِنہی تین باتوں کی بناء پر ناجائز لکھا گیا ہے، کیونکہ قرآن وحدیث اور حضراتِ صحابہؓ وتابعینؒ سے رسول ﷺ پر صلوۃ وسلام پڑھنے کے لئے کوئی خاص وقت ثابت نہیں اور یہاں وقت کی تخصیص ہے، اسی طرح خاص انداز بھی منگھڑت ہے اور مرّوجہ الفاظ سے بعض صورتوں میں شرک تک لازم آتا ہے، فتاوی بزازیہ میں فتاوی قاضی خان کے حوالہ سے لکھا گیا ہے: حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے بسندِ صحیح منقول ہے کہ آپ نے سنا کہ کچھ لوگ مسجد میں جمع ہوکر بلند آواز سے کلمۂ طیبہ اور درود شریف کا وِرد کر رہے ہیں، آپ ان کے پاس تشریف لے گئے، اور فرمایا ہم نے آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں یہ چیز نہیں دیکھی، میرا خیال ہے کہ تم لوگ بدعت کررہے ہو، آپ بار بار یہی فرماتے رہے یہاں تک کہ اُنہیں مسجد سے نکال دیا۔ (بزازیہ برحاشیہ فتاوی عالمگیری ج۶ص۳۷۸بیروت قدیمی)

(۵) تفصیل مذکور سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ مذکورہ صورتوں سے مکمل احتراز کرنا ضروری ہے، دلائلِ شرعیہ قرآن وحدیث اور حضراتِ صحابہؓ وتابعینؒ کی سیرت کی روشنی میں دینِ اسلام کو سمجھنا ضروری ہے، من مانی ونفسانی طریقوں سے یہ سمجھنا کہ یہی بزرگوں کا طریقہ ہے سخت غلطی ہے، بزرگانِ دین شریعتِ اسلامیہ سے ہٹ کر اپنی طرف سے کوئی طریقہ وضع نہیں کرتے تھے، بلکہ رسول اللہ ﷺ اور حضراتِ صحابہؓ کے طریقے سے سرِمو انحراف اُنہیں گوارا نہیں تھا، سنت کے خلاف ہمارے

بزرگانِ دین نے کبھی ایک قدم بھی نہیں اٹھایا، کسی بھی عمل کو پرکھنے اور جانچنے کے لئے قرونِ مشہود لہا بالخیر (یعنی وہ زمانہ جن کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ نے خیر کی گواہی دی ہے، اُس) کو دیکھنا چاہئے اگر وہ عمل قرونِ خیر سے چلا آرہا ہے تو وہ مقبول ہے ورنہ مردود ہے، چنانچہ ایک حدیث میں اس کی صراحت ہے کہ خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ۔ (مشکوۃ ص/۵۵۳) بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے، پھر میرے بعد والوں کا پھر ان کے بعد والوں کا۔ نسائی شریف کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک اَعرابی کو وضو کا طریقہ سکھایا، اور ہر عضو کو تین تین بار آپ نے دھویا، پھر فرمایا جس شخص نے اس پر زیادتی کی تحقیق اُس نے برا کیا اور حد سے آگے بڑھا اور ظلم کیا، عبارت ملاحظہ فرمائیں ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا الْوُضُوْءُ فَمَنْ زَادَ فَقَدْ اَسَاءَ وَتَعَدّٰى وَظَلَمَ۔ (رواہ النسائی بحوالہ مشکوۃ ص/۴۷)

مقامِ غور ہے کہ اگر کسی نے بجائے تین بار کے سنت سمجھ کر چار بار دھولیا تو اُس کے حق میں اللہ کے رسول ﷺ ناراض ہو رہے ہیں اور اس کو برا اور ظالم قرار دے رہے ہیں تو اگر پورا طریقہ ہی خلافِ سنت و شریعت ہو تو اللہ کے نزدیک وہ کس قدر برا ہوگا؟ الغرض ان تمام بدعات سے مکمل احتراز کریں، اللہ تعالی طریقِ سنت ہمیں نصیب فرمائے۔ (آمین)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ
۹/ذیقعدہ ۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح
العبد اجتباء الحق عفی عنہ
۹/ذیقعدہ ۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح
سبیل احمد غفرلہ
۹/ذیقعدہ ۱۴۲۵ھ

فاتحہ، چہلم اور برسی غیر شرعی رسومات ہیں

سوال(۴):

محترم المقام علمائے دین وشرعِ متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ

(۱)فاتحہ خوانی، چہلم اور برسی کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اُس کی ضیافت میں شرکت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲)ایک صاحب شرٹ پینٹ پہنتے ہیں اور استاد بھی ہیں، اُن کی امامت اور خطابت جائز ہے یا نہیں؟ صرف جمعہ کے لئے جبہ پہن لیتے ہیں، ایسے شخص کو امام اور خطیب مقرر کر سکتے ہیں یا نہیں؟ معلوم فرمائیں۔

(۳) شبِ معراج کی عید یعنی ۲۷/رجب المرجب کو عوام الناس شبِ معراج کی فضیلت پر خطیبوں سے بیان کرواتے ہیں، علمائے دین نماز اور شبِ معراج کی فضیلت کے بارے میں بیان کرتے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟ اگر نہیں تو دلائلِ شرعیہ سے تفصیل بتلائیں، عین نوازش ہو گی۔

(۴) رجب کے مہینے میں کچھ لوگ نفل روزہ رکھتے ہیں،اور بعض لوگ خصوصاً ۲۷/ویں رجب کو روزہ رکھتے ہیں، یہ جائز ہے یا بدعت؟

براہِ کرم دلائلِ شرعیہ کے ذریعہ اطلاع فرمائیں تو عین نوازش ہو گی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداً ومصلیاً ومسلماً!

(۱)فاتحہ خوانی، چہلم اور برسی وغیرہ کرنے کا مقصد مرحومین کو ثواب پہنچانا ہے، مگر طریقہ غلط ہو جانے کی وجہ سے بدعت ہے، لہذا ایصالِ ثواب کے لئے شرعی طریقہ اختیار کیا جائے اور شرعی طریقہ یہ ہے کہ کوئی خاص وقت، جگہ اور طریقہ متعین نہ

ہو، بلکہ جب بھی ہو سکے اور جو بھی میسر ہو ایصالِ ثواب کر لیا جائے، اور ایصالِ ثواب کے لئے صرف کھانا کھلانا ہی ضروری نہیں بلکہ تلاوتِ قرآن اور نفل عبادتوں سے بھی ثواب پہنچایا جاسکتا ہے۔(۱)

(۲) حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ، کبارِ تابعینؒ و علماءِ عظامؒ کا لباس دیگر عوام الناس کے بالمقابل امتیازی رہا ہے، بالخصوص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس آدھی پنڈلی تک ہوتا تھا، لہٰذا ائمہ و خطباء اور علماءِ کرام کا لباس بھی دیگر عام لوگوں کے مقابلہ میں امتیازی ہونا چاہئے، جبہ اور پائجامہ آج کے علماءِ کرام اور صالحین حضرات کا شعار ہے، اس لئے جبہ اور پائجامہ کا ہونا ہی بہتر اور اقرب الی السنۃ ہے۔

(۳) معراج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک بہت بڑی فضیلت ہے، تاہم معراج کی تاریخ میں اختلاف بھی ہے، مگر راجح قول کے مطابق ۲۷/رجب کو یہ فضیلت حاصل ہوئی، واقعۂ معراج بیان کرنے کے لئے شبِ معراج کو منتخب کرنا غلط ہے، پورے سال میں جب بھی موقعہ ہو سکے بیان کیا جاسکتا ہے۔

---

(۱) الاصل ان کل من اتی بعبادۃ ما له جعل ثوابها لغیره وان نواها عند الفعل لنفسه لظاهر الادلة۔ (شامی ج/۴ص/۱۰) وھی (البدعة) ما احدث علی خلاف الحق الملتقی عن رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم من علم او عمل او حال بنوع شبهة واستحسان وجعل دینا قویما وصراطا مستقیما۔ (شامی ج/۲ص/۲۹۹) قال اللکنوی رحمه الله: فکم من مباح یصیر بالالتزام من غیر لزوم والتخصیص من غیر مخصص... مکروها۔ (مجموعہ رسائل اللکنوی، مستفاد از فتاوی محمودیہ ج/۳ص/۲۸۴) قال العلامۃ اللکنوی فی الفاتحۃ المروجۃ: ایں طور مخصوص نہ در زمانِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بود نہ در زمانِ خلفاء، بلکہ وجودِ آن در زمانۂ ثلاثہ کہ مشہود لھا بالخیر اند منقول نہ شدہ وحالا در حرمین شریفین عبادتِ خواص نیست.... وایں را ضروری دانستن مذموم است۔

(مجموعۃ الفتاوی بحوالہ فتاوی محمودیہ ج/۳ص/۶۱)

اسلام میں معراج کی رات کو عید کے طور پر منانے کا ثبوت نہیں ملتا ہے اور نہ اُس رات میں جمع ہو کر وعظ بیان سننے سنانے کا ذکر ملتا ہے، اس لئے خاص اسی رات کو مقرر کر کے بیانات کرانا درست نہیں ہے۔

(۴) ماہِ رجب و شعبان میں نفل روزے رکھ سکتے ہیں، مگر خاص ۲۲/ ویں اور ۲۷/ ویں رجب کا روزہ غلط اور بدعت ہے، کچھ لوگ جو سیدنا جعفر صادقؒ کی طرف منسوب کر کے کونڈے کی فاتحہ کرتے ہیں وہ غیر شرعی اور ناجائز ہے، حضرت جعفر صادقؒ کی طرف یہ نسبت سراسر تہمت اور جھوٹ ہے، لہٰذا اِس سے بچنا ضروری ہے۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۷/ شعبان المعظم ۱۴۲۰ھ

طہارت کے احکام

ٹینک میں جانور گر جائے تو کتنا پانی نکالنا ضروری ہے؟

سوال(۵):

محترم ومکرم بخدمت مفتی صلاح الدین صاحب زید مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے کہ آپ بخیر ہوں گے، ذیل کے مسائل کے جوابات مرحمت فرمائیں۔

مسجد کی ٹینک میں ایک کوا گر کر مر گیا ہے اور گل پھٹ گیا ہے، اسی کے ساتھ ایک چوہا بھی، اس کا پانی حوض میں آتا ہے تو کیا نماز کو دہرانا پڑے گا؟ اگر دہرانا ہی ہو تو کتنے وقت کی نماز؟ اگر مر گیا لیکن پھٹا نہیں ہے تو شرعی حکم کیا ہے؟ اب معاملہ درپیش ہے، اس لئے ابھی اوراِسی وقت جواب بہت ضروری ہے، آپ سے گذارش ہے کہ آپ ہمیں جواب دیں اور مشکور وممنون ہوں اور آپ سے دعا کی درخواست ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

صورتِ مسئولہ میں اگر حوض شرعی ہے یعنی دہ در دہ (دس ہاتھ لمبا اور دس ہاتھ چوڑا) ہو تو وہ ماءِ جاری (بہتا ہوا پانی) کے حکم میں ہے، اور ماءِ جاری کا حکم یہ ہے کہ جب تک تین اوصاف (رنگ، بو، مزہ) میں سے کوئی وصف نہ بدلے تو وہ پاک رہتا ہے، اگر کوئی ایک وصف بھی بدل جائے تو وہ ناپاک ہو جائے گا، مثلاً پانی میں بد بو شروع ہو گئی تو ناپاک ہو جائے گا، اور اگر حوض شرعی نہ ہو تو نجاست گرتے ہی ناپاک

ہو جائے گا، خواہ ایک وصف بھی نہ بدلا ہو۔ لہٰذا حوض کی شرعی حیثیت سے فیصلہ کیا جائے گا، یعنی حوض یا ٹینک غیر شرعی ہو یا شرعی ہو مگر تین اوصاف میں سے کوئی وصف بدل گیا ہے تو جس وقت سے دیکھا جائے اُسی وقت سے ناپاک سمجھا جائے گا، اور (گرنے کا وقت) معلوم ہونے کے بعد اُس پانی سے (خواہ حوض سے ہو یا ٹینک سے) وضو، غسل اور استنجاء کر کے جو نمازیں پڑھی گئی ہیں اُن کو لوٹانا ضروری ہے، چونکہ صورتِ مسئولہ میں کوا اور چوہا کے گل پھٹ جانے کا ذکر ہے، اس لئے تین دن کی نمازیں لوٹائی جائیں۔

ویحکم بنجاستها مغلظة من وقت الوقوع ان علم و الا فمذ یوم و لیلة ان لم ینتفخ وهذا فی حق الوضوء و الغسل و مذ ثلثة ایام بلیالیها ان انتفخ او تفسخ استحساناً۔

(درِ مختار ج/۱ ص/۳۷۵ مطبوعہ زکریا دیوبند وہکذا فی ملتقی الابحر و شرحہ مجمع الانہر ج/۱ ص/۵۳ بیروت)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ
۸/ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ

الجواب صحیح
سبیل احمد غفرلہ
۸/ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ

نماز کے احکام

نمازِ فجر کا مستحب وقت

سوال (۶):

عالیجناب مفتی محمد صلاح الدین صاحب دامت برکاتہم آمبور!

بعد سلامِ مسنون عرضِ خدمت یہ ہے کہ چند سوالات کے جوابات حنفی مسلک کے مطابق مطلوب ہیں۔

(۱) آج بتاریخ (۲۰۰۲/۳/۳۰) مدراس سٹی کے پرنبور علاقہ میں صبح کی نماز (اقامت) ۵:۴۵ ہے، جبکہ پریمیٹ مسجد میں ۵:۳۰ بجے ہے، کیا سات کلو میٹر کے فاصلے میں ۱۵/ منٹ فرق ہو سکتا ہے؟

(۲) سورج نکلنے سے کتنے منٹ پہلے نمازِ صبح کی اقامت ہونی چاہئے؟

(۳) اگر صبح کی نماز کی دوسری رکعت میں امام صاحب غلطی کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے دوبارہ نماز پڑھنا ضروری ہے، تو ایسی صورت میں شریعتِ مطہرہ میں کیا مسئلہ ہے؟

(۴) آج (۲۰۰۲/۳/۳۰) جمعہ کا دن ہے، صبح کی نماز پریمبور مسجد میں چھ بجے ختم ہوئی اور نمازی لوگ باہر آتے ہیں تو دیکھتے ہیں آسمان میں ہلکی سی لال کرن دکھائی دی، تو اس حالت میں نماز لوٹانے کی ضرورت ہوگئی ہو تو کیا مسئلہ ہے؟

(۵) امام صاحب اکثر سجدے میں سر رکھنے کے بعد ہی اللہ اکبر کہتے ہیں، کیا یہ صحیح طریقہ ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداومصلیاومسلما!

(۱)تا(۳)صدقِ سوال کی صورت میں فجر کی نماز کا وقت صبحِ صادق کے طلوع سے سورج کے طلوع ہونے تک ہے، اور فجر کی نماز کا مستحب وقت خوب روشنی پر پڑھنا ہے یعنی ایسے وقت میں فجر کی نماز پڑھنا مستحب ہے کہ سنت کے مطابق طوالِ مفصل (چالیس یااس سے زیادہ آیتیں) پڑھنے کے بعد اتناوقت باقی رہے کہ اگر کسی وجہ سے وضو یا نماز میں فساد آجائے تو دوبارہ وضو کر کے سنت کے مطابق نماز دوبارہ پڑھنے کے لئے وقت میں گنجائش رہے۔ وقت الفجر من طلوع الثانی وھو البیاض المعترض فی الافق الی طلوع الشمس الی قولہ ویستحب الاسفار بالفجر بحیث یمکن اداؤہ بترتیل اربعین آیۃ او اکثر ثم ان ظھر الفساد یمکنہ الوضوء واعادتہ علی الوجہ المذکور۔(ملتقی الأبحر ج۱ص۱۰۵)

نوٹ: آج کل مستحب وقت کی رعایت کے لئے آدھ گھنٹہ مناسب ہے۔

(۴) نماز ہوگئی دوبارہ لوٹانے کی ضرورت نہیں لیکن مستحب وقت کی رعایت ہوگی تو یہ نوبت نہیں آئے گی۔

(۵) سجدہ میں سر رکھنے کے بعد تکبیر کہنا ٹھیک طریقہ نہیں ہے، قیام سے سجدہ کے لئے جاتے ہوئے تکبیر کہی جائے مگر نماز میں اس طرح سر رکھنے کے بعد تکبیر کہنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے۔

فقط واللہ اعلم بالصواب
حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ
۲۴؍محرم الحرام ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح
سبیل احمد غفرلہ
۲۴؍محرم الحرام ۱۴۲۳ھ

اذان کی اصلاح ضروری ہے

سوال (۷):

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ گاؤں کی ایک مسجد میں ایک آدمی تقریباً اٹھارہ سال سے مؤذنی کے فرائض انجام دے رہے ہیں، لیکن الفاظِ اذان باقاعدہ باضابطہ باتجوید ادا نہیں کر رہے ہیں، کئی پڑھے لکھے لوگوں نے اُن کی اصلاح کی کوشش بھی کی لیکن وہ مانتے نہیں ہیں، ان کا بیان ہے کہ میں اتنے سالوں سے خدمت کر رہا ہوں کسی نے کچھ نہیں کہا، اب کیا نئی بیماری شروع ہوگئی، کوئی کچھ کہے میں ایسے ہی اذان دوں گا، حل طلب سوال یہ ہے کہ صورتِ مسئولہ میں کیا حکم ہے؟ غلط سلط اذان دینے والے کو اس کی اتنی سالوں کی خدمت کے پیشِ نظر چھوڑ دینا چاہیے یا اُس کی جگہ کسی اچھے پڑھے لکھے اور صحیح تلفظ کے ساتھ اذان کہنے والے کو مقرر کرنا چاہیئے؟ امید ہے کہ شرعی حکم واضح فرما کر عند اللہ ماجور اور عند الناس مشکور ہوں گے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداً ومصلیاً ومسلماً!

بر تقدیر صحتِ واقعہ صورتِ مسئولہ میں اولاً مؤذن کی اذان کی اصلاح کی جائے اور تلفظ کی درستگی اور مخارج کی صحت کی مشق کرائی جائے(۱)، اگر محنت وکوشش سے اذان درست ہو جائے تو الحمد للہ اُس کو نہ ہٹایا جائے، ورنہ یعنی مؤذن اس کے لئے تیار نہ ہو یا اصلاح کے بعد بھی تلفظ اور مخارج درست نہ ہو تو دوسرے کسی صحیح تلفظ کے ساتھ اذان

---

(۱) ولا لحن فيه اى تغنى بغير كلماته فانه لا يحل فعله وسماعه۔(الدر المختار ۵۳/۲، ۵۲) ومنها ترك التلحين في الاذان لما روى ان رجلاً جاء الى ابن عمر فقال انى احبك فى الله تعالى (باقی اگلے صفحہ پر)

کہنے والے کو مقرر کرنا ضروری ہے ورنہ گناہ ہوگا۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۷/۳/۱۴۲۹ھ

نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا شرعی حکم

سوال (۸):

محترم و مکرم مفتی صاحب زید مجدکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گذارش ہے کہ ذیل کے جوابات مرحمت فرمائیں:

(۱) احناف کے نزدیک فرض کی تیسری اور چوتھی رکعت میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے یا سنت یا مستحب؟ اگر کوئی سورۂ فاتحہ نہ پڑھے تو کیا نماز درست ہے؟

(۲) اسی طرح فرض کی مذکورہ رکعتوں میں امام کا سورۂ فاتحہ پڑھنا کیسا ہے؟

(۳) بعض مقتدیوں کا امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھ لینا درست ہے یا نہیں؟

(۴) کیا تفہیم القرآن کا مطالعہ کرسکتے ہیں؟ ان کے بارے میں علماءِ کرام کا کیا قول ہے؟ حوالوں کے ساتھ جوابات مرحمت فرمائیں، ہم آپ کے شکر گذار ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامدا ومصلیا ومسلما!

(۱) حنفیہ کے نزدیک فرض نماز کی تیسری اور چوتھی رکعت میں سورۂ فاتحہ

(پچھلے صفحے کا بقیہ) فقال ابن عمر انی ابغضک فی اللہ فقال: لم؟ قال: لانہ بلغنی انک تغنی فی اذانک یعنی التلحین۔ (بدائع الصنائع ۱/۱۷۳ دار احیاء التراث العربی)

پڑھنا مستحب ہے، اگر کسی وجہ سے نہ پڑھی گئی تو بھی نماز درست ہو جاتی ہے۔

(مجمع الانہر ج/۱ص/۱۵۲)

(۲) امام کے لئے بھی وہی حکم ہے جو منفرد کے لئے ہے، یعنی سورۂ فاتحہ نہ پڑھنے سے بھی نماز ہو جاتی ہے مگر افضل نہیں ہے۔ (حوالۂ بالا)

(۳) احناف کے نزدیک امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا مکروہِ تحریمی ہے۔ فلو قرأ خلف امامه کره تحريما ولا تفسد في الاصح۔ (درِ مختار مع شامی ج/۲ص/۱۶۵)

(۴) ایک عام آدمی اور دنیوی تعلیم یافتہ شخص کے لئے تفہیم القرآن کا مطالعہ درست نہیں ہے۔ حضرت فقیہ الامت (مفتیٔ اعظم دارالعلوم دیوبند) محمود حسن صاحب علیہ الرحمۃ فتاوی محمودیہ میں وضاحت کے ساتھ لکھتے ہیں کہ مودودی صاحب کی تفسیر تفہیم القرآن میں بہت سی چیزیں جمہور اہل سنت والجماعت کے مسلک کے خلاف ہیں، عامۃ المسلمین کا اس کو پڑھنا یا سننا اعتقادی وعلمی گمراہی اور غلطی کا موجب بن سکتا ہے، اِس لئے اُس سے پرہیز لازم ہے۔ (فتاوی محمودیہ ج/۱ص/۲۶۴ قدیمی)

فقط واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح | حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

سبیل احمد غفرلہ | ۱۶/شوال المکرم ۱۴۲۳ھ

تلاوتِ قرآن کے متفرق مسائل

سوال (۹):

محترم مفتی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں آپ سے چند شرعی مسئلے پوچھنا چاہتی ہوں، براہِ مہربانی جواب سے مطلع

فرما کر شکر گذاری کا موقع عنایت فرمائیں۔

(۱) قرآن میں کل سجدۂ تلاوت کتنے ہیں؟ (سورۂ حج آیت ر۷۷ میں امام شافعیؒ کے پاس جو سجدۂ تلاوت ہے وہ حنفیوں کے لئے ضروری ہے یا نہیں؟)۔

(۲) زوال کے وقت قرآن کی تلاوت جائز ہے یا نہیں (دن کے بارہ بجے)؟

(۳) نمازِ عصر کے بعد سجدۂ تلاوت یا سجدے میں سر رکھ کر دعائیں مانگنا جائز ہے یا نہیں؟

(۴) کیا ٹی۔وی (Television) دیکھنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

(۵) حائضہ عورت کا قرآنی آیتیں (جیسے ربنا اٰتنا وغیرہ) دعا کی نیت سے پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

(۶) فیشن مقصود نہیں بلکہ بالوں کو قوت پہنچانے کی غرض سے بالوں کو نیچے سے تھوڑا کاٹ لینا عورتوں کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

(۷) تلاوتِ قرآن کے لئے کوئی وقت مکروہ ہے یا نہیں؟

(۸) طلوعِ آفتاب کے بعد نمازِ فجر ادا کی جائے تو پہلے سنت پڑھی جائے یا فرض؟

(۹) ڈاکٹرس (Doctors) جو انجکشن (Injection) کرتے ہیں، اور اس کے آگے ٹنکچر یا اسپرٹ لگاتے ہیں، کیا اُس کا دھونا واجب ہے؟

(۱۰) میرے پاس ۴۰،۰۰۰ روپۓ ہیں، ایک سال گذرنے پر اس پر کتنی رقم زکوۃ نکالنا ہے؟

(۱۱) موٹر کار وغیرہ کی قیمت پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟ براہِ کرم جواب جلد بھیجنے کی کوشش کریں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب و باللہ التوفیق !حامداًو مصلیاًو مسلماً!

(۱) سورۃ الحج آیت نمبر ۷۷ میں جو سجدۂ تلاوت ہے، وہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک ہے ، احناف کے پاس اس آیت پر سجدۂ تلاوت واجب نہیں، اور قرآنِ مجید میں کل چودہ سجدۂ تلاوت ہیں۔

(۲) ہاں !زوال کے وقت بھی قرآنِ مجید کی تلاوت کرنا جائز ہے۔

(۳)عصر کی نماز کے بعد سجدۂ تلاوت کرنا جائز ہے، اور سجدہ میں سر رکھ کر دعا مانگنا درست ہے مگر اس کی عادت نہ بنائی جائے اور اس کو سنت نہ سمجھا جائے۔(۱) اور غروب کے وقت (جب سورج کی روشنی کمزور پڑ جائے اُس وقت سے غروب تک) سجدہ نہ کیا جائے۔

(۴) ٹیلی ویژن دیکھنے سے اگرچہ وضو نہیں ٹوٹتا ہے، لیکن وضو کرلینا چاہئے، اور یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ ٹیلی ویژن دیکھنا بے شمار گناہوں کا مجموعہ ہے۔

(۵)ہاں جائز ہے۔

(٦) فیشن مقصود نہ ہو تو تب بھی شرعی ضرورت کے بغیر تھوڑا سا نکالنا بھی جائز نہیں ہے۔(۲)

(۷)تلاوت کے لئے کوئی وقت مکروہ نہیں ہے۔

---

(۱)"اس کی عادت بنالینا بدعت ہے، مگر گاہے ایسا ہو جائے اور ناظرین بھی اس طریقہ کو ایک ضروری چیز نہ سمجھنے لگیں تو مضائقہ نہیں"۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۵٦٦/۲)

(۲)عن ابی سلمة عن عبد الرحمٰن قال و کان ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم یأخذن من رؤسھن حتی تکون کالوفرة۔(صحیح مسلم:۱۴۸/۱)

(۸) پہلے سنت پڑھی جائے پھر فرض ادا کیا جائے۔

(۹) اسپرٹ ٹنکچر کی حقیقت کیا ہے؟ بتا کر مسئلہ معلوم کرلیں۔

(۱۰) چالیس ہزار روپے میں ایک ہزار روپے کی زکوۃ واجب ہوگی۔

(۱۱) موٹر وغیرہ اگر تجارت کے لئے نہ ہو تو زکوۃ واجب نہیں۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہٗ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۲۰/رجب المرجب ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح

سبیل احمد غفرلہ

۲۰/رجب المرجب ۱۴۲۱ھ

بحالتِ مجبوری نابالغ نمازی کے سامنے سے گذرنا

سوال (۱۰):

محترم و مکرم حضرتِ والا مفتی صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

عرضِ خدمت یہ ہے کہ بندہ بخیر ہے، امید کہ آپ بھی بخیر ہوں گے۔ بعدہٗ چند مسئلے درپیش ہیں، امید کہ آپ اُن پر توجہ فرماکر اطمینان بخش جواب مرحمت فرمائیں گے۔

(۱) نابالغ مصلی کے سامنے گذرنا کیسا ہے؟ جبکہ بالغ مصلیوں کے سامنے گذرنا گناہ ہے۔

(۲) آدابِ گشت کے وقت فضائل میں یہ کہنا کہ جب یہ جماعت قبرستان سے گذرتی ہے تو صاحبِ قبر سے عذاب کو ہٹا دیا جاتا ہے، یہ کہنا صحیح ہے یا نہیں؟

(۳) بندر اگر پانی میں منھ ڈال دے تو وہ پانی نجس ہے یا پاک؟ امید کہ بندہ کے ان سوالات سے اعراض نہ کریں گے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداً ومصلیاً ومسلماً!

(۱) اگر بالغین کی صف تک پہنچنے کے لئے دو چار نابالغین یا اُن کی پوری صف آڑ ہو اور گذرنے کی کوئی دوسری صورت نہ ہو تو نابالغ کے آگے گذرنا جائز ہے۔(۱)

(۲) مذکور فی السوال فضیلت جہاد فی سبیل اللہ کے ساتھ مخصوص ہے، اس کو گشت کے فضائل میں بیان کرنا غلط ہے۔

(۳) اگر قلیل پانی میں بندر منھ ڈال دے تو وہ پانی نجس ہے۔(۲)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ
یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح
سبیل احمد غفرلہ
۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ

---

(۱) ولو وجد فرجة فی الاول لا الثانی له خرق الثانی لتقصیرهم وفی الحدیث: من سد فرجة غفر له وفی القنیة: قام فی أخر صف وبین الصفوف مواضع خالیة فللداخل ان یمر بین یدیه لیصل الصفوف۔

(رد المحتار علی الدر المختار ۲/ ۳۱۲)

(۲) والقسم الثانی سؤر نجس ....لا یجوز استعماله ....وهو ....ما شرب منه الکلب....أو الخنزیر......أو شئ من سباع البهائم کالفهد والذئب وفی المراقی...والضبع والنمر والسبع والقرد لتولد لعابها من لحمها وهو نجس کلبنها۔ (مراقی الفلاح علی نور الایضاح ص/ ۳۰ مع الطحطاوی)

امام پر مقتدیوں کی رعایت ضروری ہے

سوال (۱۱):

قابلِ قدر حضرت مفتی دامت برکاتہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

عرضِ خدمت یہ ہے کہ بندہ کو مندرجۂ ذیل چند مسائل معلوم کرنے ہیں:

(۱) قیامِ صلاۃ میں امام صاحب کا کالر کی مائک کو اپنے ہاتھ کی مدد سے منہ کے قریب کرتے ہوئے قرأت، رکوع وسجود کرنا کیسا ہے؟

(۲) قرآنِ مجید کو شروع سے اخیر تک فرض کی جہری نمازوں میں ترتیب کے ساتھ پڑھنے کا شرعی حکم کیا ہے؟

(۳) افتتاحِ صلوۃ سے ختمِ دعا تک فجر کی نماز میں ۲۰، ۲۱ منٹ لگتے ہیں اور سارے مقتدی لوگ اس سے ناراض ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ عام مساجد کی طرح نماز، تسبیحات اور دعاء ہوں، کیا امام صاحب کا یہ عمل درست ہے؟

(۴) جب کوئی مصلی اِن باتوں پر اعتراض کرے تو جواب یوں ملتا ہے: (۱) تم کون ہو سوال کرنے والے؟ (۲) اگر تمہیں یہاں نماز پڑھنا پسند نہیں ہے تو دوسری مسجد چلے جاؤ (۳) تم فساد مچانے والے ہو۔ شریعت کی نظر میں یہ عمل کیسا ہے؟ امید ہے کہ حضرتِ والا اِس درخواست کو قبول فرما کر مذکورہ مسائل کے جوابات عنایت فرمائیں گے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداً ومصلیاً ومسلماً!

(۱) بر تقدیر صحتِ واقعہ مسئولہ صورتوں میں رکوع سجدہ وغیرہ میں اپنے (صرف ایک) ہاتھ کی مدد سے بھی (عملِ کثیر کے بغیر) مائک منہ کے قریب کرنا

خلافِ سنت ہے، جس سے نماز میں کراہت آتی ہے۔(۱)

(۲) از روئے شرع جائز ہے، لیکن نمازِ تراویح کے علاوہ فرض نمازوں میں ترتیب کے ساتھ تلاوت ثابت نہ ہونے کی وجہ سے خلافِ اولی ہے، فرائض میں افضل یہ ہے کہ فجر اور ظہر کی نمازوں میں طوالِ مفصل (سورۂ حجرات سے سورۂ بروج تک) عصر اور عشاء کی نماز میں اوساطِ مفصل (سورۂ طارق سے سورۂ بینہ تک) اور مغرب کی نماز میں قصارِ مفصل (سورۂ زلزال سے سورۂ ناس تک) کی سورتیں پڑھیں۔(۲)

(۳) امام کو چاہئے کہ نماز میں مقتدیوں کی رعایت کرے اور اتنی لمبی نماز نہ پڑھائے کہ لوگ تنگ (اور پریشان) ہو جائیں،(۳) حدیثِ شریف میں ہے کہ جو شخص امام ہو وہ ہلکی نماز پڑھائے کیونکہ مقتدیوں میں کوئی کمزور ہو گا، کوئی بیمار ہو گا، کوئی حاجتمند ہو گا، ایک اور حدیث میں ہے کہ جماعت میں جو سب سے کمزور آدمی ہو اس کی رعایت کرتے ہوئے نماز پڑھائے، نیز لمبی نماز کی وجہ سے لوگ عمداً تاخیر سے آئیں گے، اور تکبیر اُولی اور قیام کے ثواب سے محروم ہوں گے، جس کا وبال امام پر ہو گا۔

---

(۱) وعبثه به ای بثوبه وبجسده للنهی الا لحاجة (در مختار) قال الشامی: قوله للنهی وهو ما اخرجه القضاعی عنه ﷺ: ان الله کره لکم ثلثا: العبث فی الصلاة والرفث فی الصیام والضحک فی المقابر وهی کراهة تحریم کمافی البحر۔ (شامی ۲/۴۰۶)

(۲) ویسن فی الحضر لامام ومنفرد طوال المفصل من الحجرات الی آخر البروج فی الفجر والظهر ومنها الی آخر - لم یکن - اوساطه فی العصر والعشاء وباقیه قصاره فی المغرب۔

(شامی مع الدرج ۲/ص ۲۶۱،۲۵۹)

(۳) ویکره تحریما تطویل الصلاة علی القوم زائداً علی قدر السنة .... لاطلاق الامر بالتخفیف وهو مافی الصحیحین اذا صلی احدکم للناس فلیخفف فان فیهم الضعیف والسقیم (باقی اگلے صفحے پر)

(۴) امام صاحب کو چاہئے کہ جو بات واقعی معقول ہے اُس کو قبول کرے، ایسے غیر اخلاقی جواب سے لوگوں کا دل امام سے متنفر ہو گا، حدیثِ پاک میں ہے ثَلَاثَةٌ لَا تُجَاوِزُ صَلوٰتُهُمْ اٰذَانَهُمْ ....وَاِمَامُ قَوْمٍ وَهُمْ لَهٗ كَارِهُوْنَ (ترمذی بحوالہ مشکوۃ:۱۰۰) یعنی تین قسم کے لوگ ایسے ہیں کہ اُن کی نماز اُن کے کانوں سے آگے نہیں بڑھتی (جن میں) ایک وہ امام ہے کہ لوگ اس سے ناراض ہیں۔(۱)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۱۴ر شوال المکرم ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح

العبد اجتباء الحق

۱۴ر شوال المکرم ۱۴۲۹ھ

مسجد میں تکرارِ جماعت مکروہِ تحریمی ہے

سوال (۱۲):

محترم مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

دیگر گذارش یہ ہے کہ ایک بستی (ہرور) اہل سنت والجماعت کی مسجد میں اذان ایک ہوتی ہے اور اقامت دو، جو امام صاحب جماعت کی طرف سے مقرر کئے ہوتے ہیں اُن کے پیچھے نماز پڑھے بغیر چند لوگ اقامت کے وقت پر بیٹھے رہتے ہیں،

(پچھلے صفحہ کا مابقیہ) والكبير واذا صلى لنفسه فليطول ما شاء، وفي الشرنبلالية ظاهر حديث معاذ أنه لا يزيد على صلاة اضعفهم مطلقا۔ (شامی مع الدرج ر ۲ ص ر ۳۰۵، ۳۰۳)

(۱) وعن أبي أمامة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ثلاثة لا تجاوز صلوتهم آذانهم العبد الآبق حتى يرجع وامرأة باتت وزوجها عليها ساخط وامام قوم وهم له كارهون۔ (مشکوۃ ص ر ۱۰۰)

پھر جماعت کی نماز شروع ہونے کے بعد دوسری اقامت شروع ہوتی ہے، اسی طرح پانچوں وقت ہوتی ہے، جبکہ دوسری جماعت کے امام مسجد کی نوکری (امامت) سے نکالے گئے ہیں، اس کے بارے میں ہمیں اسلامی شریعت کے مطابق بتائیں کہ یہ جائز ہے یا نہیں؟اس کا خلاصہ ہمیں فوراً معلوم کرائیں، عین نوازش ہوگی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق !حامداً ومصلیاً ومسلماً!

ایک مسجد میں دو مرتبہ جماعت کرنا ناجائز اور مکروہِ تحریمی ہے، بالخصوص محلہ کی مسجد میں عارضی طور پر بھی دوسری جماعت کو فقہاءِ کرام نے مکروہِ تحریمی لکھا ہے، اور مذکورہ صورت میں تو دوسرے امام کا یہ فعل سراسر غلط ہے، ایسا کرنا سخت گناہ ہے، اس سے مزید فتنہ اور فساد کا خوف ہے، لہٰذا بالفور اس کو ختم کیا جائے۔ ویکرہ تکرار الجماعۃ باذان واقامۃ فی مسجد محلۃ۔ (شامی ۲۸۸/۲) اھل المسجد اذا صلوا باذان وجماعۃ یکرہ تکرار الاذان والجماعۃ فیہ۔ (الفتاوی الہندیۃ ۵۴/۱ قدیمی)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۱۸/ ذوالحجہ ۱۴۱۹ھ

ترویحہ کی مروّجہ تسبیحات بے اصل ہیں

سوال (۱۳):

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ ماہِ رمضان المبارک کے موقعہ پر شہر مدراس اور جنوبی ہند کے اکثر مساجد میں نمازِ تراویح

کے ہر دو اور چار رکعتوں کے درمیان کچھ دعائیں تسبیحات اور صلوات کے نام سے پڑھنے کا رواج ہے، یہ تسبیحات اجتماعی طور پر بالجہر (بلند آواز) سے پڑھنے کا معمول ہے، ملاحظہ کے لئے ان تسبیحات کو بعینہ آپ کے سامنے نقل کیا جاتا ہے وھو ھنا.....

(۱) پہلی دوگانہ کے بعد (اسی طرح ہر غیر ترویحہ دوگانہ کے بعد) اس دعا کو ایک مرتبہ پڑھا جاتا ہے فضل من اللہ و نعمۃ و مغفرۃ و رحمۃ و عافیۃ و سلامۃ لا الٰہ الا اللہ و اللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد (برخواجۂ عالم صلوات اللھم صل و سلم و بارک علیہ)

(۲) پہلی ترویحہ کے بعد یہ تسبیح تین بار پڑھی جاتی ہے اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و اشھد ان محمدا عبدہ و رسولہ پھر دعا کے بعد ایک بار پڑھا جاتا ہے البدر محمد المصطفی صلی اللہ علیہ و الہ و اصحابہ و سلّم لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد۔ (برخواجۂ عالم صلوات)

(۳) دوسری ترویحہ کے بعد یہ تسبیح تین بار پڑھی جاتی ہے اللّٰھم صل علی محمد و علی اٰل محمد و بارک و سلم و صل علی جمیع الانبیاء و المرسلین و الملائکۃ المقربین و علی کل ملک برحمتک یا ارحم الرحمین۔

پھر دعا کے بعد پڑھتے ہیں خلیفۃ رسول اللہ بالتحقیق خیر البشر بعد الانبیاء بالتصدیق امیر المؤمنین ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد۔ (برخواجۂ عالم صلوات)

(۴) تیسری ترویحہ کے بعد یہ تسبیح تین بار پڑھی جاتی ہے سبحان اللہ و الحمد للہ و لا الٰہ الا اللہ و اللہ اکبر و لا حول و لا قوۃ الا باللہ العلیّ العظیم۔

پھر دعا کے بعد پڑھتے ہیں مزین المنبر و المحراب امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد۔ (برخواجۂ عالم صلوات)

(۵) چوتھی ترویحہ کے بعد یہ تسبیح تین بار پڑھی جاتی ہے سبحان اللہ و بحمدہٖ سبحان اللہ العظیم و بحمدہٖ استغفر اللہ ربی من کل ذنب و خطیئۃ و اتوب الیہ۔

پھر دعا کے بعد یہ پڑھتے ہیں جامع القرآن کامل الحیاء و الایمان ذو النورین امیر المؤمنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد۔

(بر خواجۂ عالم صلوات)

(۶) پانچویں ترویحہ کے بعد یہ تسبیح تین بار پڑھی جاتی ہے استغفر اللہ استغفر اللہ استغفر اللہ العلیّ العظیم الّذی لا الہ الا ھو الحی القیوم غفار الذنوب ستّار العیوب علام الغیوب کشاف الکروب یا مقلب القلوب و الابصار و اتوب الیہ۔

پھر اخیر میں دعا کے بعد پڑھتے ہیں اسد اللہ الغالب مظہر العجائب و الغرائب امام المشارق و المغارب امیر المؤمنین علیّ بن ابی طالب رضی اللہ عنہ لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد۔ (بر خواجۂ عالم صلوات)

(۱) اس سلسلہ میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان تسبیحات کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا اِن تسبیحات کو ترویحات میں پڑھنا درست ہے؟

(۲) کیا قرآن وحدیث، آثارِ صحابہؓ وتعاملِ سلف سے ان تسبیحات کا ثبوت ملتا ہے؟

(۳) کیا صحابہؓ وتابعینؒ وتبعِ تابعینؒ، فقہائے کرامؒ اور ائمہ مجتہدینؒ کے مبارک زمانہ میں ان تسبیحات کا رواج رہا؟

(۴) اگر نہیں تو یہ کس کی ایجاد ہے اور اس کا رواج مسلمانوں کے درمیان کب سے شروع ہوا؟

(۵) مصلیوں کو ان تسبیحات کا پابند ہونا کیسا ہے؟

(۶) کیا یہ تسبیحات تراویح کے لئے جزءِ لازم ہیں؟

(۷) ان تسبیحات کو ترک کر دینے پر اعتراضات کرنا اور اختلافات پیدا کرنا اور اِس رواج کو بر قرار رکھنے پر اصرار کرنا شرعاً کیسا ہے؟

(۸) ان تسبیحات کے بغیر تراویح کو ناقص و نامکمل سمجھنا کیسا ہے؟

(۹) تراویح کے سلسلہ میں قرآن وحدیث اور آثارِ صحابہؓ سے کیا کوئی خاص دعا یا کوئی مخصوص تسبیح منقول ہے؟

(۱۰) اگر قرآن وسنت سے کوئی تسبیح اور دعا منقول ہو تو اس کو کس طرح پڑھا جائے؟ کیا اجتماعی طور پر بلند آواز سے یا انفرادی طور پر الگ الگ آہستہ آواز سے؟ ان دونوں میں افضل طریقہ کونسا ہے؟ وضاحت فرمایئے۔

(۱۱) ہر چار رکعت (ترویحہ) کے بعد دعا کرنا کیسا ہے؟ کیا ہر ترویحہ پر (اجتماعی) دعا ضروری ہے یا آخر میں صرف ایک دعا کر لینا کافی ہے؟

گذارش ہے کہ مندرجۂ بالا سوالات کے سلسلہ میں شرعی احکام کی وضاحت فرمائی جائے۔ بیّنوا توجروا!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھّاب! حامداً و مصلیًا و مسلماً!

(الف) تسبیحاتِ مذکورہ فی الصور المسئولۃ کا قرآن وحدیث اور آثارِ صحابہؓ و تابعینؒ اور تعاملِ سلف میں ثبوت نہیں، یہ تسبیحات اختراعی ہیں، عہدِ فاروقی سے ائمہ مجتہدینؒ کے مبارک دور تک کبھی اِن تسبیحات کا رواج نہیں رہا، حضراتِ فقہاءِ عظامؒ کی عبارتیں اس مسئلے میں نہایت واضح ہیں، اور متفقہ طور پر سبھی نے یہی لکھا ہے کہ مصلّی کو اِس میں اختیار ہے خواہ تسبیحات کا وِرد رکھے یا خاموش بیٹھا رہے یا نوافل و تلاوت

میں مشغول رہے، لیکن ان مروّجہ تسبیحات کا ذکر کہیں بھی موجود نہیں؛ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: **ثم هم مخيّرون فی حالة الجلوس ان شاء واسبحّوا وان شاءوا قعدوا ساكتين واهل مكة يطوفون اسبوعا ويصلّون ركعتين واهل المدينة اربع ركعات فرادىٰ كمافی التبيين۔** (الفتاویٰ الہندیۃ ج/۱ص/۱۱۵ بیروت قدیمی)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ انفرادی خود مختار اعمال میں کسی خاص عمل کا پابند رہنا درست نہیں، جب ان تسبیحات کا سرے سے کوئی ثبوت ہی نہیں تو یقیناً جزء بھی نہیں، لہٰذا ان تسبیحات کے ترک پر اختلافات پیدا کرنا جہالت ہے، حقیقت کے انکشاف کے بعد اِسی پر اڑے رہنا شرع میں مذموم ہے، ان تسبیحات کے بغیر تراویح کو ناقص و نامکمل سمجھنا ایک فضول اور باطل خیال ہے، تراویح کی ترویحات میں پڑھنے کے لئے ایک تسبیح علامہ شامیؒ نے قہستانی کے حوالہ سے نقل کی ہے: **قال القهستانی فيقال ثلاث مرّات سبحان ذی الملک والملكوت سبحان ذی العزة والعظمة والقدرة والكبرياء والجبروت سبحان الملک الحیّ الّذی لا يموت سبوح قدوس رب الملائكة والروح لا اله الا الله نستغفر الله نسئلک الجنّة ونعوذبک من النّار كمافی منهج العباد۔** (ردالمحتار ج/۲ص/۴۹۷ زکریا)

مذکورہ تسبیح کو پڑھنے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ انفرادی طور پر آہستہ آواز سے وِرد رکھیں، کیونکہ یہ ذکر ہے اور ذکر میں ذکرِ سری افضل ہے ذکرِ جہری سے۔

(کذا فی معارف القرآن ج/۳ص/۵۷۸)

(ب) ہر چار رکعت کے بعد دعا کرنا بھی محض رسمی ورواجی ہونے کی وجہ سے خلافِ شرع ہے، اس لئے کہ تراویح چار رکعت پر مکمل نہیں ہوتی بلکہ تراویح نام ہے مکمل بیس رکعات کا، اور دعا اختتام کے موقعہ پر کی جاتی ہے، لہٰذا آخر میں ایک مرتبہ

(اجتماعی دعا) کرلینا کافی ہے۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۲۸/رجب المرجب ۱۴۱۸ھ

الجواب صحیح

سبیل احمد غفرلہ

۲۸/رجب المرجب ۱۴۱۸ھ

جمعہ کی کونسی اذان پر خرید و فروخت ممنوع ہے

سوال (۱۴):

محترم مفتی صاحب!　　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین بیچ اس مسئلہ کے ۱۔ کہ سورۂ جمعہ کی آیت/۹ کا مصداق اذانِ اوّل کو سمجھا جائے یا اذانِ دوم کو، ظاہر ہے کہ خرید وفروخت احاطۂ مسجد میں ہوتی نہیں، خرید وفروخت آبادی یا بازار میں ہوتی ہے، عام طور پر نمازِ جمعہ سے آدھ یا پون گھنٹہ پہلے مساجد میں اذان ہوتی ہے اور ہر سننے والا اُسے جمعہ ہی کی اذان سمجھتا ہے۔

۲۔ اگر خطبہ سے قبل کی اذان کو اذانِ جمعہ سمجھا جائے تو اس کو دہرانا صحیح ہے یا اذانِ اوّل کو دہرانا کافی ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداً ومصلیاً ومسلماً!

حضورِ اقدس ﷺ کے زمانے سے لے کر عہدِ فاروقی تک جمعہ کی ایک ہی اذان ہوتی تھی یعنی خطیب کے سامنے قبل از خطبہ جو اذان دی جاتی ہے فقط وہی مشروع تھی، حضرت عثمانؓ کے زمانے میں آبادی کافی بڑھ گئی اور مسلمان دور دراز

رہنے لگے تو یہ اذان سنائی نہ دیتی تھی، تو حضرت عثمانؓ نے حضراتِ صحابہ کرامؓ کے مشورہ سے خطبہ سے قبل ایک اور اذان مسجد سے باہر اپنے مکان زوراء پر شروع کرادی چونکہ یہ اذان باجماعِ صحابہ مشروع ہوئی، اس لئے اذانِ جمعہ کے وقت بیع وشراء کے تمام مشاغل حرام ہوجانے کا حکم جو پہلے اذانِ خطبہ کے بعد تھا اب پہلی اذان کے بعد متعلق ہوگیا، کیونکہ الفاظِ قرآن (اِذَانُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ) اس پر بھی پوری طرح صادق ہیں اور اس میں سلفِ صالحین میں سے کسی کا کوئی اختلاف منقول نہیں۔

(مستفاد از معارف القرآن ج/۸، ص/۴۴۲)

لہٰذا سورۂ جمعہ کی آیتِ مذکورہ میں جس اذان پر حرمتِ بیع وغیرہ کا حکم موجود ہے اُس سے مراد بالاتفاق اذانِ اوّل ہے نہ کہ ثانی۔ البتہ ہمارے یہاں جو طریقہ رائج ہوگیا ہے یعنی پہلی اذان خطبہ سے تقریباً آدھ پون گھنٹہ قبل دی جاتی ہے یہ طریقہ غلط ہے، اِس گناہ کا سبب مسجد کی منتظمہ ہے، اس لئے منتظمہ بھی سخت گنہگار ہوگی، منتظمہ پر لازم ہے کہ اذانِ اوّل اور خطبہ کے درمیان زیادہ فصل نہ رکھیں۔(۱)

(مستفاد از احسن الفتاویٰ ج/۴ ص/۱۱۴)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۲۱/رجب المرجب ۱۴۱۸ھ

الجواب صحیح

سبیل احمد غفرلہ

۲۲/رجب المرجب ۱۴۱۸ھ

---

(۱)ویجب السعی وترک البیع بالاذان الاوّل الواقع عقیب الزوال لقولہ تعالیٰ اذانودی للصلوۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ وذروا البیع وقیل بالاذان الثانی لکن الاول ھو الاصح۔

(الفتاوی الہندیۃ ۱/۱۶۴، مجمع الأنہر ۱/۲۵۳، فتاویٰ شامی ۳/۳۸)

جمعہ فی القریٰ کا شرعی حکم

سوال (۱۵):

محترم المقام مفتی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

پیشِ خدمت مسئلہ یہ ہے کہ تقریباً تین ماہ پہلے آپ ہدایت پور کو ایک دن جماعت میں آئے تھے، اور بستی کا معائنہ کئے تھے۔

(۱) ہماری بستی میں ۱۱۰ر گھر اور چھوٹی تین دکانیں ہیں، کیا وہاں نمازِ جمعہ درست ہے؟

(۲) جمعہ کے خطبہ میں عصا کا لینا بہتر ہے یا نہ لینا بہتر ہے، بہتر ہو تو کیوں؟ نہ ہو تو کیوں؟

(۳) تراویح کے دوران ہمارے علاقہ کی مروجہ تسبیحات پڑھنا کیسا ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

(۱) جمعہ فی القریٰ ایک اہم مسئلہ ہے، چنانچہ فتاویٰ محمودیہ ۲/۳۰۹ میں مذکور ہے: قصبہ اور بڑے گاؤں میں حنفیہ کے نزدیک جمعہ جائز ہے، چھوٹے گاؤں میں جائز نہیں۔(۱)

---

(۱)منها المصر : والمصر فی ظاهر الرواية الموضع الذی يكون فيه مفت وقاض يقيم الحدود وينفذ الاحكام وبلغت ابنيته ابنية منی۔ (*الفتاوی الهندیه ۱/۱۵۹ بیروت*) اما المصر الجامع فقد اختلفت الاقاويل فی تحديده وروی عن ابی حنيفة انه بلدة كبيرة فيها سكك واسواق ولها رساتيق وفيها وال يقدر علی انصاف المظلوم من الظالم بحكمه وعلمه أو علم غيره والناس يرجعون اليه فی الحوادث وهو الاصح۔(*بدائع الصنائع ۱/۵۸۵*)

بڑا گاؤں وہ ہے جس میں گلی کوچے ہوں، بازار ہوں، روز مرہ کی ضروریات ملتی ہوں، تین چار ہزار کی آبادی ہو، ان میں مسلمان خواہ اقلیت میں ہوں یا برابر یا زائد؛ آگے ص ر ۳۱۴ میں ہے: بلکہ روزانہ کی طرح جمعہ کے روز بھی ظہر کی نماز پڑھی جائے، اگر ایسی جگہ جمعہ پڑھیں گے تو وہ نماز نفل ہو گی۔(لہٰذا ہدایت پور نامی گاؤں میں جمعہ کی نماز درست نہیں۔)

(۲)خطبۂ جمعہ میں عصا لینا سنتِ غیر مؤکدہ ہے،(۱) لہٰذا کبھی لے لیں اور کبھی چھوڑ دیں، مستقل انکار بھی غلط ہے اور اصرار بھی بدعت ہے۔

(۳)تراویح کی مروجہ تسبیحات قابلِ ترک اور بدعت ہیں، اجتناب لازم ہے۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۱۷ر شوال ۱۴۲۱ھ

خطبۂ جمعہ صرف عربی زبان میں ضروری ہے

سوال (۱۶):

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے میں کہ خطبۂ جمعہ اُردو زبان میں درست ہے یا نہیں؟ مفصل ومدلل واضح فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامدا ومصلیا ومسلما!

اُردو زبان میں خطبۂ جمعہ مکروہِ تحریمی ہے، خطبۂ جمعہ کا محض عربی زبان میں

(۱)ونقل القهستانی عن عبد المحیط ان اخذ العصا سنة کالقیام۔(شامی مع الدر ۳ر ۴۱)

ہونا ضروری ہے، اُس کا ترجمہ کرنا یا اُس کے ساتھ اور کسی زبان میں وعظ کہنا جائز نہیں، حضرت شاہ ولی اللہؒ نے لکھا ہے کہ مشارق و مغارب میں توارث و تواتر کے ساتھ جو عمل مسلمانوں میں رائج ہے وہ عربی زبان میں خطبہ کا ہونا ہے، جبکہ مفتوحات یعنی جن ممالک کو حضراتِ صحابہؓ نے فتح کیا ہے اُن میں بیشتر عجم (غیر عربی) تھے، مگر کسی سے یہ منقول نہیں کہ غیر عربی زبان میں خطبہ دیا ہو، تمام صحابہ کرامؓ نے عرب اور غیر عرب ہر جگہ عربی زبان ہی میں خطبہ دیا ہے۔(مستفاد از فتاوی محمودیہ ج/۲ص/۲۷۷ قدیمی)

عالمگیری میں الخطبة کالصلوۃ (خطبہ نماز کی طرح ہے) کی تعبیر ہے، جس سے خطبہ کا امرِ تعبدی ہونا سمجھ میں آتا ہے اور اب کسی کو اس اِجماع کے خلاف کرنا بھی جائز نہ ہوگا۔(مستفاد از فتاویٰ نظامیہ ج/۱ص/۵۶)

فانه لا شک فی ان الخطبة بغیر العربیة خلاف السنة المتوارثة من النبی والصحابة فیکون مکروها تحریما۔(عمدة الرعایہ علی شرح الوقایہ ج/۱ص/۲۰۰)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۲۰/ شعبان المعظم ۱۴۲۲ھ

شہر سے متصل کمپنی میں نمازِ جمعہ کا حکم

سوال (۱۷):

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ ہمارا کارخانہ شہر آمبور سے تقریباً ساڑھے چار کلو میٹر فاصلے پر موجود ہے، یہاں کا معمول تھا کہ کارخانہ کی جانب

سے سواری کے انتظام کے ساتھ جمعہ کی نماز شہر آمبور میں پہنچ کر ادا کرتے رہے، اور کارخانہ کی طرف سے اس کے لئے سواری کا انتظام بھی کیا جاتا رہا، اب چند دشواریوں کے تحت کارخانہ ہی میں جمعہ کی نماز کا انتظام کر دیا گیا ہے، اور کارخانے کی جانب سے جو سواری کا انتظام تھا وہ بند کر دیا گیا ہے، کارخانہ کے ذمہ دار کہتے ہیں کہ جن کو جمعہ کی نماز ادا کرنا ہو وہ یہیں ادا کرلیں، اور جو شہر جانا چاہتے ہیں وہ اپنی سواری سے شہر میں جمعہ کی نماز ادا کر کے آجائیں اور اس بات کی بھی اجازت دی گئی ہے کہ اگر کوئی باہر والے جمعہ کی نماز کے لئے یہاں آنا چاہیں تو آکر نمازِ جمعہ اور کوئی بھی نماز پڑھ سکتے ہیں اس کی پوری اجازت ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ ہم کو شہرِ آمبور جائے بغیر یہیں پر نمازِ جمعہ ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر ہم باہر جانا چاہیں تو کارخانے کی جانب سے سواری کا مطالبہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ جب کہ کارخانہ ہی میں نمازِ جمعہ کا انتظام کر دیا گیا ہے۔ براہِ کرم اس سوال کا جواب مرحمت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

صورتِ مسئولہ میں اگر واقعی کارخانہ شہر کی آبادی اور حدود میں داخل ہے اور کارخانے میں باہر والوں کے لئے بھی نمازِ جمعہ ادا کرنے کی عام اجازت ہے تو وہاں بلا کراہت جمعہ کی نماز درست ہے،(۱) اور کارخانے سے باہر جمعہ کی ادائیگی کے لئے

---

(۱) وقد جزم فیھا بصحۃ الجمعۃ فی مسجد سبیل علان الذی بناہ بعض امراء زمانہ وھو فی فناء مصر بینہ وبینھا نحو ثلاثۃ ارباع فرسخ وشیٔ۔ (شامی ۸/۳) والحکم غیر مقصور علی المصلی بل یجوز فی جمیع افنیۃ المصر لانھما بمنزلتہ فی حوائج اھلہ۔ (ہدایہ ۱/۱۶۸)

سواری کے مطالبہ کو پورا کرنا ضروری نہیں۔(مستفاد از فتاوی محمودیہ ۸/ ۱۸۴، ۱۲۳)

فقط واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح	الجواب صحیح	حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ
سید ولی اللہ غفرلہ	محمد مصباح اللہ عفا اللہ عنہ	۲۰/رجب ۱۴۳۳ھ
۲۰/۷/ ۱۴۳۳ھ	۲۰/رجب المرجب ۱۴۳۳ھ	

خطیب کا دورانِ خطبہ کسی کو تنبیہ کرنا

سوال(۱۸):

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین ذیل کے مسئلہ میں کہ ایک صاحب خطبۂ جمعہ کے لئے مقرر تھے، وقتِ مقررہ پر حاضر نہیں ہوئے، وقت ہونے پر امامِ مسجد جو عالم و حافظ ہیں، منبر پر بیٹھ گئے اور اذانِ ثانی بھی ہوگئی، اتنے میں خطیب صاحب اندر آئے، دیکھ کر ادباً امام صاحب منبر سے نیچے اتر گئے، اور خطیب صاحب سیدھے منبر پر جاکر کھڑے ہوگئے اور خطبہ دینے لگے، خطیب صاحب نے دورانِ خطبہ امام صاحب کو تنبیہ کی کہ آئندہ منبر سے اترنے کی غلطی سرزد نہ ہونے پائے، اس لئے کہ یہ مکروہ ہے، کیا اس طرح خطیب صاحب کا اذانِ ثانی کے بعد منبر پر چڑھنا اور قوم کے سامنے امام کو تنبیہ کرنا شرعاً درست ہے؟ براہِ کرم تفصیل سے جواب دیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلماً!

بر تقدیرِ صحتِ واقعہ و صدقِ سوال جب امام صاحب منبر پر چڑھ گئے تھے تو اُنہیں نیچے نہیں اترنا چاہئے تھا، لہٰذا اگر خطیب صاحب نے مسئلہ بتانے کی حد تک یہ

بات کہی ہے تو بلاشبہ درست ہے۔(۱)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۸/ شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح

العبد محمد اجتباء الحق غفرلہ

۸/ شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ

نماز میں قصر واتمام کا مسئلہ

سوال(۱۹):

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) زید کا آبائی وطن آمبور ہے اور اس کے رہائشی مکانات آمبور میں تھے مگر اب وہ بالکلیہ آمبور کو ترک کر کے مدراس میں مقیم ہوگیا ہے، آبائی مکانات سے بھی دست بردار ہوگیا ہے، تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ وہ جب مدراس سے کسی کام کے لئے عارضی طور پر آمبور آئے تو قصر کرے یا اتمام؟

(۲) زید کی بیٹی فاطمہ کا سسرال وشارم ہے اور اس کا قیام اکثر سسرال ہی میں رہتا ہے جبکہ اس کے والدین کا مکان مدراس میں ہے، دریافت طلب امر یہ کہ فاطمہ کے لئے والدین کا مکان مدراس میں اور سسرال کا مکان میل وشارم میں ہونے پر نماز کے لئے کیا حکم ہے؟

(۳) زید کی بیٹی عائشہ کا سسرال وانمباڑی میں ہے اور اس کا قیام دو چار دنوں کے لئے

---

(۱) کل ما حرم فی الصلوۃ حرم فی الخطبۃ... او امر بمعروف وفی الشامیۃ الا اذا کان من الخطیب۔

(الدر مع الرد ۳/۳۵)

سسرال میں رہتا ہے اور اکثر مدراس میں قیام رہتا ہے، ضرورت کے موقعوں پر سسرال آنا جانا ہوتا ہے، لہذا مدراس میں اس کا قیام اگر ذاتی مکان میں ہو تو کیا حکم ہے؟ اگر ذاتی مکان نہ ہو کرایہ پر ہو، اور شوہر بغرضِ تجارت مدراس میں مقیم ہو تو کیا حکم ہے؟ اوراگر والدین کے مکان میں جو مدراس میں ہے قیام ہو تو نمازوں کے لئے کیا حکم ہے؟ قصر کرنا ہے یا اتمام؟ براہِ کرم ان سوالات کے جوابات اور ہر ایک کا حکم قرآن وحدیث کی روشنی میں مرحمت فرماکر ممنون ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامدا ومصلیا ومسلما!

(۱) زید کا اصلی وطن مذکورہ صورت میں مدراس ہوچکا ہے، اگر کسی عارضی کام کے لئے آمبور آئے تو قصر کرنا لازم وضروری ہے۔ الوطن الاصلی یبطل بمثله اذا لم یبق له بالاول اهل ای وان بقی له فیه عقار قال فی النهر ولو نقل اهله ومتاعه وله دور فی البلاد لاتبقی وطناله۔ (در مختار مع شامی ج/۲ ص/۶۱۴)

(۲) شادی کے بعد دلہن رخصت ہوکر سسرال کے گھر آئے اور وہاں مستقل قیام کرلے تو نماز پوری پڑھے اسی طرح والدین کے یہاں آئے تب بھی نماز پوری پڑھے جب کہ اس نے میکہ کو بالکل نہ چھوڑا ہو، مطلب یہ کہ والدین وسسرال کے یہاں برابر آمد ورفت رہتی ہے تو دونوں جگہ اتمام کرے، اگر کسی ایک جگہ کو بالکلیہ ترک کردے تو کبھی کبھار وہاں جانے پر اگر پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کا ارادہ ہو تو قصر کرے۔ (مستفاد از فتاوی رحیمیہ ج/۵ ص/۱۰ اقدیمی)

(۳) جواب نمبر/۲ میں ملاحظہ فرمالیں (مدراس اگر اس کا وطنِ اصلی اور اُس کے والدین کا بھی وطن ہو تو بھی) مکان کے ذاتی اور کرایہ کے ہونے سے شرعی حکم

میں کوئی فرق نہیں آتا۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۲۱/ ذیقعدہ ۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح

احمد سعید عفی عنہ

۲۱/ ذیقعدہ ۱۴۲۴ھ

جمع بین الصلوتین اور چند اہم مسائل

سوال (۲۰):

محترم المقام حضرت مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

یہ چند سوالات پیشِ خدمت ہیں، ان کا جواب مطلوب ہے، عنایت پر نوازش ہو گی۔

(۱) مسافر سفر کی حالت میں نمازیں یعنی ظہر کی فرض نماز کے فوراً بعد عصر کی نماز اور مغرب کی نماز کے فوراً بعد عشاء کی نماز، سنت اور واجب ادا کر لینے سے کیا یہ نمازیں ادا ہو جائیں گی؟ کیا ایسا پڑھنا شرعاً درست ہے؟

(۲) زید اپنا مکان بکر کے پاس بطورِ رہن دولاکھ روپئے میں رکھ دیا، اور بکر ماہانہ زید کو بطورِ کرایہ دوسو روپئے دیتا ہوا آتا ہے، اس طرح مکان کو رہن رکھنا اور بطورِ حیلہ مختصر کرایہ دینا کیا شرعاً درست ہے؟

(۳) میں حنفی مسلک کا ہوں، یہاں قریب میں ایک مسجد ہے جو شافعی مسلک کی ہے، یہاں عصر کی نماز ۴/ بجے ہو جاتی ہے، ان کی اقتداء میں نمازیں ادا کرنا کیسا ہے؟

(۴) لائف انشورنس کمپنی نے ایک اسکیم شروع کی ہے، صحت مندی کی حالت میں جو شخص ایک سال تک ماہانہ متعینہ رقم ادا کرتا ہے، اگر اس ایک سال میں

بیمار ہو گیا تو اس کے علاج و معالجہ کا خرچ انشورنس کمپنی برداشت کر لیتی ہے، اگر سال بھر بیمار نہ ہوا تو وہ ایک سال کی رقم نہیں ملے گی، کیا اس اسکیم میں حصہ لینا درست ہے؟ کبھی آپریشن کی نوبت آگئی تو دو تین لاکھ تک کا خرچ آجاتا ہے، لہٰذا اس اسکیم کا اور ہم کو اس میں حصہ لینے کا شرعی حکم کیا ہے؟ نیز انشورنس کے نام پر حکومت کی جانب سے ہر شہری کو ایک ٹوکن دیا جاتا ہے، کیا اس ٹوکن کے ذریعہ علاج کر لینا درست ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلماً!

(۱) مسافر کے لئے حالتِ سفر میں بھی جمع بین الصلوتین ناجائز ہے، بعض روایتوں سے جو شبہ پیدا ہوتا ہے وہ حقیقی جمع نہیں بلکہ ظاہری اور صوری جمع ہے، یعنی سفر یا کسی شرعی عذر سے نمازِ ظہر کو اس کے اخیر وقت میں اور نمازِ عصر کو اس کے شروع وقت میں ادا کیا جاتا ہے، اسی طرح دورِ رسالت اور صحابہ میں مغرب اور عشاء کی نمازوں میں سفر وغیرہ کے عذر سے یہی عمل کیا جاتا تھا۔ عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمع بین الصلوتین فی السفر (ابن ابی شیبة ۳۹۶/۵) وفی الطبرانی بلفظ کان یجمع بین المغرب والعشاء یؤخر ھذہ فی اخر وقتھا ویعجل ھذہ فی اول وقتھا۔

(المعجم الکبیر ۵/۷ ۲ بحوالہ التعلیق الصبیح ۱۶۳/۲)

(۲) شئ مرہون یعنی گروی رکھی ہوئی چیز سے فائدہ اٹھانا شرعاً ناجائز ہے، اس لئے کہ جس قرض سے نفع حاصل کیا جائے وہ سود ہے۔ اور بطورِ کرایہ کے کچھ رقم حاصل کرنا یہ حیلہ بھی باطل ہے، کیونکہ معاملہ رہن کا ہے۔(۱)

---

(۱) لا یحل لہ ان ینتفع بشئ منہ بوجہ من الوجوہ وان اذن لہ الراھن، لانہ اذن لہ فی الربا لانہ یستوفی دینہ کاملا فتبقی لہ المنفعة فضلا فیکون ربا وھذا امر عظیم۔ (شامی ۸۳/۱۰)

اور حیلہ اختیار کرنے میں رہن اور کرایہ بیک وقت دو معاملے ہوتے ہیں جو شرعاً درست نہیں۔(۱)(مستفاد از فتاویٰ محمودیہ ۲۰/۱۲۳)

(۳) بہتر اور افضل یہی ہے کہ عصر کی نماز اس کا وقت شروع ہونے پر ادا کی جائے تاہم اگر کسی عذر سے شافعی امام کے پیچھے کوئی حنفی عصر کی نماز ادا کرلے تو وہ نماز صحیح ہو جاتی ہے۔(۲)(مستفاد از فتاویٰ محمودیہ ۶/۳۷۲)

(۴) لائف انشورنس کی جس اسکیم کا سوال میں ذکر کیا گیا ہے وہ ناجائز ہے، اور اس میں حصہ لینا درست نہیں، کیونکہ انشورنس کی جملہ صورتوں میں سود اور جوا کی تعریف صادق آتی ہے، کہیں صرف جوا کی شکل پائی جاتی ہے، اس لئے دورِ حاضر کے معتبر اور مستند علماءِ کرام نے اس کو ناجائز قرار دیا ہے۔ (مستفاد از فتاویٰ عثمانی ۳/۳۲۷)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ
یکم شعبان ۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح
سید ولی اللہ غفرلہ
۱/۸/۱۴۳۵ھ

---

(۱) قال والغالب من احوال الناس انهم انما يريدون عند الدفع الانتفاع ولولاه لما اعطاه الدراهم وهذا بمنزلة الشرط لان المعروف كالمشروط وهو مما يعين المنع والله تعالیٰ اعلم۔(شامی ۱۰/۸۳) اما الاجارة فالمستاجر ان كان هو الراهن فهي باطلة ..... وان كان هو المرتهن وجدد القبض للاجارة .... بطل الرهن والاجرة للراهن۔(شامی ۱۰/۱۳۰)

(۲) ووقت الظهر من زواله الى قوله الى بلوغ الظل مثليه وعنه ومثله وهو قولهما وزفر والائمة الثلاثة وفي الشامية ان الاحتياط ان لايؤخر الظهر الى المثل وأن لايصلي العصر حتى يبلغ المثلين۔

(الدر المختار مع رد المحتار ۲/۱۴-۱۵)

کرسی پر نماز اور حاجیوں کے لئے اجتماعی دعا کا حکم

سوال (۲۱):

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ

(الف) مسجد میں معذور اور عمر رسیدہ لوگ کرسیوں پر بیٹھ کر نماز پڑھتے ہیں، کچھ نمازی لوگ ان کے قریب پیچھے بیٹھ کر قرآنِ پاک کی تلاوت کرتے ہیں، یہ طریقہ آدابِ قرآن کے خلاف نظر آتا ہے، ان میں سے اکثر پہلی صف میں ہی اپنی کرسیاں بچھالیتے ہیں، حل طلب سوال یہ ہے کہ کیا ان معذور حضرات کا پہلی صف میں کرسیو ں پر بیٹھ کر نماز ادا کرنا شرعاً درست ہے؟ ادبِ قرآن کی نسبت سے کیا ان کا یہ عمل صحیح ہے؟ کیا معذورین کا پچھلے صفوں میں بیٹھنا مناسب نہیں ہے؟

(ب) جب لوگ حج کو جاتے ہیں، ان کے اعزاز میں مسجد میں کسی فرض نماز کے بعد عموماً اجتماعی دعا ہوتی ہے، مصافحہ و معانقہ بھی ہوتا ہے، ایسے موقعہ پر اُنہیں پھولوں کے ہار بھی پہنائے جاتے ہیں، کیا یہ سب کام شرعاً درست ہیں؟ اس کا شرعی اور سنت طریقہ واضح فرمائیے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداومصلیاومسلما!

(ا) صورتِ مسئولہ میں اگر واقعی ایسی معذوری ہو کہ نیچے زمین پر بیٹھ کر نماز پڑھنا سخت دشوار ہو تو کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا شرعاً جائز ہے، اور شرعی مجبوری میں پہلی صفوں میں کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے، کیونکہ مجبوراً بیٹھ کر نماز پڑھنا کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی طرح ہی ہے، البتہ جو لوگ نیچے زمین پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کی قدرت رکھتے ہوں اُنہیں نیچے بیٹھ کر ہی نماز پڑھنا چاہئے، بلا وجہ کرسی پر

بیٹھ کر نماز پڑھنا صحیح نہیں ہے۔ جو لوگ مجبوراً کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھتے ہیں ان کے قریب نیچے زمین پر بیٹھ کر تلاوت کرنا شرعاً جائز ہے، بے ادبی نہیں، ہاں اگر نظام اس طرح ہو جائے کہ کرسی پر بیٹھنے والے ایک جانب ہو جائیں اور قرآنِ مجید نیچے بیٹھ کر تلاوت کرنے والے دوسری جانب ہو جائیں تو بہت بہتر ہے۔

(۲) حجاجِ کرام سے انفرادی طور پر مصافحہ معانقہ درست ہے، مگر اجتماعی شکل میں شرعاً غلط ہے، اور بعض مسجدوں میں آج کل اس کا اہتمام ہونے لگا ہے، جس سے بدعت کا بھی شبہ ہوتا ہے، اور حاجیوں کو پھول کا ہار پہنانا بہر حال خلافِ سنت اور ناجائز ہے، اس سے بچنا ضروری ہے۔ (مستفاد از فتاویٰ محمودیہ ۳/ ۲۰۲ قدیمی)

فقط واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح

محمد اجتباء الحق غفرلہ

۲۴/ رجب المرجب ۱۴۲۸ھ

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۲۴/ رجب المرجب ۱۴۲۸ھ

کرسی پر نماز پڑھنے کے مسائل

سوال (۲۲):

بخدمت حضرت مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے میں کہ کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ شریعت میں قیام کی کیا حیثیت ہے اور یہ کب ساقط ہوتا ہے؟ کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کی کب گنجائش ہے؟ اور کرسی پر نماز پڑھنے کا شرعی طریقہ کیا ہے؟ براہِ کرم ان سوالات سے متعلق تفصیلی جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامدا ومصلیا ومسلما!

آج کل مسجدوں اور دوسرے مقامات میں کرسی پر بیٹھ کر نماز ادا کرنے کی کثرت ہوچکی ہے، بعض حضرات تو واقعی معذور ہوتے ہیں کہ سوائے کرسی استعمال کرنے کے کوئی چارہ نہیں ہوتا، جبکہ بہت سے وہ لوگ ہیں کہ بجائے کرسی کے زمین پر بیٹھ کر نماز ادا کرنے کی پوری قدرت رکھتے ہیں، اس لئے اس سلسلے میں شرعی احکام سے واقفیت ضروری ہے، چنانچہ کرسی پر نمازادا کرنے کے آداب و مسائل ملاحظہ فرماکر اپنی نمازوں کو شریعتِ مطہرہ کے مطابق ادا کریں، کیونکہ بعض صورتوں میں کرسی پر نماز ادا کرنے سے نمازادا ہی نہیں ہوتی ہے۔

نماز میں قیام فرض ہے :

نماز میں قیام فرض ہے، اِس کی بہت زیادہ اہمیت ہے، بغیر قیام کے نماز ہی درست نہیں ہوتی، یہاں تک کہ اگر کوئی شخص نماز کے بعض حصہ میں کھڑا ہوسکتا ہو اگر چہ ایک آیت یا ایک تکبیر کے بقدر ہی کیوں نہ ہو یا کسی چیز کے سہارے دیوار وغیرہ سے ٹیک لگا کر قیام کر سکتا ہو تو اُس پر اتنی دیر یا کسی چیز پر ٹیک لگا کر نماز پڑھنا ضروری ہے، ورنہ نماز نہیں ہوگی۔

ولو قدر علی بعض القیام قام لزوما بقدر مایقدر ولو قدر آیۃ أو تکبیرۃ۔ (شامی ۲/ ۵۶۷) **ولوقدرعلی القیام متکئا فالصحیح انه یصلی قائما متکئا ولایجزیه غیر ذلک۔** (حوالۂ بالا، وفتاوی عالمگیری ۱/ ۱۵۰)

قیام کب ساقط اور معاف ہے؟

اگر عذر ایسا ہو کہ کھڑا ہو نہیں سکتا، اگر کھڑا ہوگا تو گر جائے گا یا ایسا بیمار ہے کہ

اگر کھڑا ہوگا تو بیماری میں اضافہ ہو گا یا بیماری دیر سے ٹھیک ہو گی، یا کھڑے ہونے سے سر چکراتا ہو یا سخت تکلیف ہوتی ہو تو اِن صورتوں میں بیٹھ کر نماز پڑھنے کی گنجائش ہے۔

أرادبالتعذر الحقيقي بحيث لو قام لسقط ... أو حكمي بان خاف زيادته أو بطء بر ءه بقيامه أو دوران رأسه أو وجد لقيامه المًا شديدًا اصلى قاعدًا۔

(شامی ۲/ ۵۶۴، ۵۶۵)

معمولی تکلیف میں قیام معاف نہیں :

اگر قیام میں معمولی تکلیف ہوتی ہو تو قیام کو چھوڑ دینا جائز نہیں ہے ۔

فان لحقه نوعُ مشقةٍ لم يجز ترك ذلك القيام۔ (فتاوی عالمگیری ۱/ ۱۵۰)

زمین یا کرسی پر بیٹھ کر نماز کب ادا کی جائے؟

جو شخص زمین پر بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے، مگر سجدہ کرنے کی قدرت نہیں رکھتا ہے، تو اس شخص سے بھی قیام ساقط ہو جاتا ہے، ایسا شخص زمین پر بیٹھ کر نماز ادا کرے، اور رکوع سجدہ اشارے سے ادا کرے، اور حتی الامکان کرسی پر بیٹھ کر نماز نہ پڑھے، یہی صحیح اور افضل طریقہ ہے، اس لئے کہ نیچے بیٹھ کر نماز ادا کرنے میں زمین سے قربت اور سجدہ سے زیادہ مشابہت ہے، البتہ اگر زمین پر کسی بھی ہیئت و شکل (دوزانو یا چارزانو وغیرہ) میں بیٹھنا دشوار ہو تب کرسی پر بیٹھ کر نماز ادا کی جا سکتی ہے۔

وان تعذرا...أومأ قاعدا وهو افضل من الايماء قائما لقربه من الارض وفى الشامية فيكون اشبه بالسجود لان ركنية القيام للتوصل الى السجود فلا يجب دونه۔

(الدر المختار مع الشامی ۲/ ۵۶۷۔ ۵۶۸)

کرسی پر رُکوع اور سجدہ کرنے کا طریقہ :

کرسی پر نماز پڑھنے والے کے لئے رکوع کرنے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ

پیشانی کو گھٹنے کے مقابل کرے، رکوع اور سجدہ میں دونوں ہاتھ رانوں ہی پر رکھے، رکوع اور سجدہ کے اشارے کے لئے ہاتھوں کو آگے لے جانے کی ضرورت نہیں ہے، بعض لوگ رکوع اور سجدہ کے اشارے میں فرق کرتے ہوئے سجدے کے اشارے میں دونوں ہاتھ آگے لے جاتے ہیں یہ غلط ہے، دونوں کا اشارہ صرف سر کے جھکانے سے ہوتا ہے۔

ولو کان یصلی قاعداً ینبغی ان یحاذی جبهته قدامُ رکبتیه لیحصل الرکوع قلت ولعله محمول علی تمام الرکوع والا فقدعلمت حصوله باصل طأطأة الرأس ای مع انحناء الظهر۔ (شامی ۲/۱۳۴)

رکوع اور سجدہ کے اشارے میں فرق:

رکوع کے لئے پیٹھ کو جھکاتے ہوئے سر کو تھوڑا پست کرنا کافی ہے، زمین کے قریب تک سر کو لے جانا ضروری نہیں، البتہ سجدہ کا اشارہ رکوع کے اشارہ سے زیادہ پست ہونا ضروری ہے، اگر دونوں کا اشارہ برابر برابر رہاتو سجدہ ادا نہیں ہو گا۔

ویجعل سجوده أخفض من رکوعه لزوماً وفی الشامیة اشار الی انه یکفیه ادنی الانحناء عن الرکوع وانه لا یلزمه تقریب جبهته من الارض باقصیٰ ما یمکنه.......لکن جعل خفض السجود مساویاً لخفض الرکوع لم یصح لعدم الایماء لهما أو للسجود. (شامی ج/۲ص/۵۶۹) وظاهره کغیره أنه یلزمه جعل السجود أخفض من الرکوع حتیٰ لو سوّاهما لا یصح۔ (البحر الرائق ج/۲ص/۱۱۳)

کرسی سادی ہونی چاہئے:

معذوروں کو چاہئے کہ سادی کرسی پر نماز ادا کریں، ٹیبل والی کرسی پر نماز پڑھنے سے مکمل احتراز کریں۔ (مستفاد: بہشتی زیور ۲/۴۵)

معذور لوگوں کا پچھلی صف میں نماز پڑھنا:

اگلی صفوں میں جگہ ہوتے ہوئے معذور لوگوں کا پچھلی صف میں نماز پڑھنا اور اپنے لئے علیحدہ جگہ متعین کرلینا مکروہ ہے، اس کی وجہ سے صف میں خلل رہ جاتا ہے، حالانکہ صف کے خلاء کو پُر کرنے کا حدیث میں تاکیدی حکم آیا ہے۔

عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال من وصل صفا وصله الله و من قطع صفا قطعه الله عز و جل۔ (نسائی شریف، کتاب الامامۃ ۱/۱۳۱)

صف میں کرسی کہاں رکھی جائے؟

بعض لوگ اپنے قدموں کا اعتبار کرتے ہوئے کرسی کو صف کی لکیر سے پیچھے رکھ کر خود صفوں میں کھڑے ہو جاتے ہیں، یہ طریقہ صحیح نہیں، بلکہ کرسی کو صف کی ابتداء میں رکھنا چاہیئے، خواہ دوسرے مقتدیوں سے قدم آگے نکل جائے۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح	الجواب صحیح	حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ
محمد مصباح اللہ عفا اللہ عنہ	سید ولی اللہ غفرلہ	۲۸ / ربیع الاول ۱۴۳۸ھ
۲۸ / ربیع الاول ۱۴۳۸ھ	۲۸ / ۳ / ۱۴۳۸ھ	

متبرک راتوں میں مسجد میں جمع ہونے کا حکم

سوال (۲۳):

محترم المقام حضرت مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلے میں کہ:

(۱) ایک مرد کی دو بیویاں ہیں، جو پہلی بیوی ہے، اُن کے اِن سے پہلے ایک

شوہر تھے، اُن کی دو لڑکیاں ہیں، اُن کی لڑکی کا جو اَب اس عورت کا شوہر ہے اُن کے بھائی سے کیا نکاح کر سکتے ہیں؟ یعنی جو سوال کے شروع میں لکھا ہوں، اب جو حاضر شوہر ہیں اُن کے بھائی سے کیا نکاح کر سکتے ہیں؟

(۲) کیا کمرے کے اندر اَٹاچ باتھ روم ا اور لیٹرین بنا سکتے ہیں؟

(۳) بارش کے موقع پر چھت پر جو پانی جمع ہو جاتا ہے، بعض لوگ اس کو لیٹرین کی ٹینک میں داخل کرتے ہیں، یعنی بجائے باہر کرنے کے سپٹک ٹینک (Septic Tank) کے اندر کر دیتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟

(۴) شبِ برأت میں جو رات کے نوافل پڑھتے ہیں، وہ تو گھر میں ادا کرنی چاہئے، لیکن اکثر لوگ مسجد میں پڑھتے ہیں، کیا اس رات میں بجائے نوافل کے قضاءِ عمری مسجد میں ادا کر سکتے ہیں یا اس رات میں صرف نوافل ہی ادا کرنا ہے؟ کیونکہ تفصیل سے بیان میں معلوم کرانا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداً و مصلیاً و مسلماً!

(۱) مسئولہ صورتوں میں پہلی بیوی کی لڑکی سے دوسرے شوہر کے بھائی کا نکاح درست ہے، یہاں حرمت کی کوئی وجہ موجود نہیں ہے، یہ صورت ارشادِ باری تعالیٰ واحل لکم ماوراء ذلکم میں داخل ہے۔

(۲) باتھ روم کمرہ سے باہر رہنا چاہئے مگر آج کل عمومِ بلویٰ ہے، پاکیزگی کا لحاظ رکھتے ہوئے اٹاچ باتھ روم کی اجازت ہے۔

(۳) درست ہے۔

(۴) نوافل اور قضاءِ عمری کو گھر ہی میں پڑھنا بہتر ہے، خواہ شبِ برأت ہو یا

شبِ قدر ہو۔ علمائے کرام نے شب برأت و شبِ قدر میں نوافل کے لئے مسجدوں میں جمع ہونے کو مکروہ لکھا ہے، لہٰذا گھروں میں جس قدر ہو سکے نوافل اور قضاءِ عمری کا اہتمام کیا جائے۔(۱)

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم بالصواب
سبیل احمد غفرلہ	حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ
۶ر شعبان المعظم ۱۴۲۱ھ	۵ر شعبان المعظم ۱۴۲۱ھ

ناجائز بچہ پر بھی نمازِ جنازہ ضروری ہے

سوال (۲۴):

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسلمان عورت کو ناجائز حمل قرار پا گیا اور ولادت کے کچھ دنوں کے بعد بچہ کا انتقال ہو گیا تو اس بچہ کی نمازِ جنازہ اور تجہیز و تکفین کا شرعاً کیا حکم ہے؟ نیز اگر یہ بچہ کسی غیر مسلم کے نطفہ سے ہو تو اُس صورت میں کیا حکم ہے؟ براہِ کرم وضاحت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

صورتِ مسئولہ میں مذکورہ بچہ کی شرعی ضابطہ سے تجہیز و تکفین کرنا اور اس پر نمازِ جنازہ پڑھنا ضروری ہے،(۲) اِسی طرح سے کسی غیر مسلم کے نطفہ سے ہو تو بھی یہی

---

(۱) ویکرہ الاجتماع علی احیاء لیلة من هذه اللیالی المتقدم ذکرها فی المساجد وغیرها لأنه لم یفعله النبی ﷺ ولا أصحابه فأنکره اکثر العلماء من اهل الحجاز۔ (مراقی الفلاح ص ر ۴۰۲)

(۲) ومن استهل بعد الولادة غسل وسمی وصلی علیه۔ (ملتقی الابحر ۱ر ۲۷۳)

حکم ہے، کیونکہ بچہ بالغ ہونے تک خیر الابوین (ماں باپ میں سے جس کا دین بہتر ہے وہ اس کے دین) کا تابع ہوتا ہے۔(مجمع الانہر ج/۱، ص/۲۷۳)(۱)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۲۱/ شوال المکرم ۱۴۲۲ھ

نمازِ جنازہ کے بعد میت کی رونمائی اور دیگر رسومات

سوال (۲۵):

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ (الف) زید کی بیوی وفات پاگئی، زید نے اپنی بیوی کا مہر ادا نہیں کیا ہے، مرحومہ کی لڑکیاں اور لڑکے ہیں، مرحومہ کی مہر کی رقم اس کے بچوں کو تقسیم کر کے دینا ہے، لڑکیوں کو کتنا اور لڑکوں کو کتنا حق پہونچتا ہے؟ مہر کی رقم میں زید کو یعنی اس کے شوہر کو بھی حق مل سکتا ہے یا نہیں؟

(ب) محلہ میں یہ بات مشہور ہے کہ اگر بیوی انتقال کر گئی تو شوہر کا اپنی بیوی کو دیکھنا، چھونا، جنازے کو ہاتھ لگانا اور میت کو قبر میں اتارنا جائز نہیں، کیا یہ صحیح ہے؟

(ج) نمازِ جنازہ کے بعد میت کا دیدار کرنا ہمارے محلہ کا معمول ہے، پرانا دستور ہے، اگر دیدار نہ کرایا گیا تو بحث وتکرار اور نزاع کی صورت پیدا ہو جاتی ہے، چند ایک ذی فہم نمازِ جنازہ کے بعد میت کے دیدار سے منع کرتے ہیں، اور عوام میں بے چینی ہے، صحیح صورتِ حال سے آگاہ فرمایئے۔

---

(۱) الولد يتبع خير الابوين دينا۔(مجمع الانہر ۱/۲۷۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق !حامداًو مصلیاًو مسلماً!

(الف)زید اپنی مرحومہ بیوی کا مہر زید کے وارثین کو ادا کر دے گا اور زید خود بھی اس کا ایک وارث ہے، چنانچہ مرحومہ کی دوسری میراث کی طرح اس کے مہر کا ایک چوتھائی حصہ شوہر زید کو ملے گا اور باقی حصے مرحومہ کی اولاد کو (مذکر کو دو حصے اور مؤنث کو ایک حصہ کے قاعدے سے) ملیں گے۔

(ب)شوہر اپنی وفات شدہ بیوی کا چہرہ دیکھ سکتا ہے اور اسی طرح اس کے جنازے کو ہاتھ لگانا اور لیجانا بھی درست بلکہ باعثِ ثواب ہے، نیز اس کا قبر میں اترنا بھی درست ہے، البتہ میت کے محرم رشتہ دار مثلاً باپ بیٹے اور بھائی کا اترنا افضل ہے، لیکن غسل دینا اور اس کے بدن کو چھونا جائز نہیں۔ویمنع زوجها من غسلها و مسحها لا من النظر اليها۔(در مختار ج/۳ص/۹۰)

(ج)میت سے متعلق دنیوی احکام میں سے نمازِ جنازہ آخری حکم ہے، نمازِ جنازہ کے بعد فوری تدفین شرعاًضروری ہے، دیدارِ میت کی وجہ سے تدفین میں تاخیر ہوتی ہے جو باعثِ گناہ ہے، لہٰذا میت کے منھ دکھانے کی رسم غیر ضروری اور مکروہ ہے،(۱) شریعت میں تدفین میں تعجیل مطلوب ہے ،اِسی وجہ سے جنازہ لے جاتے ہوئے تیز چلنے کا حکم ہے۔(۲) نیز نماز کے بعد تاخیر کی وجہ سے اجتماعی دعا ممنوع ہے

---

(۱)اس رسم کی قباحت کی مزید تفصیل احسن الفتاوی ۲۱۹/۴ میں ملاحظہ فرمائیں۔عن علی ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال ثلاث لاتؤخرها الصلوة اذا اتت والجنازة اذا حضرت والايم اذا وجدت لها كفواً۔(مشکوۃ:۶۱)

(۲)عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسرعوا بالجنازة فان تک صالحة فخير تقدمونها اليه وان تک سوىٰ ذلک فشر تضعونه عن رقابكم۔(متفق علیہ بحوالہ مشکوۃ ص/۱۴۴)

تو منہ دکھانے کے لئے تاخیر کیسے درست ہو سکتی ہے ؟ البتہ اختلاف و خلفشار سے بچنے کے لئے بیانات وغیرہ میں لوگوں کو سمجھائیں، انشاء اللہ صحیح بات بتائی جائے گی تو کوئی اختلاف باقی نہیں رہے گا۔ (مستفاد از فتاوی رحیمیہ ۷/۱۲۶ قدیمی)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ
۲۵/ ذیقعدہ الحرام ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح
العبد اجتباء الحق
۲۷/ ذیقعدہ الحرام ۱۴۲۹ھ

چند متفرق مسائل

سوال (۲۶):

محترم حضرت مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ !

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ اکثر دیکھا گیا کہ مسلمان مرد کی میت کے اطراف عورتیں حلقہ باندھ کر بیٹھی رہتی ہیں، غسل دیتے وقت، کفن پہناتے وقت بھی اُن کا یہی حال رہتا ہے، شریعت کی رو سے یہ معلوم کرائیں کہ اُن کا یہ عمل کہاں تک درست ہے ؟

(۲) آج سے تقریباً سات سال قبل ایک مسجد تعمیر ہوئی، میں رمضان المبارک کی ۲۰/ تاریخ کو اعتکاف کی نیت کر کے داخل ہوا، شبِ قدر میں منتظمین کے درمیان جھگڑا شروع ہوا اور طرفین نے مہلک ہتھیاروں کا آزادانہ استعمال کیا، میں جان بچا کر اپنے گھر بھاگ گیا، اس کے بعد پھر اعتکاف کے لئے مسجد نہیں گیا، شریعت کی رو سے یہ بتائیں کہ میرا اعتکاف پورا ہوا یا نہیں، اُس کی قضاء میرے ذمہ لازم ہے یا نہیں ؟ اگر

قضا لازم ہے تو اس کی کیا صورت ہے؟ ازراہِ کرم تفصیل سے روشنی ڈالیں تاکہ میں اس کی تلافی کر سکوں۔

(۳) قربانی کی کھال مکتب یعنی جہاں بچوں کے قیام و طعام کا نظم نہیں ہے، دے سکتے ہیں یا نہیں؟ یہاں عدمِ واقفیت کی وجہ سے دو چمڑے مکتب کو دے دئے ہیں، نیز عربی مدرسہ کی تعمیر کے لئے دے سکتے ہیں یا نہیں؟ جواب عنایت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامدا ومصلیا ومسلما!

(۱) مسئولہ صورتوں میں عورتوں کا حلقہ باندھ کر بیٹھنا شرعاً صحیح نہیں ہے، اگر وہ عورتیں نا محرم (جن سے پردہ ضروری ہے) ہوں تو پھر یہ طریقہ حرام ہے، کیونکہ میت مرد ہو یا عورت صرف محرم (یعنی جن سے شرعاً پردہ نہیں ہے) ہی اس کو دیکھ سکتے ہیں، نہلانے اور کفنانے کے وقت مرد میت کو مرد لوگ اور عورت میت کو عورتیں آگے بڑھ کر نہلائیں اور کفنائیں۔ اور غسلِ میت اور اس کی تکفین کے وقت ضرورت سے زائد لوگ دور رہیں۔ (کذا فی کتب الفقہ)(۱)

(۲) بہتر تو یہ ہے کہ مکمل دس دن کا اعتکاف قضا کی نیت سے کر لیا جائے، اور قضا کی نیت سے صرف ایک دن کا اعتکاف بھی کافی ہے۔(۲)

(مستفاد از فتاویٰ رحیمیہ ۵/۲۰۶ قدیمی و احسن الفتاویٰ ۴/۵۰۲)

---

(۱) ویغسل الرجال الرجال والنساء النساء ولا یغسل احدهما الاخر۔ (الفتاوی الهندیة ۱/۱۷۵)

وکذا تنظر المرأة من الرجل کنظر الرجل للرجل ان امنت شهوتها فلو لم تامن او خافت او شکت حرم استحسانا۔ (ردِ محتار ۹/۵۳۳)

(۲) ومنها الصوم وهو شرط الواجب منه لم یشرع فی المسنون اعنی العشر الاواخر (باقی اگلے صفحے پر)

واضح رہے کہ قضا اعتکاف میں بھی روزہ ضروری ہے یعنی روزہ کے ساتھ ہی اعتکاف کیا جائے۔

(۳) جس مکتب ومدرسہ میں کھال کی رقم کا شرعی مصرف نہ ہو وہاں کھال یا اس کی رقم دینا شرعاً جائز نہیں، تحقیق کر کے دیں، مدرسہ ومکتب وغیرہ کی تعمیرات میں اور مدرسین کی تنخواہوں میں کھال کی رقم صرف کرنا از روئے شرع جائز نہیں۔(۱)عدمِ واقفیت کی وجہ سے مکتب کو کھال دینے سے ذمہ ساقط ہو جائے گا، لیکن جان بوجھ کر دینے سے ذمہ ساقط نہیں ہو گا۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ
۷/ محرم الحرام ۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح
محمد اجتباء الحق
۷/ محرم الحرام ۱۴۲۶ھ

چند اہم مسائل کے شرعی جوابات

سوال(۲۷):

مکرمین ومحترمین علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

کئی سالوں سے مسجد اور عبادتوں سے متعلق چند امور پر ہمارے شہر میں سخت

(پچھلے صفحے کا مابقیہ) بنية ثم افسده ان يجب قضاؤه تخريجا على قول أبي يوسف ......وعلى كل فيظهر من بحث ابن الهمام لزوم الاعتكاف المسنون بالشروع ....اما على قول غيره فيقضي اليوم الذى افسده۔(ردِ محتار ۳/ ۴۳۴)

(۱)فان بيع اللحم أو الجلدبه او بدراهم تصدق بثمنه ولا يعطى اجر الجزار منها لانه كبيع۔(ردِ محتار ۹/ ۴۷۵)

اختلافات پیدا ہو گئے ہیں، اور زور و شور اور ہنگامہ تک نوبت پہنچ گئی، تمام مساجد کے ذمہ دار اپنے انتظامی امور میں ان مسائل کی وجہ سے پریشان ہیں، اور عوام میں انتشار پیدا ہو گیا ہے، آپسی اتحاد و اتفاق میں رخنے پڑ رہے ہیں، تمام مساجد کے ذمہ داروں نے ان مسائل کے حل کرنے کی ذمہ داری تنظیمِ مساجد کے اوپر ڈال دی ہے، تنظیمِ مساجد کے علماءِ کرام اور افرادِ تنظیم کی ایک کمیٹی ان مسائل کی تحقیق کرنا چاہتی ہے، اسی لئے یہ عریضہ ہے، جملہ مساجد کی جانب سے آئے ہوئے مختلف مسائل کو مندرجۂ تفصیل میں پیش کیا گیا ہے، ازراہِ کرم ان سوالات کے جوابات عنایت فرما کر ممنون فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیراً کثیراً

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

مسئولہ صورتوں کے جوابات مختصراً لکھ دئے گئے ہیں، چونکہ جوابات کے لئے خلافِ ضابطہ و اصولِ افتاء جگہ نہیں دی گئی، اس لئے صرف ہر مسئلہ کا حکم لکھا گیا ہے اور حوالہ بھی لکھ دیا گیا ہے، پوری تفصیل نہیں لکھی گئی، انشاء اللہ ضرورت ہو تو ہر مسئلہ کو مدلل و مفصل لکھا جا سکتا ہے۔

سوال(۱): جمعہ کا خطبہ منبر پر عربی میں ہونا چاہئے یا عربی، اردو اور تامل میں؟

جواب: خطبۂ جمعہ خالص عربی میں ہونا واجب و ضروری ہے، منبر پر عربی کے ساتھ دوسری زبانوں کو ملانا مکروہِ تحریمی ہے۔ (مستفاد از امداد الفتاویٰ ۱/ ٦۵۵)

مذکورہ جواب کی خلاف ورزی کا شرعاً کیا حکم ہے؟

جواب: ناجائز ہے اور قصداً ہو تو گناہِ کبیرہ ہو گا۔

مذکورہ جواب کے خلاف کچھ حنفی المذہب علماء اور مدارس کا فتویٰ ہو تو اُس کو اپنانے کی

گنجائش کہاں تک ہے ؟

جواب: شرعاً کوئی گنجائش نہیں بلکہ وہ قابلِ رد ہے۔

سوال(۲): پانچوں فرض نمازوں کے بعد ائمہ جہری دعا کریں یا سری دعا؟

جواب: ائمہ اربعہ کے نزدیک بالاتفاق امام اور منفرد دونوں کے لئے سری دعا مستحب اور افضل ہے، جہراً مکروہ ہے۔ تفصیل کے لئے فتاویٰ رحیمیہ دیکھیں۔

(فتاویٰ رحیمیہ ۱/ ۴، ۱۰۵/ ۳۲۵ قدیمی)

مذکورہ جواب کی خلاف ورزی کا شرعاً کیا حکم ہے ؟

جواب : خلافِ افضل کرنے پر شرعاً ثواب نہیں ملتا۔

مذکورہ جواب کے خلاف کچھ حنفی المذہب علماء اور مدارس کا فتویٰ ہو تو اس کو اپنانے کی گنجائش کہاں تک ہے ؟

جواب: کوئی گنجائش نہیں۔

سوال (۳) : نمازِ تراویح کے دوران چار رکعت کے بعد کوئی ذکر و تسبیح کرنا چاہیئے یا نہیں ؟

جواب : شریعت میں مصلی کو انفرادی اعمال کا اختیار دیا گیا ہے، خواہ نماز پڑھے یا خاموش رہے، کسی ایک عمل کا پابند بنانا شرعاً ناجائز اور بدعت ہے۔(ردالمحتار ۲/ ۴۹۶)

مذکورہ جواب کی خلاف ورزی کا شرعاً کیا حکم ہے ؟

جواب: ارتکابِ بدعت کا گناہ ہو گا۔

مذکورہ جواب کے خلاف کچھ حنفی المذہب علماء اور مدارس کا فتویٰ ہو تو اس کو اپنانے کی گنجائش کہاں تک ہے :

جواب: شرعاً کوئی گنجائش نہیں بلکہ قابلِ رد ہے۔

سوال(۴) : تکبیراتِ تشریق فرض نمازوں کے بعد تین مرتبہ پڑھنا چاہئے یا ایک مرتبہ؟

جواب: شرعاً **ایک مرتبہ** پڑھنا واجب اور **تین مرتبہ** خلافِ سنت ہے۔(مجمع الأنہر ۱/ ۲۶۰)

مذکورہ جواب کی خلاف ورزی کا شرعاً کیا حکم ہے؟

جواب: خلافِ سنت کا گناہ ہو گا۔

مذکورہ جواب کے خلاف کچھ حنفی المذہب علماء اور مدارس کا فتویٰ ہو تو اس کو اپنانے کی گنجائش کہاں تک ہے؟

جواب: شرعاً کوئی گنجائش نہیں بلکہ قابلِ رد ہے۔

سوال(۵) : قبرستان میں میت کی تدفین کے بعد مسجد میں بیٹھ کر (جمع ہو کر) دعا کرنا چاہئے یا نہیں؟

جواب: تدفین کے بعد قبرستان میں قبلہ رخ ہو کر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا مستحب ہے، اس کے علاوہ مسجد میں اجتماعی دعا کرنا حدیث سے ثابت نہیں، لہٰذا بدعت ہے۔

(مستفاد از احسن الفتاویٰ ۴/ ۲۲۴)

مذکورہ جواب کی خلاف ورزی کا شرعاً کیا حکم ہے؟

جواب: ارتکابِ بدعت کا گناہ ہو گا۔

مذکورہ جواب کے خلاف کچھ حنفی المذہب علماء اور مدارس کا فتویٰ ہو تو اس کو اپنانے کی گنجائش کہاں تک ہے؟

جواب: شرعاً کوئی گنجائش نہیں، بلکہ قابلِ رد ہے۔

سوال(۶): حفاظِ کرام کو تراویح پڑھانے پر مسجد کی جانب سے رقم جمع کر کے دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب : حفاظِ کرام کو تراویح پڑھانے پر رقم دینا شرعاً ناجائز اور حرام ہے، خواہ طے کر کے یا بلا طے کئے۔فقیہ النفس مفتیٔ باکمال علامہ شامیؒ نے پوری بحث کے بعد صاف فرمایا ہے کہ قرآن پر اجرت سے ثواب نہیں ملتا اور دینے والے اور لینے والے دونوں گنہگار ہوں گے۔ (ردالمحتار شامی ۹/۷۷)

مذکورہ جواب کی خلاف ورزی کا شرعاً کیا حکم ہے؟

جواب: ناجائز اور حرام ہے، سب کے سب ثواب سے محروم، گنہگار ہوں گے۔

مذکورہ جواب کے خلاف کچھ حنفی المذہب علماء اور مدارس کا فتویٰ ہو تو اس کو اپنانے کی گنجائش کہاں تک ہے؟

جواب: شرعاً کوئی گنجائش نہیں، بلکہ قابلِ رد ہے۔

سوال(۷): گرمیوں کے موسم میں مصلیٰ کو محراب کے برابر سے نیچے کی صفوں میں لاکر نماز پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں۔

جواب: موسمِ گرما میں مصلیٰ کو نیچے کی صفوں میں لانا درست ہے۔

(مستفاد از فتاویٰ رحیمیہ ۲/۱۶۲)

مذکورہ جواب کی خلاف ورزی کا شرعاً کیا حکم ہے؟

جواب: نیچے نہ لانے سے بھی کچھ فرق نہیں پڑتا۔

مذکورہ جواب کے خلاف کچھ حنفی المذہب علماء اور مدارس کا فتویٰ ہو تو اس کو اپنانے کی گنجائش کہاں تک ہے؟

جواب: جب پہلے سے جواز ہے تو پھر سے جواز کی کیا صورت ہے؟

سوال(۸): نمازِ جنازہ کے بعد میت کا دیدار کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب : یہ رسم غیر ضروری اور مکروہ ہے، تدفین میں تاخیر ہوتی ہے، جبکہ حدیث میں

تعجیل کا حکم ہے۔ (مستفاد از فتاویٰ رحیمیہ ۵/۱۰۹)

مذکورہ جواب کی خلاف ورزی کا شرعاً کیا حکم ہے؟

جواب: ناپسندیدہ ہے۔

مذکورہ جواب کے خلاف کچھ حنفی المذہب علماء اور مدارس کا فتویٰ ہو تو اس کو اپنانے کی گنجائش کہاں تک ہے؟

جواب: اگر جواز مدلل ہو تو ارسال کیا جائے تاکہ غور کر سکیں۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۳۰/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح

العبد محمد اجتباء الحق عفی عنہ

۳۰/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ

روزے کے احکام

سحری اور افطاری کے لئے نقارہ بجانا

سوال (۲۸):

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ ہمارے محلہ کے نوجوان ماہِ مبارک میں افطار اور سحری کے لئے نقارہ بجانے کی خواہش کرتے ہیں، شریعت کے موافق براہِ کرم جواب دیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداًومصلیاًومسلماً!

سحری اورافطاری کا وقت معلوم نہ ہوتا ہو اور روزہ کے فساد کا اندیشہ ہو تو نقارہ بجانا درست ہے، مگر نقارہ مسجد کے اندر اور اس کے احاطہ کے اندر بجانا درست نہیں، مسجد کے باہر کسی مکان یا بلند مقام میں بجانا چاہیے۔(مستفاد از فتاوی محمودیہ ج۱۰/ص۲۰۵)اور اگر محلہ میں غیر مسلم بھی رہتے ہوں تو سحری کے لئے نقارہ نا بجانا بہتر ہے۔(۱)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۲/شعبان المعظم ۱۴۲۹ھ

---

(۱)یتسحر بقول عدل، وکذا بضرب الطبول واختلف فی الدیک، واما الافطار فلا یجوز بقول الواحد بل بالمثنی وظاهر الجواب أنه لا بأس به اذا کان عدلاً صدقه۔۔۔۔وبالأولی سماع الطبل او المدفع الحادث فی زماننا، لاحتمال کونه لغیره ولأن الغالب کون الضارب غیر عدل (باقی اگلے صفحے پر)

فدیہ دینا کب جائز ہے؟

سوال(۲۹):

قبلہ حضرت صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

(۱) میرے دو سال کے روزے حمل رہنے کے دوران قضا ہو گئے، اب قضاء رکھنا چاہتی ہوں، صحت سے مجبور ہوں، براہِ مہربانی جواب دیں کیا فدیہ دینا ہے یا روزے کی قضا ہی رکھنی ہے؟ اگر فدیہ ہے تو کتنا دینا ہے؟

(۲) میرے چار بچے ہیں: تین لڑکیاں اور ایک لڑکا ہے، میرے خاوند دماغی معذور ہیں، آمدنی کا ذریعہ میرے سسر چلارہے تھے، اب وہ ضعیف ہو گئے ہیں، گھر کے حصے ہو گئے ہیں، اب میرے خاوند کی جائیداد سے ۱،۵۰،۰۰۰ (ایک لاکھ پچاس ہزار روپئے) آنے والے ہیں، میرے گھر کے اخراجات، کرایہ وغیرہ کے لئے یہی رقم ذریعہ ہے، کیا بینک میں روپئے جمع کر کے اس کا اِنکم (فائدہ) لے سکتی ہوں، میرے شوہر کی مجبوری ہے، کیا کروں؟ بینک کا روپیہ حلال ہو گا یا نہیں؟ براہِ مہربانی جواب دیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

(۱)صورتِ مسئولہ میں یہ ضروری نہیں ہے کہ قضاروزے ایک ساتھ رکھے جائیں بلکہ شرعاًاس کی گنجائش ہے کہ وقفہ وقفہ کے ساتھ رکھے جائیں، ہاں اگر صحت اتنی خراب ہو چکی ہے کہ روزہ رکھنا نہایت دشوار اور بیماری کا خوف ہے اور آئندہ بھی

(پچھلے صفحے کا مابقیہ) فلابد حینئذمن التحری فیجوز۔(شامی مع الدرج ۳/ص ۳۸۳)وعن الحسن: لا بأس بالدف فی العرس لیشتھر وفی السراجیۃ:ھذااذالم یکن لہ جلاجل ولم یضرب علی ھیئۃالتطرب اقول وینبغی ان یکون طبل السحر فی رمضان لایقاظ النائمین للسحور کبوق الحمام تأمل۔(شامی ۹/۵۰۵)

اچھی صحت کی بالکل امید نہیں ہے تو روزہ کا فدیہ دینا درست ہے، غرض جب تک صحت کی امید ہے قضا ہی رکھنا ضروری ہے، اور فدیہ بالکلیہ ناامیدی کی صورت میں ہے، فدیہ کی مقدار ایک صدقۃ الفطر ہے، ایک روزہ کے عوض ایک صدقۃ الفطر غریب مسکین کو دیا جاتا ہے۔(۱)(مستفاد فتاویٰ محمودیہ ۷/۲۹۴ قدیمی)

(۲) بینک میں رقم جمع کر کے اس کا فائدہ استعمال کرنا سراسر سود ہے، جو شرعاً حرام ہے، بلکہ دنیا و آخرت کی تباہی ہے، لہٰذا مذکورہ رقم ڈیڑھ لاکھ روپئے دوسرے کسی حلال کمائی میں لگا کر اس کے نفع و نقصان میں شرکت کے ساتھ استعمال کریں، اس سے انشاء اللہ بہت برکت کی امید ہے۔(۲)(مستفاد از فتاویٰ محمودیہ ۱۷/۳۶۶ قدیمی)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۱۵/ ذیقعدہ الحرام ۱۴۲۷ھ

عارضی مسجد میں اعتکاف درست نہیں

سوال (۳۰):

محترم و مکرم مفتی صاحب دامت برکاتہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

---

(۱) ویجب بقدرھا ما فاتھما ان صح او اقام بقدرہ والا فبقدر الصحۃ والاقامۃ فیطعم عنہ ولیہ لکل یوم مسکینا۔(ملتقی الابحر ۱/۳۶۷)

فالشیخ الفانی الذی لایقدر علی الصوم یفطر ویطعم لکل یوم مسکینا۔ (الفتاوی الھندیۃ ۱/۲۲۸)

(۲) یایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وذروا مابقی من الربوا ان کنتم مؤمنین۔(البقرۃ:۲۷۸) وفی صحیح مسلم لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکل الربوا وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء۔(۲/۲۷)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین درجِ ذیل مسائل کے بارے میں: ہماری مسجد تقریباً ڈیڑھ سو سالہ پرانی مسجد ہے، جس کو شہید کراکر از سر نو تعمیر کرنے کا ارادہ ہے، شہید کرانے کے موقع پر جگہ کی تنگی کی بناء پر مسجد کے سامنے ایک میدان ہے، اس میں نمازِ پنجگانہ، نمازِ جمعہ نیز اعتکاف کے بارے میں احکام مطلوب ہیں، اور جگہ مسجد کی نہیں ہے، مسائلِ بالا کے احکام بتاکر ممنون ومشکور ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداً ومصلیاً ومسلماً!

صورتِ مسئولہ میں شرعی مسجد کی تعمیر تک عارضی مسجد (جو دراصل میدان ہے اُس) میں نمازِ پنجگانہ اور نمازِ جمعہ کی ادائیگی درست ہے، اسی طرح نمازوں کی ادائیگی کے ساتھ اعمالِ مسنونہ، تلاوت، ذکر، نوافل اور دعاؤں کا اہتمام بھی مستحسن ہے۔ مگر اعتکاف درست نہیں، اِس لئے کہ وہ عارضی جماعت خانہ ہے جبکہ اعتکاف کے شرائط میں مسجدِ شرعی ہونا ضروری ہے، جیسے ارشادِ باری ہے: وَاَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِي الْمَسَاجِدِ۔ (بقرہ:۱۸۷)

هو لبث ذكر في مسجد جماعة هو ما له امام و مؤذن اديت فيه الخمس او لا الخ۔ (شامی ۳/۴۲۹ مستفاد: کتاب المسائل ۲/۱۰۷)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۳/ شعبان ۱۴۳۵ھ

زکوۃ کے احکام

پراویڈنٹ فنڈ پر زکوۃ

سوال (۳۱):

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید ایک سرکاری ملازم ہے، حکومت کی جانب سے ماہانہ تنخواہ میں سے ایک مخصوص رقم بطورِ پراویڈنٹ فنڈ وضع کرکے اس کے حساب میں جمع رکھی جاتی ہے، جس میں سے وہ چاہے تو چھ ماہ میں ایک حصہ بطورِ قرض لے سکتا ہے، جو کہ ماہانہ قسط وار ادا کرنا ہوگا، اس طرح سے کئی بار قرضہ لینے سے اب زید پر تیس ہزار روپئے کا قرض اپنے ہی کھاتہ میں جمع کرنا واجب ہے۔

(۱) براہِ مہربانی شرعی روشنی میں بتایئے کیا یہ رقم قرض میں شمار ہوگی؟

(۲) اب زید کے کھاتے میں سولہ ہزار روپئے ہیں، (جو کہ ماہانہ وضع کردہ رقم کو ملا کر ہیں) کیا اس رقم پر زکوۃ واجب ہے؟ اگر اب نہیں تو پھر کب واجب ہے؟

(۳) کیا اس طرح حکومت کی جانب سے وضع کردہ رقم پر خود حکومت کی جانب سے دی جانے والی زائد رقم سود میں شامل ہے؟ کیا اس رقم کو استعمال کرنا جائز ہے؟ اہل وعیال کے لئے وقف کرنا جائز ہے؟ مندرجۂ بالا مسئلوں کا جواب مرحمت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداً ومصلیاً ومسلماً!

(۱) پراویڈنٹ فنڈ کے نام پر حکومت تنخواہ سے جو رقم وضع کرکے ملازم کے

کھاتے میں جمع کرتی ہے، چونکہ اس میں ملازم کا اختیار اور قبضہ نہیں ہوتا اس لئے اس رقم سے جتنا قرضہ لیا گیا ہے وہ رقم قرض میں شمار ہو گی۔

(۲) قبضہ نہ ہونے کی بناء پر اس رقم پر گذشتہ سالوں کی زکوۃ واجب نہیں، جب یہ رقم وصول ہو جائے پھر اس پر ایک سال گذر جائے تب زکوۃ واجب ہو گی۔(۱)

(۳) اسی وجہ سے اس رقم پر جو اضافہ ملتا ہے وہ سود میں شامل نہیں بلکہ حکومت اور کمپنی کی جانب سے ایک انعام ہے، لہذا اس رقم کو استعمال کرنا یا حاصل ہونے کے بعد بیوی بچوں وغیرہ کے لئے وقف کرنا جائز ہے۔(۲)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ
۱۶ر شوال المکرم ۱۴۱۸ھ

الجواب صحیح
سبیل احمد غفرلہ
۱۶ر شوال المکرم ۱۴۱۸ھ

زمین پر زکوۃ کا حکم

سوال (۳۲):

عالی جناب حضرت مفتی صاحب السلام علیکم!

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ

---

(۱) يقر المديون بالدين وبملائته ولا يقدر الدائن على تخليصه منه فهو بمنزلة العدم۔ (شامی ۳/ ۲۹۱)

لا تجب مالم يقبض نصابا ويحول الحول بعد القبض عليه۔ (البحر الرائق ۲/ ۳۶۳)

(۲) كما صح ايضا وقف كل منقول قصدا فيه تعامل للناس كفأس وقدوم بل ودراهم ودنانير وفي الشامية وعند محمد يجوز ما فيه تعامل من المنقولات، واختاره اكثر فقهاء الامصار (باقی اگلے صفحے پر)

(۱) دیگر یہ کہ میرے پاس ایک زمین اور ایک گھر ہے، زمین پندرہ لاکھ کی اور گھر دس لاکھ کا، زمین سے کچھ آمدنی نہیں، گھر کرایہ پر ہے، کیا ان دونوں کی زکوۃ دینا ہے اور کتنا دینا ہے؟

(۲) میرے باپ طبیعت کی مجبوری سے بیکار ہیں، آمدنی کا ذریعہ نہیں ہے، کیا زکوۃ کے روپیوں سے میرے ماں باپ کے گھر کا کرایہ دے سکتی ہوں اور کیا میرے بھائی کی پڑھائی کا خرچ بھی اس روپئے سے ادا کر سکتی ہوں؟ مہربانی فرما کر تفصیل سے جواب دیں، عین نوازش ہوگی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداً ومصلیاً ومسلماً!

(۱) مسئولہ صورت میں اگر زمین فروخت کی نیت سے خریدی گئی ہو تو اس پر زکوۃ ضروری ہے ورنہ نہیں(۱)، اور مکان کے کرایہ پر (بشرطیکہ سال گذرنے پر وہ نصاب کو پہنچ جائے تو) زکوۃ ہے اور زکوۃ واجب ہونے کی صورت میں سال گذرنے پر حاجاتِ اصلیہ سے جو مال زائد ہے اُس کا چالیسواں حصہ زکوۃ میں دینا ضروری ہے۔(۲)

(۲) والدین کے مکان کا کرایہ زکوۃ کی رقم سے ادا کرنا جائز نہیں ہے، البتہ اپنے بھائی کی تعلیم کا خرچ جبکہ وہ محتاج ہو تو اس کو زکوۃ کی رقم دے کر مالک بنادینا جائز ہے

(پچھلے صفحے کا مابقیہ) کمافی الهداية وهو الصحيح كمافى الاسعاف.....لأن القياس قديترك بالتعامل۔

(الدرالمختار مع ردالمحتار ۶/ ۵۵۵)

(۱) الزكوة واجبة فى عروض التجارة كائنة ما كانت اذا بلغت قيمتها نصاباً من الذهب والورق۔

(ہدایہ ۱/ ۱۹۵ وفتاوی ہندیۃ ۱/ ۱۹۷، بیروت)

(۲) وقيمة العرض للتجارة تضم الى الثمنين لان الكل للتجارة وضعا وجعلا۔ (الدر مع الرد ۳/ ۲۳۴)

کہ وہ اس کو اپنی تعلیم پر خرچ کرلے۔(۱)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۲۵/ ذیقعدہ ۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح

سبیل احمد غفرلہ

۲۵/ ذیقعدہ ۱۴۳۰ھ

پراویڈنٹ فنڈ اور اُس کی زکوۃ

سوال (۳۳):

گذارش ہے کہ مندرجۂ ذیل سوالات کا جواب مرحمت فرمائیں۔

(۱) ملازم کی تنخواہ سے ہر ماہ ۱۲٪ فیصد کاٹی جاتی ہے اور اس پر ہر ماہ مالک کی طرف سے ۱۲٪ حساب کر کے برابر رقم جمع ہوتی رہتی ہے۔ پھر ایک سال گذرنے پر جملہ رقم پر ۸ء۵٪ (یعنی ساڑھے آٹھ فیصد) سود کے حساب سے رقم جمع ہوتی ہے، براہِ کرم اس سود کے بارے میں معلوم کرائیے۔

(۲) ملازم کمپنی سے نکلتے وقت اس جملہ رقم کو مع سود کے استعمال کر سکتا ہے یا نہیں اور کس کام میں اس کو استعمال کر سکتا ہے؟ مہربانی فرما کر جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں معلوم کرائیے تو عین نوازش ہو گی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداً و مصلیاً و مسلماً!

مسئولہ صورتوں میں ملازم کی تنخواہ سے جو رقم کاٹی جاتی ہے وہ ملازم کے

---

(۱) لایجوز الزکوۃ الا اذا قبضھا الفقیر او قبضھا من یجوز القبض لہ لو لا یتہ علیہ۔ (المحیط البرہانی ۳/۲۱۴)

اختیار سے نہیں کاٹی جاتی، بلکہ حکومت کے قانون کے تحت ملازموں کی خیر خواہی کے لئے یہ سلسلہ جاری کیا گیا ہے، لہذا جب تک ملازم کا اس پر قبضہ نہ ہو ملازم کی ملکیت نہ ہو گی، اور ملکیت نہ ہونے کی وجہ سے اس پر جو کچھ اضافہ ہو گا وہ بھی سود نہ ہو گا(۱)۔

(۱) ملازم کی ملکیت نہ ہونے کی وجہ سے اضافہ شدہ رقم سود نہیں ہو گی، اس کا استعمال بلا کراہت جائز ہے۔ (مستفاد از فتاوی محمودیہ ج/۱۶ص/۳۹۴)

(۲) جب ملکیت نہ ہونے کی بناء پر سود نہیں تو از روئے شرع اس پر زکوۃ بھی واجب نہیں، اس لئے گذشتہ سالوں کی زکوۃ اس پر واجب نہیں ہو گی، البتہ رقم اپنے قبضہ میں آنے کے بعد اس کا حساب شروع ہو گا، اور نصابِ زکوۃ پورا ہونے پر سال گذرنے کے بعد اس کی زکوۃ نکالی جائے گی (۲)، واضح رہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب کہ ملازم کے اختیار کے بغیر اور اس کے قبضہ میں آنے سے پہلے رقم کاٹی جائے، اور ملازم اپنے اختیار سے جتنی رقم کٹوائے اُس پر اضافہ سود ہے اور اس پر گذشتہ سالوں کی زکوۃ بھی واجب ہو گی۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۲۴/ذی الحجۃ ۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح

سبیل احمد غفرلہ

۲۵/ذی الحجۃ ۱۴۳۰ھ

---

(۱) یقر المدیون بالدین و بملائته و لا یقدر الدائن علی تخلیصه منه فهو بمنزلة العدم۔ (شامی ۲۹۱/۳)

(۲) لا تجب ما لم یقبض نصابا و یحول الحول بعد القبض علیه۔ (البحر الرائق ۳۶۳/۲) و روی ابن سماعة عن ابی یوسف عن ابی حنیفة انه لا زکوة فیه حتی یقبض المأتین و یحول علیه الحول من وقت القبض و هو اصح الروایتین عنه۔ (بدائع الصنائع ۹۰/۲)

شادی میں زکوۃ دینے کا حکم

سوال (۳۴):

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ ایک صاحب اپنی زکوۃ کی رقم کسی غریب بچی کی شادی میں دینا چاہتے ہیں، از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟ جواب دے کر ممنون ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامدا ومصلیا ومسلما!

زکوۃ کی ادائیگی میں تملیک (مالک بنانا) شرط ہے، اور شادی وغیرہ کے مواقع میں تملیک نہیں پائی جاتی، بلکہ کسی ایک جگہ رقم لگادیتے ہیں، جس کی وجہ سے زکوۃ ادا نہیں ہوتی، اور رقمِ زکوۃ ضائع ہوجاتی ہے، اس لئے بہتر صورت یہ ہے کہ اس غریب بچی کو (اگر واقعی مستحقِ زکوۃ ہو) زکوۃ کی رقم دے دی جائے، وہ زکوۃ کی رقم اپنے ہاتھ میں لے کر جب اس کی مالک ہوجائے گی، اب جہاں چاہے اس کا استعمال کرسکتی ہے، اسی طرح لڑکی کے ذمہ داروں میں سے کسی ایک کو (جبکہ وہ مستحقِ زکوۃ ہو) زکوۃ دے سکتے ہیں تاکہ وہ شادی کی ضروریات میں خرچ کرے۔

ھی تملیک جزء من المال معین شرعا من فقیر مسلم غیر ھاشمی الخ۔

(ملتقی الابحر مع مجمع الانہر ۱ر ۲۸۴)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۲۱ر شوال المکرم ۱۴۲۱ھ

داماد کو زکوۃ دینا جائز ہے

سوال(۳۵):

جناب مفتی صلاح الدین صاحب!   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سوال ا: میرا داماد کماتا نہیں ہے، ۵؍سال سے بیکار ہے، کیا اس کو میری زکوۃ دینا جائز ہے؟ نیز داماد وہ روپیہ لے کر اپنے بال بچوں یعنی میری بیٹی اور بچوں پر خرچ کر سکتا ہے یا نہیں؟

سوال ۲: جس کے پاس ۵۰۰۰۰/=روپئے سے ۷۵۰۰۰/=روپئے نقد یا سونا چاندی یا تجارت کا مال ہو، کیا اس کو زکوۃ دینا جائز ہے؟

سوال ۳: میرے فرزند کو دو لاکھ روپئے اس کے کاروبار کے لئے قرض کے طور پر دیا ہوں، اس نے ایک پائی بھی مجھے نفع میں نہیں دیا، اگر میں اسے یہ کہوں کہ میری طرف سے ۵۰۰۰/=روپیے زکوۃ ادا کرو تو کیا میری زکوۃ ادا ہو جائے گی؟ کیونکہ اُس روپیہ سے مجھے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامدا ومصلیا ومسلما!

(ا)صورتِ مسئولہ میں داماد کو زکوۃ دینا جائز ہے جبکہ وہ محتاجِ زکوۃ ہو، داماد جب زکوۃ کا مالک ہو جائے گا تو اُسے شرعاً یہ حق حاصل ہو گا کہ وہ جہاں چاہے خرچ کرے یعنی اپنی بیوی بچوں پر یا کہیں اور(ا)۔ (مستفاد از فتاوی رحیمیہ ج؍۵ص؍۱۶۰)

(ا)ومنها الفقير : وهو من له ادنى شئ وهو ما دون النصاب او قدر نصاب وهو غير نام۔(الفتاوی الہندیۃ ج؍اص؍۲۰۶)ولا الى من بينهما ولاد قيد بالولاد لجوازه لبقية الاقارب ....بل هم اولى لانه صلة و صدقة۔ (شامی۳؍۲۹۳)

(۲) جس شخص کے پاس ۵۰۰۰۰/= سے ۷۵۰۰۰/= نقد روپیہ ہو یا زیورات ہوں اُس کو زکوۃ دینا شرعاًناجائز ہے کیونکہ وہ خود ہی صاحبِ نصاب ہے، زکوۃ دینے کا ذمہ دار ہے(۱)۔

(۳) قرض اور چیز ہے زکوۃ اور چیز ہے، یہ کوئی ضروری نہیں کہ قرضدار آپ کی طرف سے زکوۃ ادا کرے، چاہے قرضدار بیٹا ہی کیوں نہ ہو، ہاں یہ اور بات ہے کہ آپ کی درخواست پر وہ وکیل ہو کر زکوۃ ادا کر دے تو زکوۃ ادا ہو جائے گی اور اتنی رقم اصل یا نفع میں سے وضع ہو جائے گی(۲)۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۳۰/ جمادی الآخر ۱۴۲۲ھ

الجواب صحیح

سبیل احمد غفرلہ

۳۰/ جمادی الآخر ۱۴۲۲ھ

سادات کو زکوۃ دینا جائز نہیں

سوال (۳۶):

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اور مفتیانِ دین اس مسئلہ میں کہ میں سید ہوں، خاندان سیدوں کا ہے، حق داروں کا حق ادا کرنے کی غرض سے ہمارے خاندان کے

---

(۱) ولا یجوز دفع الزکوۃ الی من یملک نصابا ای مال کان۔ (الفتاوی الہندیۃ ج/ا ص/۲۰۸)

(۲) رجل ادی زکوۃ غیرہ عن مال ذلک الغیر فاجازہ المالک فان کان المال قائما فی ید الفقیر جاز۔

(الفتاوی الہندیۃ ج/ا ص/۱۸۸)

مفلس وغریب اور حاجت مند افراد کو زکوۃ کی رقم دینا جائز ہے یا نہیں؟ براہِ کرم شرعی اعتبار سے اس مسئلہ کا حل فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

زکوۃ کی رقم غریب و مسکین سادات کو دینا ناجائز ہے، خواہ وہ اپنے رشتہ دار ہوں یا نہ ہوں، البتہ عطیات کی رقم دینا زیادہ اجر وثواب کا باعث ہے۔ **ولا الی بنی هاشم ...ثم ظاهر المذهب اطلاق المنع وقول العینی والهاشمی یجوز له دفع زکاته لمثله صوابه لا یجوز. نهر** (الدر المختار مع رد المحتار ۲۹۹/۳)

فقط واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح	الجواب صحیح	کتبہ العبد محمد مصباح اللہ عفا اللہ عنہ
محمد صلاح الدین عفی عنہ	سید ولی اللہ غفرلہ	۱۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
۱۴/۶/۱۴۳۵ھ	۱۴/۶/۱۴۳۵ھ	

خود زکوۃ کی رقم حاصل کر کے سید کو دینا

سوال (۳۷):

محترم حضرت مفتی صاحب السلام علیکم!

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ زید سادات میں سے ہے، مگر وہ معاشی حالات کے ٹھیک نہ ہونے کی بنا پر پریشان و مجبور ہے، خالد جو کہ زید کا دوست ہے اور زید کے معاشی حالات سے واقف ہے وہ اس کی مدد کرنا چاہتا ہے مگر خود اُس کے پاس اتنے اسباب نہیں ہیں کہ وہ اپنے دوست زید کی مدد

کر سکے، (نیز خالد صاحبِ نصاب بھی نہیں ہے) اس لئے خالد یہ چاہتا ہے کہ عمران سے جو کہ صاحبِ نصاب ہے اور مالدار ہے اس کے زکوۃ کے پیسوں کو لے کر زید کی مدد کرے، تو کیا خالد زکوۃ کے پیسے کو اپنی خوشی سے لے کر اپنے دوست زید کی اس طرح مدد کر سکتا ہے؟ اور زید اس پیسے کو اپنے استعمال میں لا سکتا ہے؟ شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر عند اللہ مأجور ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداً ومصلیاً ومسلماً!

بر تقدیرِ صحتِ واقعہ صورتِ مسئولہ میں خالد کا یہ عمل اس شرط کے ساتھ درست ہے کہ وہ کسی دباؤ کے بغیر اپنی خوش دلی سے زکوۃ حاصل کر کے زید کو اس کا مالک بنا دے، تو زید کے لئے تملیک کے بعد اس رقم کا استعمال بالکل درست ہے(۱)۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۴/ ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ

عُشری اور غیر عُشری زمین پر زکوۃ

سوال (۳۸):

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

---

(۱) والحیلة لمن أراد ذلک ان یتصدق ینوی الزکوة علی فقیر ثم یامر بعد ذلک بالصرف الی هذه الوجوه فیکون لصاحب المال ثواب الصدقة ولذلک الفقیر ثواب هذا الصرف۔

(فتاویٰ تاتارخانیہ ۲۰۸/۳ زکریا)

میرا آم اور املی کا باغ ہے، جو بارش کے پانی سے سیراب ہوا کرتا ہے، دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ مذکورہ باغ کی فصل میں ہمیں کس قدر زکوۃ نکالنا ہے؟ جواب عنایت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامدا ومصلیا ومسلما!

صورتِ مسئولہ میں پیداوار کا دسواں حصہ نکالنا ضروری ہے، عربی میں اس کو عُشر کہتے ہیں، قیمت وغیرہ کا اعتبار نہیں، بلکہ جب بھی پیداوار جتنی بھی ہو اس کا دسواں حصہ نکالنا ہی اس کی زکوۃ ہے، اور غرباء جو مستحق زکوۃ ہیں ان کو دینا ہے(۱)، واضح رہے کہ اگر بارش کے علاوہ محنت کر کے کنوئیں وغیرہ سے پانی دیا جائے تو اس میں بیسواں حصہ نکالنا ہے۔ (مستفاد از فتاویٰ محمودیہ ۳/۴۴، ۵۴ قدیمی)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ — الجواب صحیح

۲۴/ محرم الحرام ۱۴۲۶ھ — احمد سعید عفی عنہ

نوٹ: دسواں حصہ پیداوار میں اسی وقت ضروری ہے جبکہ زمین شروع سے مسلمانوں کے ہاتھ چلی آرہی ہو، اگر درمیان میں غیر مسلم کے ہاتھ فروخت ہو چکی ہو اور اس کا علم ہو تو دسواں حصہ (نکالنا) ضروری نہیں۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ — الجواب صحیح

۱۰/ صفر ۱۴۲۶ھ — العبد محمد اجتباء الحق عفی عنہ

---

(۱) ان الارض اما عشریۃ او خراجیۃ او تضعیفیۃ والمشترون مسلم وذمی وتغلبی فالمسلم اذا اشتری العشریۃ أو الخراجیۃ بقیت علی حالھما أو التضعیفیۃ فکذلک عندھما۔ (ردِ محتار ۳/۲۷۰)

حج کے احکام

نند کی اولاد کے ساتھ حج کے لئے جانا جائز نہیں ہے

سوال (۳۹):

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ اس سال مجھے حج کرنے کا ارادہ ہے، میرے شوہر انتقال کر گئے ہیں، میرے شوہر کی بہن کے لڑکے اور لڑکی حج کے لئے جا رہے ہیں، کیا میں اُن کے ساتھ یعنی نند کے لڑکے کے ساتھ جا سکتی ہوں؟ آپ سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ اس کا جواب مرحمت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامدا ومصلیا ومسلما!

صورتِ مسئولہ میں شوہر کی بہن کے لڑکے کے ساتھ حج کرنا از روئے شرع ناجائز ہے، خواہ اُس کے ساتھ اُس کی بہن ہو یا نہ ہو، لہٰذا اپنے بھائی یا فرزند وغیرہ محرم کے ساتھ حج میں جائیں، چاہے اس کی وجہ سے تاخیر ہو جائے۔ **ویعتبر فی المرأۃ ان یکون لها محرم تحج معه او زوج ولا یجوز لها ان تحج بغیرهما اذا کان بینهما وبین مکة ثلثة ایام لقوله علیه السلام لا تحجن امرأۃ الا ومعها محرم۔** (کذا فی الهدایة ۱/۲۳۳)

فقط واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح	الجواب صحیح	حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ
سبیل احمد غفرلہ	العبد اجتباء الحق	۲۰/ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ
۲۱/ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ	۲۱/ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ	

سوتیلے بیٹے کے ساتھ حج کرنا

سوال (۴۰):

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ عظام اس مسئلہ میں کہ میں اپنے شوہر کی پہلی بیوی کے بیٹے (سوتیلے بیٹے) کے ساتھ حج کرنا چاہتی ہوں، شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں تو عین نوازش ہوگی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامدا ومصلیا ومسلما !

صورتِ مسئولہ میں اپنے شوہر کی پہلی بیوی کے بیٹے (یعنی سوتن کے بیٹے) کے ساتھ حج کرنا شرعاً جائز ہے۔ ولا بامرأة ابيه واجداده لقوله تعالىٰ ولا تنكحوا ما نكح أباؤكم۔ (ہدایہ ۲/۳۰۸) ولها ان تخرج مع كل محرم۔ (ہدایہ ۱/۲۳۳)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ
۱۴/رجب المرجب ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح
العبد سبیل احمد غفرلہ
۱۴/رجب المرجب ۱۴۲۷ھ

بہن کے سوتیلے بیٹے کے ساتھ حج کے لئے جانا

سوال (۴۱):

بخدمت حضرت مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ میں اس سال حج کرنا چاہتی ہوں، شوہر کا انتقال ہو چکا ہے اور میں میری بہنوئی کی پہلی بیوی کے بیٹے

کے ساتھ جانا چاہتی ہوں، امید کہ شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں گے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

صورتِ مسئولہ میں بہنوئی کی پہلی بیوی (یعنی اپنی بہن کی سوتن) کے بیٹے کے ساتھ حج کرنا ازروئے شرع جائز نہیں ہے۔ **ویعتبر فی المرأۃ ان یکون لھا محرم تحج بہ او زوج ولا یجوز لھا ان تحج بغیر ھما۔** (ہدایہ ۱/۲۳۳)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۱۴/رجب المرجب ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح

العبد سبیل احمد غفرلہ

۱۴/رجب المرجب ۱۴۲۷ھ

دورانِ حج اگر حیض آجائے

سوال (۴۲):

بخدمت حضرت مفتی صاحب   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین کہ زید اور اُس کی بیوی اس سال حج کو جارہے ہیں، ذیل کے سوالات کے بارے میں شرعی حکم مطلوب ہے:

(۱) حالتِ حیض میں مسجدِ حرام میں داخل ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

(۲) منی، عرفات، مزدلفہ میں حیض کی حالت پیش آئے تو کیا کرنا چاہئے؟

(۳) حالتِ حیض میں حج کے ارکان کی ادائیگی کی کیا صورت ہے؟

(۴) بالخصوص منی اور عرفات میں ایسی صورت پیش آجائے تو کیا کرے؟

(۵) حالتِ حیض میں طوافِ وداع اور طوافِ زیارت کیسے کریں؟

(٦) کیا طوافِ وداع اور طوافِ زیارت حج کے دنوں سے پہلے کر سکتے ہیں؟

(۷) حج کے دن ختم ہو گئے، لیکن نکلنے کے وقت ایسی صورت (حیض) پیش آجائے تو کیا کرے؟

(۸) ایامِ قربانی میں سنتِ ابراہیمی کی جو قربانی ہوتی ہے، کیا یہ قربانی صدقہ یا واجب قربانی کی نعم البدل ہو سکتی ہے؟

(۹) حجاج جو حج میں قربانی کرتے ہیں کیا ان پر عیدِ اضحیٰ کی قربانی بھی ضروری ہے؟

(۱۰) حج بدل کرنے والا قربانی اپنی طرف سے کرے یا بھیجنے والے کی طرف سے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب و باللہ التوفیق! حامداً و مصلیاً و مسلماً!

مذکورہ صورتوں کا شرعی جواب بالترتیب ملاحظہ کریں:

(۱ تا ۷) حالتِ حیض میں مسجدِ حرام میں نماز اور طواف وغیرہ کسی بھی عبادت کے لئے داخل ہونا جائز نہیں۔(۱)

عورت حالتِ حیض میں حج کے تمام ارکان (احرام، منیٰ کا قیام، رمیٔ جمرات، مزدلفہ اور عرفات کا وقوف، صفا و مروہ کی سعی، حلق، قصر اور قربانی غرض) طوافِ بیت اللہ کے علاوہ ادا کر سکتی ہے۔(۲)

---

(۱) و منها: انه يحرم عليهما وعلى الجنب الدخول فى المسجد و منها حرمة الطواف لهما بالبيت وان طافتا خارج المسجد۔ (الفتاوى الهندية ج/۱ ص/۴۳)

(۲) و حيضها لا يمنع نسكا الا الطواف و لا شئ عليها بتاخيره اذا لم تطهر الا بعد ايام النحر۔ (الدر مع الرد ۵۵۲/۳) فلو حاضت قبل الاحرام اغتسلت و احرمت و شهدت جميع المناسك (باقی اگلے صفحے پر)

حالتِ حیض میں طوافِ قدوم اور طوافِ وداع معاف اور ساقط ہو جاتے ہیں(۱)، البتہ طوافِ زیارت کے لئے حیض سے پاک ہونے کا انتظار کرے گی ،حج کے ایام گذرنے کے بعد بھی طوافِ زیارت کر سکتی ہے ، تاخیر کی وجہ سے کوئی دم لازم نہیں ہوتا، البتہ واپسی کا وقت قریب آجائے اور حالتِ حیض باقی رہے تو حیض کو روکنے والی دوائیں استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

(۸) عید الاضحیٰ کی قربانی کسی اور قربانی کا بدل نہیں ہو سکتی۔

(۹) حج کرنے والا چونکہ اکثر سفر کی حالت میں ہوتا ہے اس لئے اس پر عید الاضحیٰ کی قربانی واجب نہیں، عید الاضحیٰ کی قربانی صرف اسی صورت میں واجب ہوگی جب کہ حج میں جانے کے بعد کسی ایک جگہ پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت ہو اور ضروریاتِ سفر پر خرچ کے بعد بقدرِ نصاب رقم ہو۔(۲)(اور عید کی قربانی حدودِ حرم یا وطن میں دی جاسکتی ہے مگر حج کی قربانی حدودِ حرم ہی میں ضروری ہے)

(مستفاد از علم الفقہ ص ر ۵۸۴، وفتاویٰ رحیمیہ ص ر ۵۲)

(۱۰) حج کی تین قسمیں ہیں: (۱) افراد (۲) تمتع (۳) قِران

حجِ تمتع و قران میں ایک ایک قربانی واجب ہے جو بطورِ شکریہ دی جاتی ہے(۳)،

(پچھلے صفحے کا ماںقیہ) الا الطواف و السعی لانه لا یصح بدون الطواف و لا یلزمها دم لترک الصدر و تاخیر الزیارة وقته لعذر الحیض و النفاس۔(غنیۃ الناسک ص ر ۱۲۰ بحوالہ کتاب النوازل ۷ ر ۶۳۱)

(۱) عن عائشة رضی اللہ عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذکر صفية بنت حيي فقيل انها قد حاضت فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لعلها حابستنا فقالوا يا رسول اللہ انها قد افاضت فقال فلا اذن۔(ابو داؤد ۱ ر ۲۷۴)

(۲) منها اليسار ...... و منها الاقامة فلا تجب على المسافر۔(الفتاوی الہندیۃ ۵ ر ۳۶۰)

(۳) يجب الدم على المتمتع شكراً لما انعم الله عليه بتيسير الجمع بين العبادتين۔(الفتاوی الہندیۃ ۱ ر ۲۶۴)

حجِ بدل کرنے والا تمتع یا قِران کی قربانی اپنی طرف سے (یعنی اپنی ذاتی رقم سے) کرے گا نہ کہ بھیجنے والے کی رقم سے (۱)، ہاں اگر بھیجنے والا اجازت دے دے تو اس کی طرف سے یعنی اس کی رقم سے کر سکتا ہے۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ
۱۶/ شوال المکرم ۱۴۲۰ھ

الجواب صحیح
سبیل احمد غفرلہ
۱۶/ شوال المکرم ۱۴۲۰ھ

---

(۱) ودم نسک وھو دم المتعۃ والقران وانہ علی المأمور۔ (فتاویٰ تاتارخانیہ ۶۵۱/۳)

نکاح کے احکام

لازمی رجسٹریشن شریعت کی نظر میں

سوال(۴۳):

بخدمت مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

عرض یہ کہ ہم آپ کو سب سے پہلے اِس بات سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں کہ حکومتِ تامل ناڈو نے سرکاری سطح پر نکاح رجسٹریشن کو لازم قرار دے دیا ہے، رجسٹریشن کے کاغذات اور اس کی تمام شرطیں اس لفافے کے ساتھ ملفوف ہیں، سرسری طور پر ہماری کوتاہ نظروں میں اس کے اندر ایسی باتیں ہیں جو شریعت کے بالکل خلاف ہیں جیسے کہ

(الف) نکاح کرنے والے لڑکے کی عمر ۲۱/ سال سے کم نہ ہونا اور لڑکی کی عمر اٹھارہ سال سے کم نہ ہونا، اگر کم ہو تو وہ نکاح حکومت کے نزدیک قابلِ تسلیم نہیں ہوگا، وہ دونوں میاں بیوی نہیں کہلاسکتے، میاں بیوی کے حقوق آپس میں لازم نہیں ہوں گے۔

(ب) اگر خلع یا طلاق کی نوبت آتی ہے تو رجسٹریشن فارم میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں، شرعاً خلع طلاق ہو بھی جائے تو بھی حکومت کے نزدیک وہ میاں بیوی ہی رہیں گے، جب تک عدالت کا سہارا لے کر نکاح کو ختم نہ کیا جائے اُس کے لئے بہت سی دشواریوں کا سامنا ہوگا۔

(ج) انصاف کا برتاؤ کرنے کی شرط کے ساتھ شریعت نے چار نکاح تک کی جو

اجازت دی ہے وہ اس رجسٹر فارم میں متصور ہی نہیں، اب ہم آپ سے یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ شرعی نقطۂ نظر سے جب کہ ہم ایک جمہوری ملک میں رہتے ہیں (۱) لازمی رجسٹریشن کو قبول کرنا جائز ہے؟ (۲) تنظیمِ مساجد کے ذمہ داروں کا اس قانون کو رُوبہ عمل لانے کے لئے کوشاں ہونا شرعاً کیسا ہے؟ (۳) علماءِ ربانیین اگر حکومت کی اس پالیسی پر سکوت اختیار کرلیں تو کیا شرعی جرم ہوگا؟ (۴) ایسے موقعہ پر علماء وعمائدین کا ہماری اپنی شریعت کے مطابق اصولوں کو حکومت سے منوانا شرعاً کیا درجہ رکھتا ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلماً!

مذکور فی السوال نکاح رجسٹریشن کا قانون اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے، اور مفاسد اور خرابیوں کا مجموعہ ہے، مثلاً نکاح کے لئے ۱۸ اور ۲۱/ سال کی شرط۔ جبکہ حدیث میں ہے کہ جس شخص کو کوئی بچہ پیدا ہو تو اس کو چاہئے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور اس کو ادب سکھلائے، جب وہ بالغ ہو جائے تو اس کا نکاح کر دے، اگر بالغ ہونے کے بعد بھی نکاح نہ کرے اور وہ کوئی گناہ کر بیٹھے تو اس کا گناہ اس کے باپ (اور ماں) پر ہے۔ (مشکوۃ شریف: ۲۷۱)(۱)

(۱) نیز طلاق اور خلع (جو مرد اور عورت کا ضرورتاً شرعی حق ہے) کی صورت میں بھی بہت سی خرابیاں پیدا ہو سکتی ہیں، مثلاً مرد کسی شرعی وجہ سے طلاق دینا چاہے یا عورت خلع لینا چاہے تو ہر ایک کے لئے پریشانی ہے کہ دوسرا قانونی سہارا لے کر ستانا

---

(۱) عن ابی سعیدؓ وابن عباسؓ قالا قال رسول اللہ ﷺ من ولد له ولد فليحسن اسمه وادبه فاذا بلغ فليزوجه فان بلغ ولم يزوجه فاصاب اثما فانما اثمه على ابيه۔ (مشکوۃ: ۲۷۱)

شروع کرے اور شرعی جدائیگی کے باوجود قانون کا سہارا لے کر جدا نہ ہونے دے، اسی طرح مرد کو بشرطِ انصاف چار نکاح تک کی جو اجازت ہے اس پر بھی پابندی ہو سکتی ہے جو سراسر خلافِ شرع اور خلافِ فطرت ہے، لہٰذا مذکورہ مفاسد اور دیگر بہت سی خرابیوں کی وجہ سے :

(الف) لازمی رجسٹریشن کو قبول کرنا جائز نہیں بلکہ مقدور بھر کوشش کر کے ایک منکر کی تردید فرض ہے۔

(ب) مسجدوں کے ذمہ داروں کی اس قانون پر عمل کرانے کی کوشش ناجائز ہے۔

(ج) حکومت کی پالیسی پر علماءِ کرام کی خاموشی مداہنت فی الدین ہے۔

(د) وقت کا اہم فریضہ ہے۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۷رجمادی الاولی ۱۴۳۲ھ

نکاح جائز ہونے کے لئے عورت کا مسلمان ہونا کافی ہے

سوال (۴۴):

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ بندہ ایک مسلمان عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے جو ماضی قریب میں مسلمان ہوئی ہے، لیکن اس کا قیام اپنے گھر ہی پر ہے، جو عیسائی خاندان ہے، اس کے پاس مسلمان ہونے کا سرٹیفکیٹ بھی موجود ہے، لیکن ہماری بستی کی مسجد کے ذمہ دار بندہ کا نکاح منعقد

ہونے سے روک رہے ہیں اور یہ شرط لگارہے ہیں کہ نکاح کے لئے اُس کا اسلامک سنٹر میں پڑھنا ضروری ہے، اس کے بغیر نکاح کی اجازت نہیں ہو سکتی، اس طرح کی شرط لگانا صحیح ہے یا نہیں؟ براہِ کرم شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداً ومصلیاً ومسلماً!

بر تقدیر صحتِ واقعہ صورتِ مسئولہ میں اگر واقعی وہ عورت مسلمان ہوچکی ہے تو شرعاًاس سے نکاح جائز ہے، اِسلامک سنٹر میں پڑھنا کوئی ضروری نہیں۔ لہٰذا مذکورہ شرط غلط ہے، نکاح میں آسانی پیدا کرنا مسلمانوں پر ضروری ہے ورنہ گناہوں کا راستہ آسان ہو جائے گا۔(۱)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۲۷/ شوال المکرم ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح

العبد اجتباء الحق

۲۷/ شوال المکرم ۱۴۲۹ھ

صحتِ نکاح کی اہم شرط

سوال(۴۵):

بخدمت حضرت مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے کہ آپ بعافیت ہوں گے، عرضِ خدمت یہ ہے کہ ایک شادی شدہ شخص نے ایک ہندو عورت سے غلط تعلقات قائم کر لئے، اب ان کی اہلیہ کا مطالبہ ہے

(۱) قال اللہ تعالی: ولاتنکحوا المشرکات حتی یؤمن۔(البقرۃ:۲۲۱)

کہ اس عورت سے چھڑا کر ہمارے ساتھ ہی رہنے کا انتظام کروائیں۔ شخصِ مذکور سے تحقیق کرنے پر اس نے یہ کہا کہ وہ عورت مسلمان ہو چکی ہے، اور شریعت کے مطابق اس سے نکاح ہوا ہے، اِس پر اُس نے سند (Certificate) بھی پیش کی۔

اس صورت میں اس قضیہ کا شریعت کے مطابق کس طرح فیصلہ کیا جائے؟ براہِ مہربانی شرعی حل پیش فرمائیں، عین نوازش ہو گی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداومصلیاومسلما!

صدقِ سوال کی صورت میں اگر شخصِ مذکور کا نکاح ہندو عورت سے اس کے مسلمان ہونے کے بعد دو مسلمان گواہوں کے روبرو ہوا ہے تو شرعاً یہ نکاح درست ہو چکا ہے(۱)، لہٰذا اب نکاح فسخ کرانے کی کوئی شرعی وجہ نہیں ہے، اس لئے جماعت شرعی اعتبار سے نکاح فسخ نہیں کر سکتی، ہاں انتظامی اور معاشرتی اعتبار سے نیز پہلی بیوی اور گھر اُجڑنے کا اندیشہ ہو تو اہلِ جماعت اپنی حکمت و تدبیر سے زوجین کی رضامندی سے طلاق یا خلع کرادیں۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۱۰/ شعبان المعظم ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح

سبیل احمد غفرلہ

۱۰/ شعبان المعظم ۱۴۲۳ھ

---

(۱) وینعقد بایجاب وقبول کلاھما بلفظ الماضی او احدھما۔ (مجمع الانہر ج ۱/ ص ۴۶۸، ۴۶۷) وشرط سماع کل من العاقدین لفظ الآخر وحضور حرین مکلفین مسلمین ان الزوجۃ مسلمۃ سامعین معاً لفظھما..... (مجمع الانہر ۱/ص ۴۷۱)

نومسلم سے نکاح کرنا

سوال(۴۶):

حضرت مفتی صاحب!   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آمبور کے پڑوس گاؤں کا رہنے والا بشپ راج میں اپنے دلی نامہ لکھ رہا ہوں کہ میں خوش دلی سے مسلمان ہوا ہوں، جس کے لئے میرے والدین کی تائید اور محلے کے پنچایت والوں کی تائید بھی ہے اور کسی کی کوئی رکاوٹ و مخالفت بالکل نہیں ہے، اور بندہ پرنامبٹ کے عبد الرزاق صاحب کے سامنے توحید و رسالت کا اقرار کیا ہے، بعدہٗ رفیق ہسپتال آمبور میں سنتِ ابراہیمی سے بھی فارغ ہو چکا ہوں، فی الحال سلطان صاحب کی سرپرستی میں رہ کر رفیق احمد صاحب کی دختر سے عقدِ سعید کا متمنی ہوں، اب بندے کا اسلامی نام محمد عبد اللہ ہے۔ حضرتِ والا سے مستفتی ہوں کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں رفیق احمد صاحب کی دختر سے میرے نکاح کے تعلق سے جواب عنایت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامدا ومصلیا ومسلما!

صورتِ مسئولہ کے سچ اور مطابقِ واقعہ ہونے کی صورت میں تمہارا نکاح مسلمان لڑکی کے ساتھ شرعاً درست ہے، اور بلا کراہت جائز ہے۔ (کذافی کتب الشریعۃ) (۱)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۲۰/ محرم الحرام ۱۴۲۷ھ

---

(۱) ولاتنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا ولعبدمؤمن خیر من مشرک ولو اعجبکم۔ (البقرۃ:۲۲۱)

سعودی مقیم کی ہندوستان میں رہنے والی لڑکی سے شادی

سوال(۴۷):

عرضِ خدمت اقدس یہ ہے کہ ہمارے ایک دوست سعودی عرب میں تقریباً ۲۵/ سال سے ملازمت کر رہے ہیں اور ان کا پہلا نکاح ویلور میں ہوا تھا، تقریباً ۸/ سال پہلے دونوں میں طلاق واقع ہو چکی ہے اور اس کا ریکارڈ ان کے پاس موجود ہے دریافت طلب امر یہ ہے کہ وہ دلشاد بیگم نامی ایک بیوہ سے نکاح کرنا چاہتے ہیں، ان کی اولاد لڑکے اور لڑکیاں سب راضی ہیں، اور ان کے سعودیہ سے واپس آنے کے لئے ایک سال کا عرصہ لگ سکتا ہے، اس لئے وہ کسی کو یہاں اپنا وکیل بنا کر فوری نکاح کرنا چاہتے ہیں، اس مسئلہ میں شریعت کیا کہتی ہے؟ بتا کر عند اللہ ماجور ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلماً!

برتقدیرِ صحتِ واقعہ وصدقِ سوال صورتِ مسئولہ میں بہتر یہ ہے کہ خط کے ذریعہ (جس میں اپنے مقصد کی پوری وضاحت یعنی دلشاد بیگم سے میں نکاح کرنا چاہتا ہوں اور تمہیں اس کا وکیل اور ذمہ دار بناتا ہوں اور دستخط کرکے) کسی کو اپنا وکیل بنادے، پھر وکیل شریعت کے مطابق باقی کارروائی مکمل کرے۔(۱) (مستفاد از فتاوی محمودیہ ۱۱/ ۵۲۹)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۲۳/ جمادی الاخری ۱۴۳۲ھ

---

(۱) ینعقد النکاح بالکتاب کما ینعقد بالخطاب وصورته :ان یکتب الیها یخطبها فاذا بلغها الکتاب احضرت الشهود وقرأته علیهم وقالت زوجت نفسی منه۔(رد المحتار ۷۳/۳)

بیوی کے ہوتے ہوئے دوسری عورت سے نکاح

سوال(۴۸):

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ زید ایک شادی شدہ نوجوان ہے، بیوی گھر میں ہوتے ہوئے ایک کنواری لڑکی سے محبت کرنے لگا، آخر اُس لڑکی کو لے کر فرار ہو گیا، پورے تین دن کے بعد جب دونوں گھر واپس آئے تو لڑکی کے ذمہ داروں نے اس معاملہ کو لے کر اہلِ جماعت سے رجوع کیا، اہلِ جماعت نے معاملہ کی تحقیق کی تو من وعن سچ پایا، دونوں نے اس کی تصدیق بھی کی، اور کہا ہم دونوں ایک دوسرے کو چاہتے ہیں، شادی کرکے زندگی گذارنا چاہتے ہیں، لڑکے کا بیان ہے کہ میں دونوں عورتوں کے حقوق پوری طرح ادا کرنے کے لئے تیار ہوں۔ حل طلب سوال یہ ہے کہ اس معاملہ میں شرعی حل کیا ہے؟ ازروئے شریعت یہ بتائیے کہ ایک طرف زید کی بیوی ہے تو دوسری طرف کنواری لڑکی کا معاملہ ہے، نکاح کا مسئلہ درپیش ہے، مناسب حل تجویز فرمائیے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

صورتِ مسئولہ کے سچ ہونے کی صورت میں اہلِ جماعت کی زیرِ نگرانی فرار شدہ لڑکی سے زید کا دوسرا نکاح کر دیا جائے(۱)، اور تمام لوگوں کے روبرو وعدہ لیا جائے کہ یہ شخص دونوں کے حقوق مکمل ادا کرے گا(۲)، ورنہ جماعت اس کے خلاف سخت کارروائی کرے گی، الگ الگ مکان ہو تو بہتر ورنہ الگ الگ کمرہ بھی کافی ہے، اس فیصلہ

(۱) وصح نکاح حبلی من زنا، لو نکحھا الزانی حل لہ وطیھا اتفاقا۔ (الدر المختار ۱۴۱/۴)

(۲) وممایجب علی الازواج للنساء العدل والتسویۃ بینھن فیمایملکہ۔ (الفتاوی الہندیۃ ۳۴۳/۱)

پر جماعت کے ذمہ داران اور طرفین کے لوگوں کو گواہ بناکر دستخط لے لیا جائے، امید ہے کہ انشاء اللہ اس سے وہ شخص دونوں کے حقوق کی ادائیگی کے ساتھ زندگی بسر کرے گا، دونوں کے حقوق کیا ہوتے ہیں علمائے کرام سے یا بہشتی زیور وغیرہ کتاب سے معلوم کیا جانا مناسب ہے۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۶ / ربیع الاول ۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح

احمد سعید عفی عنہ

۷ / ۳ / ۱۴۲۶ھ

بیوی گم ہو جانے پر دوسری شادی کا حکم

سوال (۴۹):

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ عبد الرشید کی شادی بشریٰ بنت عبد الرحیم صاحب سے ہوکر تقریباً ۲۵ / سال کا عرصہ ہوا، ان سے عبد الرشید کی ۴ / لڑکیاں ہیں، سعودی جانے کی غرض سے پاسپورٹ ویزا بناکر چلی گئی، جاکر ابتدا میں کچھ رقم بھیجی، اس کے بعد سے نہ خط ہے نہ فون ہے نہ رقم ہے، کچھ بھی نہیں۔ اب تقریباً ۵ یا ۶ / سال کا عرصہ ہوا، آج تک نہ داد فریاد ہے نہ خط نہ فون۔ ان کے ماں کے گھر پر پوچھا گیا مگر وہ لوگ بشریٰ کا فون نمبر یا ایڈرس دینے سے انکار کرتے ہیں، اور بشریٰ کا بھائی اپنی بہن کی بچیوں کو اپنے گھر لے گیا، اب حل طلب سوال یہ ہے نہ بچے عبد الرشید کے پاس ہیں، نہ بیوی کا پتہ ہے، کب تک وہ اس طرح کی زندگی گذارے، کیا اب عبد الرشید عقدِ ثانی کر سکتے ہیں یا نہیں؟ مفصل جواب عطا فرمائیے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

اسلام میں بیک وقت بشرطِ عدالت چار نکاح کی اجازت ہے، جیسا کہ قرآنِ مجید میں صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَرُبٰعَ۔ (سورۂ نساء:۳) لہٰذا صورتِ مسئولہ میں بدرجۂ اولیٰ دوسری شادی جائز ہے۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۱۰/ رجب المرجب ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح

سبیل احمد غفرلہ

۱۰/ رجب المرجب ۱۴۲۷ھ

رضاعی بہن کی بہن سے نکاح جائز ہے

سوال (۵۰):

جناب مفتی صاحب السلام علیکم!

درجِ ذیل مسئلہ کا شریعت کی روشنی میں حل معلوم کرائیں، ہونے والے دولہا و دولہن کے باپ دونوں بھائی بھائی ہیں، دلہا دلہن کی مائیں دونوں بہنیں ہیں، دلہن کی بڑی بہن شاہدہ نے دلہا کی ماں کا دودھ پیا ہے، ایسی صورت میں کیا دلہا محمد غوث کا دلہن سلطانہ (جو دلہا کی رضاعی بہن شاہدہ کی بہن ہے) سے شرعاً نکاح ہو سکتا ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

صدقِ سوال کی صورت میں دودھ شریک بہن کی بہن سے محمد غوث کا نکاح

درست ہے جبکہ دودھ شریک بہن کی بہن نے محمد غوث کی والدہ کا دودھ نہ پیا ہو۔
وتحل اخت الاخ لها رضاعاً ونسبا۔ (مجمع الأنہر ۱/ ۵۵۴ وفتاوی محمودیہ ۳/ ۲۲۴ قدیمی)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ
۲۵/ صفر المظفر ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح
سبیل احمد غفرلہ
۲۵/ صفر المظفر ۱۴۲۳ھ

ناجائز تعلقات کے بعد نکاح کرادینا بہتر ہے

سوال (۵۱):

بخدمت حضرت مفتی صاحب مدظلہ السلام علیکم!

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ لڑکا بنام شفیق احمد اور لڑکی بنام ریحانہ بانو دونوں ایک کمپنی میں کام کرتے ہیں، تقریباً ۳/ ماہ سے ان کے درمیان دوستی قائم ہے، اس مدت کے دوران کچھ دن شہر سے باہر لاڈج میں گذار چکے ہیں، تیسری مرتبہ اس پلان کے تحت جاتے ہوئے محلہ والوں نے پکڑ کر جماعت والوں کے حوالے کردیا، لڑکی کا بیان ہے کہ شفیق احمد نے اُس کی عصمت دری بھی کردی ہے، حل طلب سوال یہ ہے کہ ان دونوں کا نکاح کرادینا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ یا اس کی کوئی دوسری صورت شریعت میں مذکور ہو تو معلوم فرمایئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

بصورتِ صحتِ واقعہ شفیق احمد اور ریحانہ بانو کا پہلی فرصت میں نکاح کرادینا چاہئے،

تاکہ آئندہ جائز اور حلال زندگی گذار سکیں اور حرام کاری کا دروازہ بند ہو جائے۔(۱)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۱۳/ شوال المکرم ۱۴۲۷ھ

غلط تعلقات کے باوجود خلع کا مطالبہ

سوال (۵۲):

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی نکاح ہو کر پندرہ دن اپنے شوہر کے ساتھ رہی، پھر ایک کافر کے ساتھ ۶/ ماہ سے غلط تعلقات ہیں، جس سے وہ دوماہ کی حاملہ ہے، اب بھی اُس کا شوہر اس کو علیٰحدہ کرنا نہیں چاہتا ہے، مگر لڑکی خلع چاہتی ہے، شرعاً اس کا حل کیا ہے۔ نیز جس کافر سے تعلقات ہیں، وہ بھی مسلمان ہو کر اُس سے نکاح کرنا چاہتا ہے، شرعی حکم کیا ہے؟ جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

(۱) بصورتِ صحتِ واقعہ مذکورہ مسئلہ میں ناجائز تعلقات سے نفسِ نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑا ہے، نکاح بدستور باقی ہے، البتہ شوہر کے لئے شرعاً خلع منظور کرلینا درست ہے، اس لئے کہ آئندہ بھی بدکاری کا خطرہ ہے جبکہ لڑکی خود بھی خلع کی طلبگار ہے، لہٰذا خلع ہی درست ہے۔

---

(۱) وصح نکاح حبلی من زنا، لو نکحھا الزانی حل لہ وطیھا اتفاقا۔

(الدر المختار ۴/ ۱۴۱ وکذا فی مجمع الأنہر ۱/ ۳۲۹ بیروت)

(۲) یہ صورت مناسب ہے کہ کافر مسلمان ہو جائے ،اور قانونی کارروائی کے ذریعہ اس کو مسلمان بنائیں اور تبلیغی جماعت وغیرہ میں بھیج کر اس کے اسلام کی مضبوطی کی فکر کی جائے تو امید ہے کہ انشاء اللہ وہ پکا مسلمان ہو جائے گا، اب اُس لڑکی سے نکاح درست ہے، بلکہ یہی صورت مناسب ہے، نیز اس لڑکی کی اصلاح کی کوشش بھی ازحد ضروری ہے کہ مدرسۂ نسوان یا نیک مستورات کے یہاں بھیج کر اس کی اصلاح کرادیں تو بہت ممکن ہے کہ نیک خاتون بن جائے گی۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۱۲/ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح

العبد سبیل احمد غفرلہ

۱۲/ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ

دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں جمع کرنا حرام ہے

سوال (۵۴):

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ زید کی شادی حوا ما سے ہو کر تقریباً ۶/سال کا عرصہ ہوا، ان کی ایک چار سالہ لڑکی ہے جو مادر زاد اندھی ہے، اس کے علاوہ اور دو بچے بھی ہیں، اس بچی کی ولادت کے بعد سے حواما مسلسل بیمار ہے، شوہر کی خدمت اور حق زوجیت ادا کرنے سے عاجز ہے، حواما اپنی بیماری اور مجبوریوں کا احساس کرتے ہوئے شوہر کی خدمت اور خوشی کے لئے شوہر کو منا سمجھا کر کہیں دور دراز مقام میں لے جا کر اپنی ہی چھوٹی بہن سے اپنے شوہر کا عقدِ ثانی کر دیا اور گھر لے آئی، جب محلہ والوں کو پتہ چلا تو اہل جماعت سے شکایت کی کہ

زید کے نکاح میں بیک وقت دو سگی اور حقیقی بہنیں ہیں، کیا یہ شرعاً درست ہے؟ حل طلب سوال یہ ہے کہ زید کے نکاح میں دو بہنوں کا بیک وقت ہونا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ اس کے جواز کی کیا صورت ہے؟ کیا دونوں بہنوں کو طلاق دے دینا ہے یا ایک کو طلاق دے کر دوسری کو نکاح میں رکھ سکتا ہے؟ مفصل واضح فرمائیے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداومصلیاومسلما!

بصورتِ صحتِ واقعہ نکاح میں بیک وقت دو بہنوں کو جمع کرنا حرام ہے، اس لئے پہلا نکاح برقرار ہے، اور دوسرا نکاح منعقد ہی نہیں ہوا، بلکہ وہ بدکاری اور زنا ہے، لہٰذا پہلی فرصت میں زید اپنی سالی (بیوی کی چھوٹی بہن) کو اپنے سے جدا اور علیحدہ کردے اور اگر اپنی سالی سے نکاح کرنے کا ارادہ ہے تو پہلے اپنی بیوی کو طلاق دے دے، اس کی مطلقہ بیوی طلاق کی عدت تین حیض یا تین مہینے (حیض نہ آنے کی صورت میں) گذارے گی، عدت گذرنے کے بعد اپنی سالی سے نکاح کرسکتا ہے، واضح رہے کہ صورت مسئولہ میں چونکہ نہایت سخت اور کبیرہ گناہ ہوا ہے، اس لئے شوہر اور اس کی بیوی اوراس کی سالی تینوں پر توبہ و استغفار لازم وضروری ہے۔ **والجمع بین الاختین نکاحا (یحرم) لقولہ تعالیٰ وان تجمعوا بین الاختین ولو فی عدۃ من باین اور رجعی۔** (ملتقی الابحر ۱/۴۷۷)

عشرون موضعا یعتد فیھا الرجل وھی نکاح اخت امراتہ۔ (ردالمحتار ۵/۱۷۸)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۲/ محرم الحرام ۱۴۲۶ھ

دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنا حرام ہے

سوال(۵۴):

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ عبد اللہ کی شادی فاطمہ سے ہوکر تقریباً پندرہ سال ہوئے، ان سے پانچ لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں، اس نے اپنی نسبتی بہن سے تعلق پیدا کرلیا ہے، سننے میں آتا ہے کہ اس نے اس سے شادی بھی کرلی ہے، حل طلب سوال یہ ہے کہ عبد اللہ اپنی بیوی کے ہوتے ہوئے نسبتی بہن کو بھی اپنی بیوی بنانا چاہتا ہے، وہ بھی اُس کے ساتھ نکاح کے لئے تیار ہے، عبد اللہ کی پہلی بیوی بھی راضی ہے، کیا یہ نکاح درست ہوسکتا ہے؟ واضح فرمائیے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامدا ومصلیا ومسلما!

بر تقدیرِ صحتِ واقعہ اسلام میں دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں جمع کرنا حرام اور سخت گناہ ہے، لہٰذا عبد اللہ نے اپنی نسبتی بہن سے جو تعلق جوڑا ہے وہ ناجائز ہے، فاطمہ کے ساتھ اس کا نکاح بدستور باقی ہے، اگر وہ نسبتی بہن سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو اس پر ضروری ہے کہ پہلے فاطمہ کو (طلاق یا خلع کے ذریعہ) اپنی زوجیت سے علیٰحدہ کرے، پھر فاطمہ عدت گذارے گی، فاطمہ کی عدت ختم ہونے کے بعد عبد اللہ اپنی نسبتی بہن سے نکاح کرسکتا ہے۔

عبد اللہ، فاطمہ اور نسبتی بہن سب پر توبہ واستغفار ضروری ہے، فاطمہ کے راضی ہونے سے حرام حلال نہیں ہوسکتا۔ **ولا یجمع بین الاختین نکاحاً ولا بملک یمین لقوله تعالی وان تجمعوا بین الاختین ولقوله علیه السلام من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلا یجمعن ماءہ فی رحم اختین الی قوله واذا طلق امرأته طلاقاً بائناً او**

رجعیاً لم یجز له ان یتزوج باختها حتی تنقضی عدتها۔ (ہدایہ ۳۰۸/۲، ۳۱۰)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ	الجواب صحیح	الجواب صحیح
۲۹/ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ	سید ولی اللہ غفرلہ	محمد مصباح اللہ عفا اللہ عنہ
	۱۴۳۳/۱۲/۲۹ھ	۲۹/ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ

حرمتِ مصاہرت کے غالب گمان پر نکاح جائز نہیں

سوال (۵۵):

بخدمت محترم ومکرم حضرت مفتی صاحب مدظلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی خالہ کے ساتھ سو رہا تھا تو زید کو شک ہو گیا کہ سونے کے وقت زید نے اپنی خالہ کے پستان کو دیکھا یا نہیں دیکھا، نیز زید کو خواہش اور جوش بھی پیدا ہوا تھا یا نہیں، اِس میں بھی شک ہو گیا ہے، اس لئے کہ یہ واقعہ چار یا پانچ سال قبل کا ہے، اب زید کا رشتہ اسی خالہ کی بیٹی سے طے پا کر منگنی بھی ہو چکی ہے، تو از روئے شرع کیا زید کا نکاح خالہ کی بیٹی سے درست ہے؟ چونکہ حرمتِ مصاہرت میں شک ہے، جوش پیدا ہونے کے متعلق بھی شک ہے، اس لئے حال عرض کر دیا ہوں آپ حل فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداً ومصلیاً ومسلماً!

صورتِ مسئولہ میں محض وہم وگمان کی بنیاد پر حرمت ثابت نہیں ہو گی،

لہٰذا خالہ کی لڑکی سے نکاح جائز ہے، ہاں اگر گمان غالب ہو تو پھر جائز نہیں۔

(مستفاد از فتاوی دار العلوم ج/۷ ص/۳۲۹)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۱۰/ شعبان المعظم ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح

سبیل احمد غفرلہ

۱۰/ شعبان المعظم ۱۴۲۳ھ

مہر کی اہمیت اور ایک غلط فہمی کا ازالہ

سوال (۵۶):

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ ایک مجلسِ نکاح میں امامِ مسجد نے ایجاب و قبول کرایا، بعدِ خطبہ و دعاءِ مسنون کے اسی مجلس میں تمام حاضرین کے سامنے نقد مہر ادا کرنے کی پر زور تائید کرتے ہوئے کہا کہ نقد مہر ادا کرنا ہی افضل اور بہتر ہے، جو مہر ادا نہیں کرتا وہ گویا اپنی بیوی سے زنا کرتا ہے، بغیر مہر ادا کئے جو بچے پیدا ہوتے ہیں وہ حرام کی اولاد ہیں۔ غور طلب بات یہ ہے کہ اس مہنگائی اور گرانی کے زمانہ میں ہر کوئی نقد مہر ادا نہیں کر سکتا، اور جو نادار اور مفلس ہیں وہ نقد مہر ادا کرنے سے عاجز ہیں، حل طلب سوال یہ ہے کہ مہر کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ امام صاحب کا یہ قول شرعاً کہاں تک درست ہے؟ بالتفصیل واضح فرمائیے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامدا ومصلیا ومسلما!

صورتِ مسئولہ میں مہر ایک اہم فریضہ ہے، عورت کا ایک شرعی حق ہے،

قرآنِ مجید میں مہر کی ادائیگی کے بارے میں صاف حکم موجود ہے کہ واٰتُو النِّسَاءَ صَدُقٰتِھِنَّ نِحۡلَۃً۔ (سورۃ النساء) اپنی بیویوں کو ان کا مہر خوشی سے ادا کرو، حدیث میں بھی بڑی تاکید آئی ہے، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اِلْتَمِسْ وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِیْدٍ۔ (بخاری شریف بحوالہ مشکوۃ ص ر ۲۷۷) تلاش کرو اگرچہ لوہے کی انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو، لوہے کی انگوٹھی بہت کم قیمت اور معمولی چیز ہے، مگر اہلِ عرب کی عادت یہ تھی کہ شبِ زفاف سے پہلے وہ کچھ نہ کچھ ضرور دیتے تھے، اسی بناء پر حدیثِ شریف میں اس کا ذکر کیا گیا۔ وذلک لان العادۃ عندھم تعجیل بعض المھر قبل الدخول۔

(رد المحتار مع الدر المختار ۴ر ۲۳۱)

سائل اور امام صاحب دونوں کی بات میں افراط و تفریط ہے، یعنی ایک طرف حد سے زیادہ غلو ہے تو دوسری طرف بڑی کوتاہی۔ امام صاحب کا یہ قول سو فیصد صحیح ہے کہ مہرِ معجّل ہی افضل ہے، اور افضل ہونے میں کوئی شک نہیں، لیکن زنا اور اولادِ حرام کہنا غلط ہے، جہاں مہر متعین کیا جاتا ہے (جیسا کہ ننانوے فیصد یہی طریقہ ہے) اور ادا نہیں کیا جاتا ہے تو مہر ادا نہ کرنے والا کل قیامت میں بیوی کے قرضداروں میں شامل ہوگا۔ الغرض مہر ادا نہ کرنا بہت بڑی اور سنگین غلطی ہے، لوگوں کو ترغیب و تاکید کرتے رہنا چاہئے کہ مہر کی شریعتِ اسلامیہ میں بڑی اہمیت ہے۔

سائل کی مہنگائی اور گرانی کی بات بھی غلط ہے، اس لئے کہ نکاح کے نام پر طرفین ہزاروں، لاکھوں بلکہ کروڑوں خرچ کرتے ہوئے بھی نہیں تھکتے، اور مہر کی

---

(۱) اخرج الطبرانی بسند رواتہ ثقات انہ ﷺ قال ایما رجل تزوج علی ما قل من المھر او اکثر ولیس فی نفسہ ان یؤدی الیھا حقھا خدعھا فمات ولم یؤد الیھا حقھا لقی اللہ یوم القیامۃ وھو زان۔

(الزواجر عن اقتراف الکبائر، باب الصداق: ۲ر ۴۸، ۴۷ دار الفکر بیروت بحوالہ فتاویٰ محمودیہ ۱۲ر ۴۷)

ادائیگی میں ہی ساری مہنگائی یاد آجاتی ہے، جبکہ غور سے دیکھا جائے تو نکاح میں صرف اور صرف مہر ہی ایسا ہے جو فرض اور واجب ہے، باقی کوئی چیز ضروری نہیں بلکہ بہت سی رسمیں تو ناجائز ہیں، اگر بالفرض گرانی و مہنگائی تسلیم کرلی جائے تو بھی مہر زیادہ مقرر کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ کم سے کم مہر مقرر کیا جاوے جس کی مقدار دس درہم ہے، حضرت عمرؓ نے اپنے خطبہ میں پوری تاکید سے ساتھ یہ ارشاد فرمایا "لوگو! مہر میں غلو مت کرو یعنی زیادہ سے زیادہ مہر مقرر مت کرو"۔ (مشکوۃ شریف ص/۲۷۷)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۶/ربیع الاول ۱۴۲۶ھ

ولیمہ میں لڑکی والوں سے پیسہ لینا بے غیرتی ہے

سوال (۵۷):

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ عبد اللہ بن عبد الرحمن اپنی اہلیہ کو تین طلاق دینے کی وجہ سے مہر، جہیز اور سسرال یعنی لڑکی والوں کی طرف سے دی گئیں تمام چیزوں کو واپس کرنے کے لئے تیار ہیں، مگر لڑکی والوں کے ایک مطالبہ پورا کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں، لڑکی والوں کا مطالبہ یہ ہے کہ نکاح میں خرچ شدہ ایک لاکھ روپیہ بھی نوشاہ ہی کو ادا کرنا ہوگا۔

دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ (۱) کیا نوشاہ پر نکاح میں خرچ شدہ ایک لاکھ روپیہ کی واپسی ضروری ہے؟ (۲) یا صرف نکاح کی دعوت میں نوشاہ کی طرف سے جتنے لوگ شریکِ طعام رہے اتنے لوگوں کے کھانے کی قیمت کی واپسی ضروری ہے؟

(۳)اگر نوشاہ لڑکی والوں سے ولیمہ کا خرچ لیا ہو تو کیا ولیمہ کے واسطے لئے گئے تمام پیسوں کی واپسی بھی طلاق دینے والے نوشاہ پر ضروری ہے؟ براہِ کرم ان سوالات کا تفصیلی جوابات دے کر عند اللہ ماجور رہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

بر تقدیرِ صحتِ واقعہ و صدقِ سوال لڑکی کے ذمہ داروں کا یہ مطالبہ شرعاً غلط ہے، لڑکی کے ذمہ دار نکاح کے موقعہ پر جو خرچ کئے ہیں وہی اس کے ذمہ دار ہیں، شوہر پر اس کی واپسی ضروری نہیں،البتہ اگر ولیمہ کا خرچ لڑکے والوں نے مطالبہ سے لیا ہو تو اس کی واپسی اُن پر ضروری ہے، کیونکہ ولیمہ شوہر کے ذمہ ہے،لڑکی کے ذمہ داروں سے اس کا خرچ لینا بھی بے غیرتی کی بات ہے۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ
۲۴/رجب المرجب ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح
العبد محمد اجتباء الحق غفرلہ
۲۴/رجب المرجب ۱۴۲۸ھ

لڑکی کے لئے الگ گھر کا مطالبہ کرنا

سوال(۵۸):

گرامی قدر حضرت مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

میری بیٹی کا نکاح ۱۲/اکتوبر ۲۰۰۲ء کو فلاں بن فلاں سے ہوا تھا، چند ہی دنوں میں میاں بیوی کے درمیان اختلافات رونما ہوئے، لیکن دونوں میں صلح صفائی کرادی

گئی، اب ایک سال کا بچہ بھی ہے، اور بیوی دوبارہ چھ ماہ کی حاملہ بھی ہے، شوہر اپنے بڑے بھائی کے زیرِ اثر ہونے کی وجہ سے اپنی بیوی کو گالی گلوچ دیتا ہے اور بار بار طلاق دینے کی دھمکی دیتا ہے، نیز دوسری شادی رچانے کی دھمکی دینے پر اتر آیا ہے، ان سب باتوں سے دل شکستہ ہو کر میری لڑکی نے ایک بار زہر کھالینے کی کوشش کی، اور پھر کنوئیں میں گرنے تک تُل گئی، لیکن میرے داماد کا یہ حال ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ صرف میرے بڑے بھائی کی باتوں پر چلنا چاہیئے، ہم نے ان سے کہا کہ ہماری بیٹی کو تمہارے بھائی کے سامنے آنے سے روکنا چاہیئے، جس کا انہوں نے صاف انکار کر دیا، پھر ہم اپنی بیٹی کو اس کے سسرال گھر میں جہاں اس کا جیٹھ بھی رہتا ہے بھیجنے سے انکار کرتے ہوئے کسی الگ گھر میں بھیجنے پر آمادہ ہوئے، لیکن میرے داماد نے اس بات کو قبول نہیں کیا، خود میری بیٹی بھی جہاں اس کا بھائی رہتا ہو وہاں رہنا پسند نہیں کرتی، اس صورت میں شرعی حکم کیا ہے؟ براہِ کرم جواب سے ممنون فرمایئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

اگر بیوی مالدار ہے تو مطالبہ پر اسے الگ مکان دینا واجب ہے، متوسط درجہ کی ہو تو اسی مکان میں ایک مستقل کمرہ کے علاوہ باورچی خانہ، غسل خانہ اور بیت الخلاء مشترک ہوں تو مضائقہ نہیں۔(احسن الفتاویٰ ۵/ ۴۷۶)(۱) لہٰذا آپ کی بیٹی جس نوعیت کی ہے اسی اعتبار سے فیصلہ کرلیں، بہر حال شوہر کے بھائی سے بھی شرعاً پردہ واجب وضروری ہے، اگر بے پردگی کی وجہ سے علیحدہ مکان کا مطالبہ کرتی ہے تو شرعاً اس کی پوری

---

(۱) وکذا تجب لها السکنیٰ فی بیت خال عن اهله واهلها کفاها ،بقدر حالها ای فی الیسار والاعسار فلیس مسکن الاغنیاء کمسکن الفقراء۔(تنویر الابصار مع الدر المختار ۵/ ۳۲۰)

گنجائش اور اجازت ہے، اہلِ جماعت سے مسئلہ حل کر لیں۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۱۸/ ذی الحجۃ ۱۴۲۵ھ

بیوی کا شوہر سے مستقل علیٰحدہ گھر کا مطالبہ

سوال(۵۹):

محترم مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بعد سلامِ مسنون عرض یہ ہے کہ میری شادی کو ایک سال چار ماہ ہوئے ہیں، والد صاحب انتقال کر گئے ،میرے ساتھ ایک بہن اور والدہ محترمہ ہیں،میرے سسرال والے میری بیوی کو اپنے گھر پر رکھ لئے ہیں، شریعت کا کوئی لحاظ نہیں، سسر شراب کے عادی ہیں، میری بہن اور ماں کا حق ضائع ہوتا ہے،اس لئے میں وہاں نہیں جاتا،بیوی کو میرے ساتھ گھر نہیں بھیجتے ہیں،میں پریشان ہوں ،ہماری مسجد کی کمیٹی نے یہ کہا تھا کہ دونوں فریق یہاں آجائیں،دونوں کی گفتگو سن کر فیصلہ کر دیا جائے گا، مگر وقت پر وہ لوگ نہ آسکے،میں اور میرے ساتھی کمیٹی کے سامنے کھڑے ہو گئے، اب میں پریشان ہوں، کمیٹی والوں نے کہا وہ حاضر نہیں ہوئے،نہ ہی حاضر ہونے کے چانس ہیں، ایسی حالت میں شریعت کا کیا حکم ہے،یہ ہمیں معلوم نہیں ہے۔اس لئے موجودہ حالات کو مدِ نظر رکھ کر فتوی منگوائے ہیں، پھر ہم لوگ فتوی کے مطابق فیصلہ سنائیں گے،اس لئے صورتِ مسئلہ آپ کے سامنے ہے، فتویٰ دے کر میری الجھن دور فرمائیں، عین کرم ہو گا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق !حامداًومصلیاًومسلماً!

صدقِ سوال کی صورت میں شرعاًشوہر پر بس اتنا ضروری ہے کہ اپنے گھر ہی میں ایک مستقل علیٰحدہ کمرہ میں بیوی کو رکھے، اور بیوی کو(مالدار نہ ہونے کی صورت میں) یہ حق حاصل نہیں کہ وہ شوہر سے مستقل دوسرے گھر کا مطالبہ کرے، کتبِ فقہ میں اس کی صراحت موجود ہے۔ ویکفیھا بیت مفرد من دار اذا کان لہ غلق وفی شرح المختار ولو کان فی الدار بیوت الی قولہٖ لیس لھا ان تطلب بیتا اخر کمافی الفتح۔

(مجمع الانہر ۲/ ۱۸۵،۱۸۶)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۱۹/ شوال ۱۴۲۱ھ

سسرال کے ظلم پر الگ مکان کا مطالبہ

سوال(٦٠):

جناب محترم ومکرم مفتی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک عورت کو اپنے سسرال میں جہیز کی قلت اور دونوں ولادت میں لڑکی ہی کی پیدائش پر تمام سسرال والے (خصوصاًساس اور دیور)نہایت ذلت آمیز ظلم وزیادتی کرتے ہیں اور شوہر کو اس بات پر مجبور کرتے ہیں کہ وہ اپنی بیوی کو خرچ کے لئے کچھ نہ دے، دوسری ولادت کے بعد جب لڑکی پیدا ہوئی تو شوہر اُس کو میکے چھوڑ کر چلا گیا، اب عورت اپنے شوہر سے الگ

مکان طلب کر رہی ہے جب کہ شوہر اس پر قادر بھی ہے، اب مذکورہ بالا صورت میں شوہر پر کیا شرعی حکم عائد ہوتا ہے؟ تفصیل سے وضاحت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداً ومصلیاومسلما!

صدقِ سوال کی صورت میں شرعاً شوہر کے ذمہ اپنے گھر میں ایک مستقل علیٰحدہ کمرہ میں اپنی بیوی کو رکھنا ضروری ہے، مستقل دوسرے گھر میں رکھنا ضروری نہیں اور بیوی کو (مالدار نہ ہونے کی صورت میں) ایک مستقل گھر کا مطالبہ درست نہیں ہے، کتبِ فقہ میں اس کی صراحت ہے۔ ویکفیھا بیت مفرد من دار اذا کان لہ غلق فی شرح المختار ولو کان فی الدار بیوت الی قولہ لیس لھا ان تطلب بیتاً آخر کمافی الفتح۔ (مجمع الانہر ج/۲ص/۱۸۵،۱۸۶)

لیکن صورتِ مسئولہ میں چونکہ مسئلہ نازک ہے، اگر یہی حالت برقرار رہی تو طلاق یا خلع تک بھی نوبت آسکتی ہے، اور شوہر صاحبِ حیثیت بھی ہے، لہٰذا شوہر کو چاہئے کہ وہ مستقل گھر میں اپنی بیوی کو رکھے، دوسری لڑکی کی ولادت پر لڑکے والوں کا یہ رویہ اسلام کے خلاف ہے، لڑکی ایک نعمت ہے، اس کو مصیبت سمجھنا سراسر نادانی اور جہالت ہے، اللہ سے ڈریں، رزق اور شادی کا انتظام کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے، مستقبل کی فکر کرکے زندگی کو تباہ نہ کریں۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ
۲/صفر المظفر ۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح
احمد سعید عفی عنہ
۱۴۲۴/۲/۳ھ

الجواب صحیح
سبیل احمد غفرلہ
۱۴۲۴/۲/۳ھ

اہلِ جماعت کی اجازت کے بغیر شادی کرنا

سوال(۶۱):

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ (۱) ایک گاؤں کے ایک لڑکے کی شادی دوسرے گاؤں کی لڑکی سے ۱۶/۴/۱۹۹۵ء کو وانمباڑی کی ایک مسجد میں ہوئی، اس کے بعد ان دونوں کے یہاں دو بچے پیدا ہوئے، یہ دونوں بچے والدہ کے پاس ہیں، ایک کی عمر ۵/سال اور ایک کی ڈیڑھ سال ہے، پھر لڑکی اپنی میکے چلی گئی اور شوہر کے گھر نہیں آئی اور شوہر بھی بیوی کے پاس نہیں گیا، اب اُس کا شوہر دوسری شادی کر لینا چاہتا ہے، اس لئے وہ جماعت کی طرف سے شادی کا اجازت نامہ طلب کرتا ہے، جبکہ ان کے درمیان ایک بار بھی صلح صفائی کی کوئی کوشش نہیں کی گئی، تو کیا اُن کو شادی کا اجازت نامہ دے سکتے ہیں؟

(۲) لڑکی کی طرف سے اجازت نامہ کے لئے کوئی اجازت موصول نہیں ہوئی، اس صورت میں کیا جماعت دوسری شادی کی اجازت دے سکتی ہے؟

(۳) کیا جماعت کا اجازت نامہ حاصل کئے بغیر دوسرا نکاح کر سکتے ہیں؟

براہِ مہربانی ان سوالات کے جوابات معلوم کرائیں، عین نوازش ہوگی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

(۱) بصورتِ صدقِ سوال دوسرا نکاح کرنے کے لئے جہاں تک شریعت کی اجازت کا معاملہ ہے وہ بیوی کی اجازت ورضامندی پر موقوف نہیں ہے، اگر مرد اپنی بیوی کی اجازت کے بغیر دوسری شادی کرنا چاہتا ہے تو کر سکتا ہے، جیسا کہ کتبِ فقہ میں بصراحت موجود ہے۔ **واربع فقط للحر فقال فی شرحہ وصح نکاح اربع نسوۃ**

فقط للحر لقوله تعالی فانکحوا ماطاب لکم من النساء مثنی وثلاث وربا ع۔

(مجمع الانہر ج۱ ص ۴۸۴)

لیکن عرف وماحول کو سامنے رکھ کر اگر اہلِ جماعت پہلی بیوی سے اجازت نامہ طلب کرتے ہیں تواُنہیں اُس کا حق ہے تاکہ آئندہ کوئی اختلاف و جھگڑا کی صورت نہ پیدا ہو جائے۔

(۲) اجازت نامہ جماعت اپنی صوابدید پر دے سکتی ہے، یعنی اس شرط کے ساتھ کہ آئندہ پہلی بیوی کی طرف سے جھگڑے کا کوئی اندیشہ نہ ہو اور وہ شخص دونوں بیویوں کے حقوق ادا کرنے پر مکمل قادر ہو تو اجازت نامہ دیا جاسکتا ہے۔

(۳) اجازت نامہ کے بغیر دو مسلمان گواہوں کے سامنے کوئی دوسرا نکاح کرے تو بھی نکاح ہو جائے گا، لیکن اس طرح کرنے سے جماعت کا وقار مجروح اور اہلِ جماعت کی ناقدری ہوتی ہے، اس لئے اس کی اجازت نہ دی جائے، اور جو شخص اس طرح کرے تو انتظامی نظم ونسق باقی رکھنے کے لئے اُس پر کوئی کارروائی کی جائے۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ
۸ر رجب المرجب ۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح
احمد سعید عفی عنہ
۸ر رجب المرجب ۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح
سبیل احمد غفرلہ
۸ر رجب المرجب ۱۴۲۴ھ

طلاق کے احکام

طلاق دینے کا طریقہ اور اس سے متعلقہ مسائل

سوال(٦٢):

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ میری بیٹی فاطمہ کا نکاح ۲۳/۰۲/۲۰۰۳ء جامع مسجد آمبور میں محمد زید کے ساتھ ہوا، اس نکاح سے میری بیٹی کو ایک لڑکی پیدا ہوئی، جو۳/ سال کی ہے، پھر سے وہ ۹/ ماہ کی حاملہ ہے،۸/ ماہ سے محمد زید ہمارے گھر نہیں آرہاہے، اور کوئی تعلق بھی نہیں ہے۔

۱۲/ ۱۲/ ۲۰۰۵ء کو مرکز شرعی دار القضاء ویلور سے ہمیں مدعو کیا گیا، ہم نے حاضری دی، دولہا والے نہیں آئے، ہم نے اپنے شہر کی جماعت میں اس قضیے کو حل کرنے کی تجویز وہاں رکھی، مگر دارالقضاء والوں نے ہمیں بلائے بغیر ہی میری بیٹی کی بذریعہ طلاق تفریق کروادی، جس کی اطلاع آمبور پولیس اسٹیشن سے ہمیں موصول ہوئی، محمد زید نے میری بیٹی کو بتاریخ ۱۳/ ۰۵/ ۲۰۰۶ء طلاق دی ہے، مہر اور نان ونفقہ کی کل رقم دار القضاء میں جمع ہے، مندرجۂ ذیل سوالات کے جوابات شریعتِ مطہرہ کے مطابق مطلوب ہیں۔

(۱) کیا۹/ ماہ کی حاملہ عورت کو طلاق دینا جائز ہے؟

(۲) شریعتِ مطہرہ میں طلاق دینے کا طریقہ کیا ہے؟

(۳) تین طلاقوں میں ہر دو طلاق کے درمیان کی مدت کتنی ہونی چاہئے؟

(۴) دونوں فریقین کو روبرو بلاکر تحقیق کئے بغیر صرف ایک طرف کی بات

پر یہ فیصلہ کیا گیا ہے؟ کیا یہ شرعی طور پر صحیح ہے؟

(۵) اب جو تین سال کی لڑکی ہے اور جو پیدا ہونے والا ہے، اُن دونوں کے نان ونفقہ کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے؟

(۶) نکاح کے موقع پر ۱۰،۰۰۰ جوڑے کی رقم اور لڑکی پیدا ہونے پر ۱۵،۰۰۰ کی رقم جبراً لی گئی، اور نکاح میں میری لڑکی کو ۱۲۰/ اشرفی اور نواسی کو تین اشرفی کے زیورات دئے گئے، اس کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

(۷) پہلی بیوی کی اجازت کے بغیر دوسرا نکاح کرنا درست ہے یا نہیں؟

(۸) طلاق دی گئی ہے، اِس کا کوئی ثبوت ہمارے پاس نہیں ہے، صرف پولیس والوں کی اطلاع پر ہم کیسے بھروسہ کریں؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

بصورتِ صحتِ واقعہ وصدقِ سوال ترتیب وار جوابات مندرجۂ ذیل ہیں۔

(۱) نوماہ کی حاملہ کو بھی طلاق دینا جائز ہے، مگر سخت گناہ ہے، کیونکہ اللہ کے نزدیک طلاق ناپسندیدہ عمل ہے۔

(۲)۔(۳) طلاق دینے کا مسنون اور شرعی طریقہ یہ ہے کہ پاکی کی حالت میں صرف ایک طلاق دے کر چھوڑ دے، عورت عدت گذارے گی، تین ماہواری پر عدت پوری ہو جاتی ہے(۱)، اس درمیان اگر شوہر اپنی بیوی کو پھر سے رکھ لے اور رجوع کرلے تو دونوں کو مل جل کر زندگی گذارنا جائز بلکہ مستحسن ہے، اور اگر رجوع نہ کرے

---

(۱) فالأحسن ان يطلق امرأته واحدة رجعية فی طهر لم يجامعها فيه ثم يتمها حتى تنقضی عدتها۔

(الفتاوی الہندیہ ۱/ ۳۸۲)

تو عدت پوری ہوتے ہی نکاح ٹوٹ جائے گا، اور ایک طلاقِ بائن پڑ جائے گی، اور نکاحِ جدید کے بغیر رجوع نہیں کر سکتا، یہی طریقہ اسلام میں مجبوراً طلاق دینے کا مشروع ہے، اس کے علاوہ بیک وقت تین طلاقیں دینا سخت ناپسندیدہ اور سنگین گناہ ہے(۱)۔

(کذا فی الہدایۃ ۲/۳۵۵)

(۴) یہ طریقہ خلافِ شرع ہے، دار القضاء، جماعت اور پنچایت کی ذمہ داری ہے کہ طرفین کو بلا کر ان کی شکایت سنے، فہمائش کرے اور حتی الامکان ملا کر رکھنے کی کوشش کرے اور ایک مرتبہ بلانے پر نہ آئیں تو بار بار کوشش کی جائے۔

(۵) لڑکی اور انشاء اللہ جو بچہ پیدا ہونے والا ہے، دونوں کا نان و نفقہ مکمل باپ کے ذمہ ہے یعنی بچوں کی پرورش کا پورا ذمہ باپ پر ہے(۲)۔

(۶) جوڑے کی رقم لڑکی کے گھر والوں کی طرف سے لڑکے کو دی گئی، اگر مطالبہ یا جبر واکراہ اور زبردستی دی گئی ہے تو اس کو واپس کرنا ضروری ہے، کیونکہ کسی مسلمان کا مال دوسرے مسلمان کو اس کی خوش دلی کے بغیر حرام اور ناجائز ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں صاف موجود ہے کہ لَا یَحِلُّ مَالُ امْرِءٍ مُسْلِمٍ اِلَّا بِطِیْبِ نَفْسٍ مِنْهُ۔ (مشکوۃ ص/۲۵۵) اور اگر بلا مطالبہ لڑکی کے گھر والوں نے اپنی طرف سے خالص ہدیہ و تحفہ کے طور پر دی ہے تو اس کو لوٹانا ضروری نہیں ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ اس کو بھی لوٹا دیا جائے کیونکہ تحفہ کے طور پر لینا بھی بے غیرتی ہے، اس لئے کہ نکاح کے

---

(۱) والذی یعود الی العدد ان یطلقها ثلاثا فی طهر واحد بکلمة واحدة او بکلمات متفرقة او یجمع بین التطلیقتین فی طهر واحد بکلمة واحدة او بکلمتین متفرقتین فاذا فعل ذلک وقع الطلاق وکان عاصیا۔

(الفتاوی الہندیہ ۱/۳۸۳)

(۲) ونفقة الطفل الفقیر علی ابیه لا یشارکه فیها احد کنفقة الابوین والزوجة۔ (مجمع الانہر ۲/۱۹۱)

اخراجات شریعت نے مرد کے ذمے رکھے ہیں نہ کہ عورت کے۔(۱)

لڑکی کے لوگ جو زیورات، کپڑے اور سامانِ جہیز وغیرہ دئے ہیں وہ سب لڑکی کے ہوں گے، اگر لڑکے کے پاس ہوں تو واپس کرنا ضروری ہے اور لڑکے کی طرف سے جو زیورات وغیرہ دئے گئے ہیں، اگر تحفۃً ہوں تو لڑکی کے، اگر عاریۃً (چند دن کے لئے) ہوں تو لڑکے کے، اور اگر کسی بات کی وضاحت نہ ہو تو عرف کے اعتبار سے فیصلہ ہوگا، اور چونکہ یہاں کا عرف بطورِ ملکیت مستقل دینے کا ہے، لہذا عورت ہی مالکہ ہوگی۔ (مستفاد از فتاویٰ محمودیہ ۱۲/۱۲۶)(۲) اور جو مال نواسی کو دیا گیا ہے وہ نواسی کا ہے، اُس کے بالغ ہونے تک اس کی حفاظت کی جائے گی۔

(۷) پہلی بیوی کی اجازت کے بغیر دوسری شادی کرنا شرعاً جائز ہے، البتہ اطلاع کر دینا مناسب ہے۔

(۸) اگر لڑکا طلاق دینے کے بارے میں اقرار کرتا ہے تو اس کا اقرار شرعاً معتبر ہے اور طلاق کے لئے عورت کا سامنے ہونا اور سننا ضروری نہیں۔(۳)

(کذا فی کتب الفقہ والفتاویٰ)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۲۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح

سبیل احمد غفرلہ

۲۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ

---

(۱) الرشوۃ لا تملک بالقبض ومن السحت ما یوخذ علی کل مباح۔ (ردِ محتار ۹/۶۰۷)

(۲) قال فی الفتح والذی یجب اعتبارہ فی دیارنا .... ان یرسلہ ھدیۃ۔ (ردِ محتار ۴/۳۰۳)

(۳) ولو اقر بالطلاق کاذبا او ھاذلا وقع قضاء لا دیانۃ۔ (ردِ محتار ۴/۴۴۰)

والدین کی ناراضگی پر فسخِ نکاح

سوال(۶۴۳):

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ ایک عورت کی شادی تقریباً پندرہ سال پہلے ہوئی اور ان سے چار بچے (تین لڑکی اور ایک لڑکا) پیدا ہوئے، چار سال پہلے اُن کے شوہر کا انتقال ہو گیا، انتقال کے چند سال بعد اس عورت اور اس کے پہلے شوہر کے بھانجے کے درمیان غلط تعلق قائم ہو گیا، لڑکے کے اصرار پر ان ہی کی جانب سے بلائے ہوئے ایک مولوی صاحب اور چار گواہوں کی موجودگی میں دونوں کی رضامندی سے ایک گھر میں دونوں کا نکاح ہو گیا، چند دن پہلے جب لڑکے کے گھر والوں کو اس کی خبر ہوئی تو گھر والے بہت ناراض ہوئے اور لڑکے کو نکاح ختم کر دینے اور اُس عورت کو چھوڑ دینے پر مجبور کرتے ہیں، اور گھر والے اس لڑکے کو چھپا کر گھر ہی میں رکھ لئے ہیں۔ حل طلب سوال یہ ہے کہ ان دونوں کا آپس میں رضامندی کے ساتھ نکاح کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح ہے تو گھر والوں کا لڑکے کو نکاح ختم کرنے پر مجبور کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور گھر والوں کا اس نکاح پر راضی ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ براہِ کرم جواب عنایت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامدا ومصلیا ومسلما!

بصورتِ صدقِ سوال وصحتِ واقعہ جب لڑکے نے والدین کی اجازت کے بغیر چند لوگوں کی موجودگی میں جو کہ لڑکی سے بھی واقف تھے عقدِ نکاح کو قبول کیا تو نکاح صحیح اور لازم ہو گیا، محض ماں باپ کی ناراضگی باعثِ تنسیخِ نکاح نہیں ہو سکتی، اب

ماں باپ یا کسی اور کا بے جا طریقہ سے مداخلت کر کے نکاح کو فسخ کرنا صحیح نہیں۔

ینعقد النکاح أی ذلک العقد الخاص ینعقد بالایجاب و القبول حتی یتم حقیقة فی الوجود... عند حرین او حر و حرتین عاقلین بالغین مسلمین و لو فاسقین. الخ۔ (البحر الرائق ۳/۸۱۔۸۷)

فقط واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح	الجواب صحیح	حررہ العبد محمد مصباح اللہ عفا اللہ عنہ
محمد صلاح الدین عفی عنہ	سید ولی اللہ	۲۸/ صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
۲۸/ صفر ۱۴۳۵ھ	۲۸/ ۲/ ۱۴۳۵ھ	

اگر شوہر طلاق کا منکر ہو؟

سوال (۶۴):

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ زینب کا نکاح ایک مرد سے ہو کر تین سال ہو گئے، باہمی اختلاف ہو کر مسجد میں دونوں کا قضیہ پیش ہوا، لڑکی کا دعویٰ ہے کہ میرا شوہر مجھے تین طلاق دے کر نکاح سے علیحدہ کر دیا، شوہر اس بات کا انکار کرتا ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ شریعت میں چونکہ حلال و حرام کے مسائل ہیں اس لئے عورت کی بات کا اعتبار ہو گا یا مرد کی بات کا؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامدا ومصلیا ومسلما!

بر تقدیرِ صحتِ واقعہ و صدقِ سوال اگر لڑکی اپنے دعویٰ پر شرعی شہادت پیش کرتی ہے، تو لڑکی کا دعویٰ معتبر ہے، اور میاں بیوی میں تفریق کر دی جائے گی، اگر

لڑکی کے پاس شرعی شہادت نہیں ہے، اور وہ اپنے دعویٰ میں سچی ہے تو لڑکی پر لازم ہے کہ شوہر کو اپنے اوپر قابو نہ دے، اور شوہر سے خلع حاصل کرلے اور شرعی شہادت یہ ہے کہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہی دیں۔(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۲۹/۴ قدیمی)(۱)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ
۱۴/ شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح
العبد محمد اجتباء الحق غفرلہ
۱۴/ شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ

طلاق کی دھمکی کا شرعی حکم

سوال (٦٥):

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ زید کے مزاج میں غصہ پن، چڑچڑاہٹ زیادہ ہے، چھوٹی چھوٹی باتوں پر جلد غصہ آجاتا ہے، غصہ میں آپے سے باہر ہو کر کیا الفاظ نکلتے ہیں خود اُسے خبر نہیں ہوتی، اپنی اسی فطرت کی بناء پر زید نے غصہ میں ایک دو مرتبہ اپنی بیوی سے کہہ دیا "بیگم! اگر طلاق دو مرتبہ کہہ دوں تو کیا ہوگا آپ کو معلوم ہے؟" ایسے ہی ایک مرتبہ انگریزی کے الفاظ استعمال کرتے ہوئے کہہ دیا "Divorce دیدوں تو کیا ہوگا تم کو پتہ ہے"؟ اب دل میں یہ خدشہ ہو رہا ہے کہ کہیں یہ الفاظ حکمِ شریعت کے خلاف تو نہیں ہیں، رب کی ناراضگی کا باعث تو نہیں ہیں۔ حل طلب سوال یہ ہے کہ زید نے جو الفاظ کہے ہیں نہ تو زید کی نیت طلاق کی تھی نہ ارادہ، صرف حالتِ غضب میں فون پر ایک دو مرتبہ ایسا کہہ

(۱) المرأة کالقاضی اذا سمعته او اخبرها عدل لا یحل لها تمکینه۔(شامی ۴/ ۴۶۳، الفتاوی الہندیۃ ۱/ ۳۸۹)

دیاہے، کیا اس طرح کے کہنے سے نکاح میں کوئی خلل واقع ہوجاتا ہے ؟ واضح فرمائیے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

بصورتِ صحتِ واقعہ وصدقِ سوال زید کی بیوی پر طلاق نہیں پڑی، کیونکہ صورتِ مذکورہ میں صرف تنبیہ اور انجام سے ڈرانا ہے، نہ صراحۃً طلاق ہے نہ کنایۃً، لہٰذا طلاق واقع نہیں ہوئی۔ (کذا فی کتب الفقہ)(۱)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۲۳ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح

سبیل احمد غفرلہ

۲۳ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ

منکرِ طلاق شوہر سے جدائیگی کیسے حاصل ہو؟

سوال(٦٦):

محترم ومکرم مفتی صاحب دام اقبالکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

عرضِ خدمت یہ ہے کہ میری دختر فاطمہ کا نکاح تقریباً ساڑھے چار سال قبل زید کے ساتھ ہوا تھا، اس درمیان میاں بیوی میں کئی مرتبہ نااتفاقی ہوچکی، مگر سمجھا کر روانہ کر دیا جاتا تھا، اسی دوران تقریباً ڈیڑھ سال پہلے زید نے میری بیٹی کو فون پر تین طلاق دے دی، ہمیں اس کا علم نہ تھا، اور نہ ہی ہماری بیٹی مسائل سے واقف تھی، اس

(۱)فقال الزوج اطلق طلاق می کنم فکررہ ثلاثا طلقت ثلاثا بخلاف قولہ سأطلق طلاق کنم لانہ استقبال فلم یکن تحقیقا بالشک۔(الفتاوی الہندیۃ ۱/ ۳۸۴)

کے بعد ایک دن ٹی۔وی میں طلاق کے مسائل کا ذکر چل رہا تھا، اُس وقت میری بیٹی کو معلوم ہوا کہ طلاق کے بعد جدائی ہو جاتی ہے، چنانچہ میری بیٹی اُسی وقت والدین کے گھر آگئی، شوہر برابر تقاضا کرتا رہا کہ وہ اس کے ساتھ زندگی گذارے مگر تین طلاق واقع ہو جانے کے بعد لڑکی اس کے ساتھ رہنے کے لئے تیار نہیں ہے، لہٰذا شریعت کی روشنی میں بتائیں کہ اب نکاح کے باقی رہنے کا اور گذرے ہوئے ڈیڑھ سال کا کیا حکم ہے؟

(۲)شادی کے موقع پر لڑکی کو ایک سو بیس گرام زیور دیا گیا، جس کو فروخت کر کے ایک مکان خریدا گیا، اور دونوں کے نام پر رجسٹر کرا دیا گیا، اب جبکہ وہ تین طلاق دے دیا ہے تو اُس مکان میں اُس کا حصہ ہے یا نہیں؟ اور اسی طرح مہر بھی ادا نہیں کیا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ معلوم کرائیں اور عند اللہ ماجور ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

بر تقدیرِ صحتِ واقعہ و صدقِ سوال اگر زید نے واقعی تین طلاقیں دی ہیں جس کا وہ خود اقرار کرتا ہے یا اُس پر شرعی گواہ ہیں یا اُس کی بیوی فاطمہ نے خود تین طلاق کو سنا ہے تو فاطمہ پر شرعاً تینوں طلاقیں واقع ہو کر وہ ہمیشہ کے لئے اپنے شوہر پر حرام ہو چکی ہے۔(۱)

(۱)اس کے بعد جو زندگی گذری وہ حرام اور ناجائز تھی، جس پر میاں بیوی

---

(۱) ولو اقر بالطلاق كاذبا او هاذلا وقع قضاء لا ديانة۔(ردِ محتار ۴/ ۴۴۰)و نصابها لغيرها من الحقوق سواء كان الحق مالا او غيره كنكاح و طلاق.....رجلان او رجل و امرأتان۔(الدر المختار۸/۱۷۸)و ان كان الطلاق ثلثا فی الحرة و ثنتين فی الامة لم تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا و يدخل بها ثم يطلقها أو يموت عنها۔(الفتاوی الهندیہ ۱/ ۵۰۶)

دونوں پر اللہ تعالیٰ سے توبہ اور استغفار لازم و ضروری ہے، اگر شوہر طلاق کا منکر ہے (جیسا کہ سوال سے ظاہر ہے) اور طلاق پر کوئی شرعی گواہ بھی نہیں ہے تو مسماۃ فاطمہ پر لازم ہے کہ وہ مسمیٰ زید یعنی اپنے شوہر کو اپنے اوپر قابو نہ دے بلکہ جس طرح سے بھی ممکن ہو خلع وغیرہ کے ذریعے اس سے علیحدگی حاصل کرلے، قرآن وحدیث اور جمہورِ امت کا یہی متفق علیہ فتویٰ ہے۔(۱)

(مستفاد فتاویٰ محمودیہ ۱۳/ ۲۹۴، ۱۳اور ۱۳/ ۳۷۵ سے ۳۸۹ تک، مطبوعہ گجرات)

(۲) صورتِ مسئولہ میں شوہر پر مہر ادا کرنا ضروری ہے اور زیورات کا قضیہ محکمۂ شرعیہ میں پیش کرکے حل کرلیں۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ
۱۹/ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح
محمد مصباح اللہ عفا اللہ عنہ
۱۹/ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ

ختمِ نکاح کے بعد "طلاق" لغو ہے

سوال(۶۷):

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ میرا یعنی زینب کا نکاح زید کے ساتھ ۶/ ۵/ ۲۰۰۴ء کو ہوا، دو بچے ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہیں۔ ہمیں درپیش مسئلہ یہ ہے کہ ۱۱/ ۰۴/ ۲۰۱۰ء کو میرے شوہر نے کسی جھگڑے میں مجھے طلاق اور خلع کا اختیار دیا تو میں نے اپنے اوپر ایک طلاق واقع کرلی اور اس کے بعد تین ماہواری گذر گئی اور شوہر

(۱) المرأة كالقاضي اذا سمعته أو أخبرها عدل لايحل لها تمكينه۔ (شامی ۴/ ۴۶۳، الفتاوی الہندیۃ ۱/ ۳۸۹)

نے بالکل رجعت نہیں کی۔ پھر ان تینوں ماہواری کے ختم ہونے کے بعد ۱۲/ جولائی ۲۰۱۰ء
کو میرے شوہر نے مجھے طلاق اور خلع کا دوبارہ اختیار دیا تو میں نے اپنے اوپر پھر ایک اور
طلاق واقع کرلی، پھر میرے شوہر نے ۱۷/ جولائی کو ایک ہی سانس میں تین طلاقیں
دے دیں، کیا ۱۰۶/ دن یعنی چار ماہواری کے بعد دی جانے والی یہ طلاق مجھ پر واقع
ہوتی ہے؟ آپ سے عاجزانہ التماس ہے کہ شرعی ضابطہ سے اس کا حل بتائیں۔ ہم چار
مہینے سے الگ الگ گھر میں رہ رہے ہیں، کیا اب ہم پورے اخلاص کے ساتھ توبہ
واستغفار کر کے دوبارہ نکاح کرسکتے ہیں؟ عاجزانہ التماس ہے کہ ہمیں صحیح راستہ بتائیں،
اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداومصلیاومسلما!

بر تقدیرِ صحتِ واقعہ وصدقِ سوال صورتِ مسئولہ میں پہلی بار شوہر کے دئے ہوئے اختیار پر ایک طلاق تم نے اپنے اوپر واقع کرلی تو عدت شروع ہوچکی اور پوری تین ماہواری (جو طلاق کی عدت ہے) اس طرح گزر چکی کہ شوہر نے بالکلیہ رجوع نہیں کیا تو شرعاً عدت پوری ہوگئی، عدت پوری ہونے کے بعد دوسری بار دیئے ہوئے اختیار والی طلاق اور اس کے بعد بیک سانس تین طلاقیں دونوں بے محل واقع ہوئی ہیں لہٰذا یہ دونوں قسم کی طلاقیں لغو ہوگئیں اور شرعاً ان کا کوئی اعتبار نہیں، اس لئے دوبارہ شریعت کے مطابق نیا نکاح (نئے مہر کے ساتھ) کرکے اِزدواجی زندگی گزاری جاسکتی ہے، لیکن یہ جان لینا ضروری ہے کہ اب شوہر کو صرف دو طلاق کا اختیار ہے نہ کہ تین کا۔

ومحله المنكوحة اى ولو معتدة عن طلاق رجعي او بائن غير ثلاث الى قوله الصريح يلحق الصريح ويلحق البائن بشرط العدة ،هذا الشرط لا بد منه فى

جمیع صور الالحاق۔(در مختار مع شامی ج/۴ ص/۴۳۱-۴۴۰)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۲۸/ ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ

طلاق نامہ پر جبراً دستخط کرنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی

سوال(٦٨):

محترم مفتی محمد صلاح الدین صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

گذارش یہ کہ میں سراج الدین ایروڈ کا رہنے والا ہوں، اور صوبہ آسام میں مورائے نامی ایک قریہ ہے، وہاں کے ایک شخص کی لڑکی ثمینہ سے ۲۰۰۸ء میں نکاح ہوا، ہم دونوں اللہ کے فضل سے خوشحال زندگی بسر کر رہے تھے، میرے نسبتی بھائی کی شادی میں شرکت کے لئے ایروڈ سے ۲۰۱۵ء کو آسام روانہ ہوئے، شادی کے بعد جب ہم گھر واپسی کے لئے تیار ہوئے تو میرے سسرال والوں نے جانے سے ہمیں روک دیا، اور ہم پر بہت ظلم کئے، کیونکہ اس وقت میری بیوی کے پاس دس لاکھ کے قریب زیورات تھے، مجھے مجبور کئے کہ زیورات فروخت کر کے اسی علاقہ میں ایک جگہ خرید کر اپنی بیوی کے نام رجسٹر کر دو اور دونوں یہیں زندگی گذارو، ہم مدراس نہیں بھیجیں گے۔ چونکہ میری ایک ضعیف ماں ہے، اس لئے میں وہاں رہنے پر راضی نہیں ہوا، اس پر وہ لوگ دھمکی دے کر طلاق نامہ پر ہم دونوں سے دستخط لے لئے، میں نے زبانی طلاق نہیں دی، اس کی کاپی بھی خدمت میں پیش کیا ہوں، براہِ کرم شریعت کے مطابق اِس تحریر اور میری عرضی پر غور کر کے فتویٰ دیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداومصلیاومسلما!

بر تقدیر صحتِ واقعہ وصدقِ سوال اگر واقعی جبر واِکراہ یعنی زبردستی طلاق نامہ پر تمہاری دستخط لی گئی، اور تم نے زبان سے الفاظِ طلاق بالکل ادا نہیں کئے تو شرعاً طلاق واقع نہیں ہوئی، تمہارا نکاح بدستور قائم ہے۔ **رجل أکرہ بالضرب والحبس علی أن یکتب طلاق امرأته فلانة بنت فلان بن فلان فکتب: امرأته بنت فلان بن فلان طالق لا تطلق امرأته لان الکتابة اقیمت مقام العبارة باعتبار الحاجة ولا حاجة ھھنا۔** (فتاویٰ قاضی خان بحوالہ فتاویٰ محمودیہ ۱۸/۱۹۴ مطبوعہ میرٹھ)

فقط واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح	الجواب صحیح	حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ
محمد مصباح اللہ عفااللہ عنہ	سید ولی اللہ غفرلہ	۲/ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
۲/۳/۱۴۳۴ھ	۲/۳/۱۴۳۴ھ	

مجنون کی طلاق کا حکم

سوال(٦٩):

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے میں کہ ایک شخص دماغی توازن ٹھیک نہ ہونے کی وجہ سے قسم قسم کی حرکتیں کرتے ہیں اور اپنی بیوی بچوں کو مارتے توڑتے ہیں اور گھر کی چیزوں کو بھی توڑ پھوڑ دیتے ہیں اور خود اپنے کپڑے وغیرہ پھاڑلیتے ہیں، اس شخص کا تین چار ماہ سے دماغی ہسپتال میں علاج بھی جاری ہے، اس کے دوران ایک مسئلہ پیش آگیا کہ اُن کی بیوی اپنے میکے میں تھی، شوہر

اپنے گھر بلارہے تھے مگر اُن کی مارپیٹ وغیرہ کی وجہ سے وہ آنے سے انکار کر رہی تھی اور یہ کہہ رہی تھی کہ آپ ٹھیک ہو جائیں گے تو میں آتی ہوں، اس کے بعد شوہر گھر سے باہر چلے گئے، پھر اچانک اندر آکر کہنے لگے کہ میں تجھے تین طلاق دیتاہوں، یہ کہہ کر گھر سے نکل گئے ، ہم اس سے متعلق علماء ومفتیانِ کرام سے مؤدبانہ درخواست کرتے ہیں کہ اس مسئلہ میں غور وفکر کرکے بتلائیں کہ اس آدمی کی طلاق واقع ہوگئی ہے یا نہیں ؟ اگر طلاق واقع نہ ہوئی ہو تو اِزدواجی زندگی کی کیا صورت ہے ؟اگر واقع ہوگئی ہو تو اُس شخص کی تین اولاد ہیں، ایک لڑکی اور دو لڑکے جو بالغ ہو چکے ہیں، ان کے نان ونفقہ کے بارے میں شرعی حکم کیاہے ؟جواب مرحمت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق !حامداومصلیاومسلما!

مذکورہ سوال صحیح ہونے کی صورت میں شرعی حکم یہ ہے کہ حالتِ جنون میں اگر کوئی شخص طلاق دے دے تو وہ شرعاًواقع نہیں ہوتی، اور اگر جنون کی حالت میں طلاق نہ دے بلکہ تندرستی کی حالت میں طلاق دے تو وہ واقع ہوکر مغلظہ ہو جاتی ہے، الحاصل اگر الفاظِ مذکورہ کہتے وقت اس کا مطلب اور حکم سمجھتا تھا تو طلاق واقع ہوگئی اور اگر اس کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ جنون کی وجہ سے کیا کہہ رہاہے اور اس کے کہنے پر شرعاًکیا حکم مرتب ہوتاہے تو طلاق واقع نہیں ہوئی اور مجنون ہونے کا اندازہ اس کے دوسرے افعال سے ہو سکتاہے اس طور پر کہ اگر اس کے دوسرے افعال مجنونانہ ہیں تو اِس میں بھی اُس کو مجنون تصور کیا جائے گا،اور اگر دوسرے افعال مجنونانہ نہیں، محض طلاق کے بارے میں اپنے کو مجنون ظاہر کرتاہے تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا اور طلاق واقع ہو جائے گی۔**وکذلک المعتوہ لایقع طلاقہ ایضا وھذا اذا کان فی حالۃ العتہ**

امافی حالۃالافاقۃفالصحیح انہ واقع۔(الفتاویٰ الہندیہ ۱/۳۸۷ومستفاد از فتاویٰ محمودیہ ۱۲/۲۹۸)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد مصباح اللہ عفا اللہ عنہ

۲۷/ ذیقعدۃ الحرام ۱۴۳۲ھ

الجواب صحیح

محمد صلاح الدین عفی عنہ

۲۷/ ذیقعدۃ الحرام ۱۴۳۲ھ

غلطی سے تین طلاق دینے کا حکم

سوال (۷۰):

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اِس بارے میں کہ زید کی بیوی اپنے میکہ جاکر تقریباً ۹/ ماہ کا عرصہ ہوا، بلانے پر بیماری اور زچگی کے بہانے بناتی رہی، شوہر (زید) نے اپنے گھر لانے کی حتی الامکان کوشش کی مگر سب بے سود۔ آخر زید غصہ میں آکر ایک خط منکوحہ کے نام بھیجا، جس میں غلطی سے درج ہوگیا کہ ۱۷/۷/۲۰۰۵ء تک اگر وہ نہ آئی تو اُس پر تین طلاق۔ اب تاریخ گذر چکی، لڑکی کے ذمہ دار کہتے ہیں کہ تمہارے خط کے مطابق طلاق واقع ہوگئی، اب کوئی تعلق نہیں، حالانکہ زید نے اپنی زبان سے کچھ نہیں کہا، نہ ہی زید کا ارادہ طلاق دینے کا تھا، صرف دھمکی کے لئے اُس نے ایسا کیا۔ حل طلب سوال یہ ہے کہ زید کے اِس خط سے کیا واقعۃً طلاق ہوگئی؟ مفصل واضح فرمایئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامدا ومصلیاو مسلما!

سوال کے سچ ہونے کی صورت میں زید کی بیوی پر تینوں طلاقیں شرعاً واقع

ہوچکی ہیں، اگر طلاق کو شرط پر معلق کیا جائے تو شرط کے پائے جانے پر از روئے شرع طلاق پڑ جاتی ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں مقررہ تاریخوں میں نہ پہونچنے کی وجہ سے زید کی بیوی پر تینوں طلاقیں پڑ گئیں۔ اور جیسے زبان سے کہنے پر طلاق واقع ہوتی ہے اِسی طرح تحریراً طلاق دینے سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے، خصوصاً جبکہ طلاق دینے والا اُس تحریر کا اقرار بھی کرے۔ (مستفاد از فتاویٰ محمودیہ ۱۰۶/۸، ۱۷۸)(۱)

واضح رہے کہ سائلِ مذکور کا ایک اور استفتاء آیا ہے، جس میں ''آخر زید غصہ میں آکر'' اور ''غلطی سے یہ درج ہو گیا'' یہ دونوں عبارتیں موجود نہیں ہیں۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح	الجواب صحیح	حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ
سبیل احمد غفرلہ	احمد سعید عفی عنہ	۲۵/ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۶ھ
۲۶/ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۶ھ	۲۵/۶/۱۴۲۶ھ	

الفاظِ کنایہ سے ایک طلاقِ بائنہ واقع ہو گی

سوال(۱۷):

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ محمد زید کی شادی مہ جبین بنتِ عبد اللہ صاحب سے ہوکر تقریباً سولہ سال کا عرصہ ہوا، اُن سے محمد زید کی تین اولاد ہے، یہ ایسی چڑچڑاہٹ مزاج کی واقع ہوئی ہے کہ مجھ پر گمان کرتی ہے اور بے جا الزامات لگاتی ہے، یہ مجھ سے ہمیشہ چھوٹی چھوٹی بات پر بحث وتکرار کرتی

(۱) وان کانت مرسومة یقع الطلاق نوی او لم ینو ثم المرسومة لا تخلو اما ان ارسل الطلاق بان کتب اما بعد فانت طالق۔ (درِ مختار ۴/۴۵۶)

رہتی ہے۔ تقریباً چھ دن قبل ایسے ہی بحث و تکرار ہو کر کئی مرتبہ اپنی زبان سے یہ کہہ دی کہ میں تمہارے ساتھ زندگی گذارنا نہیں چاہتی، تمہارے ساتھ جینا نہیں چاہتی، اُس کی اِس زبان درازی پر محمد زید بھی جو دماغی توازن کھو بیٹھا، تو انہوں نے بھی کہہ دیا کہ اچھا اگر تمہاری یہی خواہش ہے تو ویسے ہی تم چلی جاؤ، میں بھی تمہارے اس تکرار سے تنگ آچکا ہوں اس جواب پر لڑکی مَہ جبین نے کہا میں آج مر گئی، میرا دیدار بھی نہ کرو، آج نہیں کل جب بھی مری تو میرا دیدار نہ کرو، اب محمد زید کو یہ شک ہے کہ اس طرح الفاظ کہہ دینے کے بعد اس عورت کے ساتھ زندگی گذار سکتا ہے یا نہیں؟ اس طرح کے الفاظ ادا کرنے سے ازدواجی تعلقات پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں، یہ کہاں تک درست ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداومصلیاومسلما!

بصورتِ صدقِ سوال صورتِ مسئولہ میں طلاق سے متعلق دلالتِ حال (غصہ اور علیحدگی کا تذکرہ) پائے جانے کی وجہ سے ایک طلاقِ بائنہ پڑجائے گی، یہ طلاق کی دھمکی شمار نہیں ہوگی۔ **فالکنایات لاتطلق بھاقضاء الابنیۃاو دلالۃالحال۔**

(درِ مختار ج ۴/ ص ۵۲۸/)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ
۴/ رجب المرجب ۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح
احمد سعید عفی عنہ
۴/ رجب ۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح
سبیل احمد غفرلہ
۴/ رجب ۱۴۲۴ھ

خط کے ذریعہ دی جانے والی طلاق کا حکم

سوال(٧٢):

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ عظام کہ میری نسبتی خواہر کا نکاح عبد الرحیم سے ٢٠١١ء میں ہوا، چند دن ساتھ رہے، دونوں میں اَن بن رہی، دو سال بعد عبد الرحیم نے طلاق نامہ تین ہزار روپیے کے ڈرافٹ کے ساتھ بذریعہ پوسٹ ارسال کیا، اس پر قاضی کی دستخط بھی ہے، اب تک دونوں الگ ہی ہیں، کیا طلاق واقع ہو چکی ہے؟ عدت کے احکام کیا ہیں؟(یعنی لڑکی یہ سمجھ کر کہ طلاق نہیں ہوئی، عدت نہیں گذاری) اب دونوں کے میاں بیوی بن کر رہنے کے لئے شریعتِ مطہرہ میں کیا صورت ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامدا ومصلیا ومسلما!

بر تقدیرِ صحتِ واقعہ صورتِ مسئولہ میں اگر عبد الرحیم نے واقعی بذریعۂ خط طلاق دی ہے، تو شرعاً طلاق واقع ہو چکی اور آپ کی نسبتی خواہر کا نکاح عدت کے بعد ختم ہو گیا، لہذا دوبارہ نئے نکاح کے ذریعے میاں بیوی کا رشتہ قائم ہو سکتا ہے۔ **وتنقطع الرجعة اذا طهرت من الحيض الاخير۔**(الدر المختار مع الرد ٥/٣١) **ان أرسل الطلاق بان كتب امابعد فانت طالق فكما كتب هذا يقع الطلاق وتلزمها العدة من وقت الكتابة۔**

(شامی ٤/٤٥٦)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد مصباح اللہ عفا اللہ عنہ
٢٨/ ذیقعدہ ١٤٣٥ھ

الجواب صحیح
سید ولی اللہ غفرلہ
٢٨/١١/ ١٤٣٥ھ

الجواب صحیح
محمد صلاح الدین عفی عنہ
٢٨/ ذیقعدہ ١٤٣٥ھ

شرط پر معلق طلاق کا حکم

سوال(۳۴۷):

محترم ومکرم مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

گذارش یہ ہے کہ گذشتہ دو مہینے پہلے میرے اور میری اہلیہ کے درمیان میں کچھ زیادتی ہوگئی، میرا غصہ لازمی تھا، غصہ کے درمیان میں نے ہوش وحواس کے ساتھ اپنی اہلیہ سے کہہ دیا کہ تمہارے رشتہ دار کی شادی میں جو قریب میں ہونے والی ہے نہ جاؤ، اگر تم اس شادی میں جاؤ گی تو تم میرے نکاح سے خارج ہو جاؤ گی، تو اس وقت میری اہلیہ نے کہا اگر میں یہیں رہوں گی تو مجھے لازمی طور پر جانا پڑے گا، عافیت اسی میں ہے کہ اُن ایام میں تم مجھے کہیں دور شہر میں لے چلو، حل طلب سوال یہ ہے کہ

(۱) کیا میری بیوی پر اس نکاح میں شرکت کرنے سے طلاق واقع ہو گی؟

(۲) نکاح سے مراد صرف نکاح ہے یا ولیمہ اور دوسری رسومات جیسے ہلدی، شکرانہ، جلوہ وغیرہ بھی اس میں شامل ہیں؟

(۳) میری اہلیہ کے لئے شادی گھر کا کھانا اور اس کے دوسرے تحائف کا استعمال کیسا ہے؟ براہِ کرم شریعت کی روشنی میں اس مسئلہ کا حل ذکر فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامدا ومصلیا ومسلما!

(۱) بر تقدیرِ صحتِ واقعہ صورتِ مسئولہ میں ختمِ نکاح کو شادی میں شرکت پر معلق کیا ہے، لہٰذا جب نکاح میں شرکت ہو گی تو لامحالہ نکاح ٹوٹ جائے گا۔ **واذا اضافه الی شرط وقع عقیب الشرط مثل ان یقول لامرأته :ان دخلت الدار فانت طالق۔** (ہدایہ ۲/ ۳۸۵)

(۲) عرف کے اعتبار سے نکاح سے مراد اُس کے متعلقات اور ملحق مروجات بھی ہیں، مروجات میں شرکت سے بھی احتراز کیا جائے۔(۱)

(۳) البتہ شادی کی تقریب کے جو تحائف یا کھانے کی چیزیں تمہارے گھر بھیجی جائیں اُن کے استعمال سے تمہاری اہلیہ پر طلاق واقع نہیں ہو گی۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۳/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح

سید ولی اللہ غفرلہ

۳/۶/ ۱۴۳۳ھ

بلاوجہِ شرعی خلع مانگنے والی عورت منافق ہے

سوال (۷۴):

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ فاطمہ کا نکاح معین الرحمٰن سے ہو کر ۱۰/ سال کا عرصہ ہوا، اس سے چار بچے ہوئے، اس کے بعد لڑکی فاطمہ نے ایک دوسرے شخص بنام عبد القدیر سے ناجائز تعلقات پیدا کر لئے، جب شوہر کو اس کا علم ہوا تو اس نے اہلِ جماعت سے رجوع کیا، ہزار سمجھانے کے باوجود لڑکی نہ مانی، بچوں کو ان کے باپ کے حوالے کر کے معین الرحمٰن سے خلع حاصل کر لی اور عدت پوری کرنے کے بعد عبد القدیر سے عقدِ ثانی کر لیا۔ عبد القدیر سے نکاح کے بعد اب

---

(۱) تخصیص الشیء بالذکر یدل علی نفی الحکم عما عداہ فی متفاھم الناس وعرفھم لا فی خطابات الشرع۔ (القواعد الفقہیۃ ص/ ٦٨، قاعدہ: ٧٨) العرف یسقط اعتبارہ عندوجود التسمیۃ بخلافہ وفی الحاشیۃ... لان مطلق التسمیۃ ینصرف الی ماھو المعروف بالعرف۔ (القواعد الفقہیۃ ص/ ٩٢، قاعدہ: ١٨٦)

اس کی چار اولاد ہے، پھر عبد القدیر کے ہوتے ہوئے ایک تیسرے شخص عبد الرحمٰن سے ناجائز تعلق پیدا کرلیا ہے، اب عبد القدیر کو دھتکار رہی ہے، نفرت کا اظہار کر رہی ہے، پھر معاملہ جماعت میں پیش ہوا ہے، تعجب ہے کہ عبد الرحمٰن جو شادی شدہ اور صاحبِ اولاد بھی ہے، لیکن فاطمہ نے اُس پر اپنے حسن وجمال کا ایسا جادو چڑھایا ہے کہ عبد الرحمٰن بھی اس سے نکاح کر لینے پر بصد دل وجان آمادہ ہے، اور فاطمہ بھی عبد الرحمٰن کو چھوڑ کر رہنے تیار نہیں، اور کہتی ہے کہ کسی صورت میں بھی عبد القدیر کے ہمراہ زندگی نہیں گذاروں گی۔ حل طلب سوال یہ ہے کہ ازروئے شریعت عبد القدیر سے خلع دلوا کر کیا فاطمہ کا نکاح عبد الرحمٰن سے ہو سکتا ہے؟ اس کے شرائط اور قواعد بالتفصیل معلوم فرمایئے، ذرہ نوازی ہوگی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

صحتِ واقعہ کی صورت میں شرعاً فاطمہ کا یہ فعل انتہائی مذموم اور ناپسندیدہ ہے، حدیثِ شریف میں اللہ کے رسول ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ جو عورت کسی سخت تکلیف اور شرعی وجہ کے بغیر اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرتی ہے، اُس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔(ترمذی شریف بحوالہ مشکوۃ المصابیح ص ر ۲۸۳)(۱) ایک اور روایت میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالی ان مردوں اور عورتوں کو پسند نہیں کرتے جو ذائقہ چکھنے کے شوقین اور خوگر ہوں۔(معارف الحدیث ج ر ۷ ص ر ۷۴)(۲)

---

(۱) وعن ثوبان رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایما امراة سالت زوجها طلاقا فی غیر ما باس فحرام علیها رائحة الجنة۔(مشکوۃ:۲۸۳)(۲) عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لا تطلقوا النساء الا من ریبة ان اللہ تعالیٰ لا یحب الذواقین ولا الذواقات۔(المعجم الکبیر للطبرانی ۸ر ۲۴، رقم:۷۸۴۸)

ایک اور مقام میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ بلا وجہِ شرعی خلع کا مطالبہ کرنے والی عورتیں منافق ہیں۔(نسائی شریف بحوالہ مشکوۃ المصابیح ص/۲۸۴)(۱) مذکورہ بالا احادیثِ شریفہ سے اس کام کی شناعت وقباحت واضح طور پر سمجھ میں آتی ہے، جس سے بچنا ہر صاحبِ ایمان کا فریضہ ہے،اس کے باوجود بھی وہ تیسری شادی کرنے پر اصرار کررہی ہے تو دوسرے شوہر سے خلع لینے کے بعد عدت گذار کر تیسرا نکاح کرسکتی ہے،اور خلع کی وجہ سے مہر معاف ہو جائے گا اور یہ عورت سخت گنہگار ہوگی۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ
۱۵/صفر المظفر ۱۴۲۰ھ

الجواب صحیح
سبیل احمد غفرلہ
۱۵/صفر المظفر ۱۴۲۰ھ

شوہر کے دیوانہ ہونے کی صورت میں نکاح کا حکم

سوال(۷۵):

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ حواما کی شادی زید سے ہو کر تقریباً ۷/ماہ کا عرصہ ہوا،شادی کے بعد پتہ چلا کہ لڑکا تعلیم یافتہ تو ہے ، لیکن دماغی فتور کا شکار ہے، اس کی حرکتوں سے بھی بخوبی اندازہ ہو گیا کہ وہ حقیقت میں Mental آدمی ہے،پوچھنے پر لڑکے کے ذمہ داروں نے بتایا کہ ہمارے بڑوں نے مشورہ دیا کہ اس قسم کے آدمیوں کو فوراً شادی کر دینا چاہئے،وہ سُدھر جاتے ہیں،اس خیال سے ہم نے شادی کر دی، ہمیں کیا خبر وہ اور بگڑ جائے گا،ہم تو مجبور ہیں

(۱)وعن ابی هریرة رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال المنتزعات والمختلعات هن المنافقات۔(مشکوۃ:۲۸۴)

کچھ نہیں کر سکتے۔ایک تو دیوانہ پن، اُس پر مارنا، گالی گلوچ کرنا، زیورات بیچ کر کھانا پینا، بے کاری میں گھومتے پھرنا، ایسے آوارہ گرد کے ساتھ لڑکی زندگی گذارنے تیار نہیں ہے، لڑکے کی بیماری کو پوشیدہ رکھ کر خواہ مخواہ ایک نوجوان اور تعلیم یافتہ لڑکی کی زندگی کے ساتھ شادی رچانا یہ کھلا مذاق اور دھوکہ نہیں تو اور کیا ہے؟ محلہ کے چند اکابر لوگوں کا کہنا ہے کہ لڑکی کو خلع دلانے کے ساتھ ساتھ لڑکے سے ایک بڑی رقم لے کر لڑکی کے نام ڈپازٹ کردو یا مکان لے کر لڑکی کے نام رجسٹر کرادو تاکہ یہ رقم یا یہ مکان اُس کی برباد زندگی کا ایک سہارا اور آسرا ہو جائے۔ حل طلب سوال یہ ہے کہ اس طرح کا مطالبہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟ لڑکی ۴/ماہ کی حاملہ ہے، دورانِ حمل خلع ہو سکتا ہے یا نہیں؟ بعدِ ولادت بچہ کی پرورش اور دیکھ بھال کی ذمہ داری کس پر ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداومصلیاومسلما!

بر تقدیرِ صحتِ واقعہ و صدقِ سوال صورتِ مسئولہ میں شرعاً خلع جائز ہے، لڑکے سے کہہ کر طلاق دلانا بہتر ہے، کیونکہ خلع کی صورت میں مہر معاف ہو جاتا ہے(۱)، لیکن رقم کی بڑی یا چھوٹی مقدار لے کر لڑکی کے لئے کوئی انتظام شرعاً جائز نہیں، اِلّا یہ کہ لڑکا یا اس کے گھر والے خوشی سے جو کچھ دے دیں وہ جائز ہے، اور جہاں تک بربادِ زندگی کا سوال ہے یہ تصور اور خیال ہی غلط ہے، اِسلام نے کسی کی زندگی برباد نہیں کی، اسلام تو تاکید کرتا ہے کہ طلاق یا خلع ہو کر عدت کے بعد دوسری شادی اور نکاحِ ثانی کا انتظام کر دیا جائے، الغرض اسلام زندگی دیتا ہے، برباد نہیں کرتا، لہٰذا سنت کے موافق نیک

---

(۱) والمبارأة کالخلع ویسقط کل منہما کل حق لکل واحد من الزوجین علی الاخر یتعلق بالنکاح، فلا تطالب ھی بمھر ولا نفقۃ ماضیۃ مفروضۃ۔ (مجمع الانہر ۲/۱۰۹)

اور دین دار لڑکے سے نکاح کا نظم کر دینا شرعی اور اخلاقی فریضہ ہے۔

(ب)دورانِ حمل خلع ہو سکتا ہے، مگر عدت وضعِ حمل یعنی ولادت تک ہو گی۔(۱)

(ج) لڑکا ہو تو سات سال لڑکی ہو تو نو سال تک پرورش ماں کے ذمہ ہو گی اور خرچ باپ دے گا پھر باپ بچہ کو حاصل کرنے کا شرعاً حق رکھتا ہے۔(۲)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۱۹ر شوال المکرم ۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح

سبیل احمد غفرلہ

۱۹ر شوال المکرم ۱۴۲۶ھ

ظالم شوہر سے چھٹکارا پانے کا شرعی طریقہ

سوال(۷۶):

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ میری بیٹی کا نکاح عبد الرحیم بن عبد الجلیل صاحب سے ہوا، عبد الرحیم نہ کچھ کماتا ہے نہ بیوی کو خرچ دیتا ہے، ذریعۂ معاش کی خاطر لڑکی کے زیورات بھی استعمال کر لئے، حتی المقدور ہم نے بھی مالی امداد کی ایک نہیں کئی قسم کی تجارتیں شروع کرائیں، مگر اس کی نا اہلی

---

(۱)وعدة الحمل وضع الحمل مطلقا سواء كانت من طلاق او وفاة او متاركة او وطی بشبهة۔(الدر المنتقیٰ ۲/۱۴۵)

(۲)والحاضنة اما او غيرها احق به ای بالغلام حتی يستغنی عن النساء وقدر بسبع وبه يفتی لانه الغالب...وغيرهما احق بها حتی تشتهی وقدر بتسع وبه يفتی...وعن محمد ان الحكم فی الام والجدة كذلک وبه يفتی لكثرة الفساد۔(الدر مع الرد ۵/۲۶۷،۲۶۸)ونفقة الاولاد الصغار علی الاب لا يشاركه فيها احد۔(ہدایہ قدیمی ۲/۴۴۴)

اور کاہلی نے اسے ناکامی اور نقصان کے سوا کچھ نہیں دیا، ان نقصانات کو پورا کرنے کے لئے اس کے پاس روپئے نہ رہے تو قرض خواہوں نے پولیس میں مقدمہ دائر کر دیا، مقدمہ کی کارروائی کے سلسلے میں خود بھی جیل گیا، اور میرے بیٹے کو بھی جیل خانہ کی ذلت ورسوائی اٹھانی پڑی۔ خیر! خدا کے فضل وکرم سے اب تو جیل خانہ سے رہائی ہوگئی، اب میری بچی ایسے نااہل اور ظالم قسم کے شخص سے سخت نفرت کر رہی ہے، کسی بھی صورت میں اُس کے ساتھ زندگی گذارنے کے لئے تیار نہیں ہے، خلع طلب کرتی ہے، مگر یہ ظالم خلع دینے سے بھی انکار کر رہا ہے، خلع کا مطالبہ کرنے والوں کو مارنے کی دھمکیاں دیتا ہے۔ لہٰذا حل طلب سوال یہ ہے کہ ایک ایسے ظالم اور نااہل شوہر سے چھٹکارا پانے کی شریعت اسلامی میں کیا صورت ہے؟ اس کے لئے شریعت نے کیا مناسب حل تجویز کیا ہے؟ واضح فرمایئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

صورتِ مسئولہ کے سچ ہونے کی صورت میں اولاً شوہر کو مجبور کیا جائے کہ وہ طلاق دے یا خلع پر راضی ہو جائے، اگر کسی بھی صورت میں طلاق و خلع پر راضی نہ ہو اور عورت کو سخت مجبوری بھی ہو یعنی کوئی شخص اس کے مصارف کا ذمہ دار نہیں بنتا، اور نہ خود عورت اپنی عزت کو محفوظ رکھ کر کوئی صورت کسبِ معاش کی اختیار کر سکتی ہے، تو ایسی مجبوریوں میں عورت مسلم حاکم کے پاس دعویٰ پیش کرے کہ اُس کا شوہر وسعت کے باوجود خرچ نہیں دیتا، حاکم شرعی شہادت سے پوری تحقیق کرے گا، اگر عورت کا دعویٰ صحیح ثابت ہو گیا تو حاکم شوہر کو حکم دے گا کہ بیوی کے حقوق ادا کرو یا طلاق دے دو، ورنہ نکاح فسخ کر دوں گا، اگر شوہر کوئی صورت قبول نہ کرے تو بلا انتظارِ

مدت فوراً ہی حاکم نکاح فسخ کر دے گا، اور یہ فسخ طلاقِ رجعی کے حکم میں ہو گا۔ اگر دورانِ عدت شوہر نفقہ دینے پر تیار ہو گیا تو اسے رجوع کا اختیار ہے، البتہ تجدیدِ نکاح بہتر ہے۔ (مستفاد از احسن الفتاویٰ ۵/ ۴۱۲) امیر شریعت اور اس کے قضاۃ کو حقِ فسخِ نکاح وغیرہ حاصل ہے، جیسا کہ شامی کی عبارت سے واضح ہے۔ ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین۔ (مستفاد از فتاویٰ دار العلوم دیوبند ۸/ ۱۴۶)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۹/ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح

احمد سعید عفی عنہ

۱۱/ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ

شوہر سے جبراً خلع حاصل کرنے کا حکم

سوال (۷۷):

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ میرے اور میری بیوی کے درمیان تہمت کے ساتھ خلع کرا دیا گیا، حالانکہ میں اس پر راضی نہیں تھا، اِس کے باوجود کچھ لوگ زبردستی خلع کرادئے اور خلع نامہ پر میں نے دھمکی کی وجہ سے مجبوراً دستخط کیا ہے، آپ مجھے جواب دیں کہ یہ خلع واقع ہو گیا یا نہیں؟

شادی کی تاریخ ۱۹/ ۰۹/ ۲۰۰۴ء ہے، اولاد نہ ہونے کی وجہ سے سسرال والے شوہر کو نامرد کہہ کر جماعت میں عرضی دیئے ہیں، اور اُس میں چار جھوٹ لکھے ہیں، جبکہ میڈیکل رپورٹ میں صاف لکھا ہوا ہے کہ میں ہمبستری کے قابل ہوں، لیکن بیوی ہمبستری کے لئے راضی نہیں ہوتی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

بر تقدیرِ صحتِ واقعہ صورتِ مسئولہ میں شرعاً خلع واقع نہیں ہوا، وہ بدستور تمہاری بیوی رہے گی، تحریر اور دستخط کی صورت میں جبر واکراہ اور زبردستی کا شرعاً اعتبار نہیں ہے۔ رجل اکرہ بالضرب والحبس علی أن یکتب طلاق امرأته فلانة بنت فلان بن فلان طالق لا تطلق امرأته لأن الکتابة اقیمت مقام العبارة باعتبار الحاجة ولا حاجة ھھنا۔ (فتاویٰ قاضی خان بحوالہ فتاویٰ محمودیہ ۸/ ۸۴،۸۵ میرٹھ وکذا فی الفتاوی الہندیۃ ۱/ ۴۱۵)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۲۰/ ذیقعدہ ۱۴۲۶ھ

بیوی معذور ہو تو دوسری شادی کا حکم

سوال (۷۸):

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ میری شادی ۱۵/ جنوری ۲۰۰۶ء کو ہوئی، شادی ہونے کے بعد مجھے پتہ چلا کہ میری بیوی عقل سے کچھ کمزور ہے، اور دو تین مرتبہ میں ان کے گھر کو بھی بھیج دیا، لڑکی کے گھر والے لے کر گئے، اور علاج بھی کئے مگر اس کی طبیعت ابھی تک ٹھیک نہیں ہوئی ہے اور میری ان سے ہمبستری بھی نہیں ہوئی، لڑکی کے گھر والے اتنے دن کے بعد بھی اور ۶/ مہینے کی فرصت چاہتے ہیں، یہ مجھے منظور نہیں ہے، اس صورت میں دوسری شادی کرنا چاہتا ہوں، نیز میرے نفس کا تقاضہ بھی ہے، کیا میں اس صورت میں دوسری شادی کر سکتا

ہوں؟ اس صورت میں خلع کی کیا شکل ہے؟ براہِ کرم جواب عطا فرما کر شکریہ کا موقع عنایت کریں گے تو عین نوازش ہوگی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداً ومصلیاً ومسلماً!

برتقدیرِ صحت واقعہ شرعاً آپ کو دوسری شادی کرنے کی پوری اجازت ہے، اور ایسے موقع پر گناہ سے بچنے کے لئے دوسری شادی کرلینا چاہیئے،(۱) اور مذکورہ بیوی کو علاج کے لئے مہلت دینا بہتر ہے، اگر بھرپور علاج کے بعد بھی درست نہ ہو تو طلاق یا خلع کی گنجائش ہے۔ (کذا فی کتب الفقہ)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۵/ ذیقعدۃ الحرام ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح

سبیل احمد غفرلہ

۵/ ذیقعدۃ الحرام ۱۴۲۷ھ

مفقود الخبر کی بیوی کی دوسری شادی

سوال(۷۹):

عرض یہ ہے کہ میری بیٹی ثریا بیگم سلمہا کی شادی ۲۸/۴/۱۹۹۱ء کو محی الدین کے ساتھ ہوئی تھی، چھ ماہ اچھی طرح زندگی بسر کرتے رہے، اس کے بعد وہ میری بیٹی کو مختلف تکلیفیں دیتا رہا، یہاں تک کہ تمام زیورات بیچ دئے، اور وقتاً فوقتاً بلاوجہِ شرعی

(۱) فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنی و ثلث و ربع۔ (سورۃ النساء) وللحر ان یتزوج اربعا من الحرائر والاماء۔ (ہدایہ ۲/۳۱۱)

سخت پٹائی کرتا تھا، اس طرح ڈیڑھ سال تک تکلیفیں دیتا رہا، وہ شراب کا عادی تھا اور پیسے کی خواہش میں مارتا تھا، بار بار جان سے ماردینے اور دوسری شادی کرلینے کی دھمکیاں بھی دیتا تھا، اتنا سب کچھ ہونے کے بعد بھی لڑکی اسی کے پاس رہتی تھی، جب پیسے سامان وغیرہ ختم ہوگئے تو لڑکی کو اپنے گھر بھیج دیا اور اس کے بعد سے اپنی بیوی کے پاس نہیں آیا، اس کے بعد سے انتظار کرتے کرتے پانچ سال گذر گئے، اور ہم خود لڑکے کو تلاش کرتے رہے، تلاش کرنے پر پتہ چلا کہ لڑکے کا کچھ پتہ نہیں ہے، پانچ سال سے وہ غائب ہے، اس لئے ہم لوگ لڑکی کی دوسری شادی کرنا چاہتے ہیں، مہربانی فرماکر جلد از جلد شریعت کے مطابق جواب عنایت فرمائیں، عین کرم ہوگا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداً ومصلیاً ومسلماً!

مذکورہ صورت کی وضاحت کے مطابق اگر شوہر مسمی محی الدین پانچ سال سے لاپتہ ہے اور تلاشِ بسیار کے بعد بھی نہیں ملا ہے تو اس معاملہ کو قاضی یا مسلم پنچایت میں پیش کریں، اور وہ مزید چار سال تک انتظار کرائیں، پھر بھی نہ آئے تو دونوں کے درمیان تفریق کرادیں(۱)، اب عورت وفات کی عدت گذار کر دوسرا نکاح کرسکتی ہے، اور اگر چار سال تک انتظار دشوار ہو اور عورت صبر و تحمل نہ کرسکتی ہو، گناہ میں ملوث ہونے کا قوی خطرہ ہو،

---

(۱) ولا یفرق بینه وبینها ولو بعد مضی اربع سنین خلافا لمالک........ وقد قال فی البزازیة: الفتوی فی زماننا علی قول مالک۔ (شامی ج ۶/ص ۴۶۱/ومستفاد از فتاویٰ رحیمیہ ۴/ ۵۳۱) قلت ولمالک ان یقول ان ابتلاء المرأة بالزنا ضیاعها، فان خیف علی امرأة المفقود ابتلاءها بالزنا کان حکمها حکم ضالة الغنم، ومذهب الحنفیة فی الباب وان کان قویا روایةً ودرایةً ولکن المتأخرین منا قد اجازوا الافتاء بمذهب مالک عند الضرورة نظراً الی فساد الزمان۔ (اعلاء السنن ۱۳/ ۵۵ کراچی، الحیلۃ الناجزۃ ۱۰۸، ۱۰۹)

توکم ازکم ایک سال تک انتظار کراکر تفریق کرادیں پھر عورت طلاق کی عدت گذارنے کے بعد دوسرا نکاح کرسکتی ہے۔ (مستفاد: ازالحیلۃ الناجزۃ ص/۸۰)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۲۱/ محرم الحرام ۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح

سبیل احمد غفرلہ

۲۱/ محرم الحرام ۱۴۱۹ھ

شوہر لاپتہ ہوجانے پر بیوی کا دوسرا نکاح کرنا

سوال (۸۰):

حضرت مفتی صاحب زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مسئلہ یہ ہے کہ آمنہ کا نکاح والدین نے زید کے ساتھ کردیا، زید ایک نامعلوم شخص ہے، یعنی اس کا گھر، علاقہ اور اس کے رشتہ دار کسی کو معلوم نہیں، نکاح کے تین دن بعد زید لاپتہ ہوگیا، اور لاپتہ ہوکر آج تین سال ہوگئے، کسی سے خط وکتابت نہیں اور نہ ہی گذران کا خرچ بھیجتا ہے، آمنہ کا کہنا ہے کہ اب مجھ سے برداشت نہیں ہوسکتا، اب تک دوسرے کے گھروں میں کام دھندا کرکے گذارہ کیا، اور میری عزّت پر آنچ آنے کی نوبت آپہنچی ہے، اب دوسرے کے گھر بھی کام کے لئے نہیں جاسکتی اور مفلوک الحال ہونے کی وجہ سے برابر پریشانی ہے، لہٰذا آمنہ ایسی صورت میں: (۱) کیاچار سال کی مدت پوری کیے بغیر نکاحِ ثانی کرسکتی ہے؟ (۲) اگر آمنہ نے نکاح کرلیا تو دونوں کی زندگی کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ تفصیلی جواب مع حوالہ تحریر فرماکر عنداللہ ماجور ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق !حامداومصلیاومسلما!

صورتِ مذکورہ میں اگر واقعی ایسی حالت پیش آئی ہو کہ عورت صبر و تحمل نہ کرسکے اور ابتلاء فی المعصیۃ کا قوی خطرہ لاحق ہو تو ایسی صورت میں مذہبِ مالکیہ میں ایک دوسرا قول بھی ہے،وہ یہ کہ کم از کم ایک سال تک انتظار کراکر تفریق کرادی جائے، پھر عورت عدتِ طلاق مکمل کر کے دوسرا نکاح کرسکتی ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ ایک سال کی مدت کا شمار قاضی یا مسلمانوں کی پنچایت میں مرافعہ کے بعد ہو گا۔

(مستفاد از فتاویٰ رحیمیہ ۴/۵۳۱)

(۲) قاضی یا مسلمانوں کی پنچایت میں مرافعہ کے بغیر نکاح درست نہیں ہے، اس لئے اگر آمنہ بغیر مرافعہ کے نکاح کرلے تو وہ نکاح درست نہیں ہو گا۔

(مستفاد از الحیلۃ الناجزۃ ص ۸۰)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۲۲ صفر ۱۴۱۸ھ

الجواب صحیح

سبیل احمد غفرلہ

۲۲ صفر المظفر ۱۴۱۸ھ

لاپتہ شوہر کی بیوی کے نکاح کا حکم

سوال (۸۱):

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ میری لڑکی کی شادی تقریباًپندرہ سال پہلے ہوئی تھی، لڑکے والے شادی کے بیس دن کے بعد لڑکی کو

یہ کہہ کر میرے گھر چھوڑ دیئے کہ گھر بدلنے کے بعد لڑکی کو بلا لیں گے، اس کے بعد وہ لوگ نہیں آئے، ان لوگوں کو تلاش کیا لیکن ان کا کچھ پتہ نہیں چلا، اس کے بعد بھی میں ان لوگوں کو تلاش کرتا رہا لیکن آج تک ان لوگوں کا کچھ پتہ نہ چل سکا، پندرہ سال سے لڑکی میرے ہی پاس ہے، مجھے یہ معلوم کرنا ہے کہ میں کب تک لڑکے کو تلاش کروں؟ اس کے لئے کتنے دن ہیں؟ اگر لڑکی نکاح ختم کر کے دوسرا نکاح کرنا چاہتی ہے تو اُس کے لئے کتنی مدت ہے اور کیا طریقہ ہو گا؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداً و مصلیاً و مسلماً!

بر تقدیرِ صحتِ واقعہ آپ مسلمانوں کی پنچایت میں لڑکے کے لا پتہ ہونے کی شکایت درج کرائیں، مسلم پنچایت اپنے طور پر اخبارات وغیرہ کے ذریعہ اس کو تلاش کروائے گی، اگر عورت میں صبر و تحمل ہے اور عفت و پاکدامنی کے ساتھ زندگی گذار سکتی ہے تو مقدمہ کے بعد مزید چار سال انتظار کرے گی، اس دوران اگر گم شدہ شوہر مل جائے تو اسی کی زوجیت میں رہے گی، یا اس سے طلاق یا خلع حاصل کر لیا جائے اور اگر اس مدت میں بھی شوہر کا پتہ نہ چلے تو قاضی یا مسلم پنچایت نکاح کو فسخ کر دے گی اور عدتِ وفات چار مہینے دس دن گذار کر دوسرا نکاح کر سکتی ہے(۱)، اگر چار سال کی

---

(۱) ولا يفرق بينه وبينها ولو بعد مضى اربع سنين خلافا لمالك.......وقد قال فى البزازية: الفتوى فى زماننا على قول مالك۔ (شامی ج/۶ص/۴۶۱ومستفاد از فتاویٰ رحیمیہ ۴/ ۵۳۱) قلت ولمالك ان يقول ان ابتلاء المرأة بالزنا ضياعها ،فان خيف على امرأة المفقود ابتلاءها بالزنا كان حكمها حكم ضالة الغنم، ومذهب الحنفية فى الباب وان كان قويا رواية ودراية ولكن المتأخرين منا قد اجازوا الافتاء بمذهب مالك عند الضرورة نظراً الى فساد الزمان۔ (اعلاء السنن ۱۳/ ۵۵ کراچی، الحیلۃ الناجزۃ ۱۰۸، ۱۰۹)

مدت دشوار ہو اور عورت صبر و تحمل نہ کر سکتی ہو اور گناہ میں مبتلا ہونے کا قوی اندیشہ ہو تو کم از کم ایک سال انتظار کرا کر تفریق کر دی جائے گی۔ (تفریق کے بعد عدتِ طلاق گذار کر پھر دوسرے شخص سے اس کا نکاح ہو سکتا ہے)۔ (مستفاد از الحیلۃ الناجزۃ ص ۷۲)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۱۲ / جمادی الاخریٰ ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح

العبد اجتباء الحق عفی عنہ

۱۳ / جمادی الاخریٰ ۱۴۲۹ھ

مفقود الخبر کی بیوی دوسری شادی کب کرے

سوال (۸۲):

بخدمت گرامی قدر حضرت مفتی صاحب زید مجدہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ زید کا نکاح 12-4-98 کو ہوا، تقریباً پانچ سال اچھے تھے، اس کے بعد زید کسی دوسری لڑکی کے ساتھ فرار ہو گیا، زید ولتور کا رہنے والا ہے، لڑکی والے فوراً ولتور کی جماعت میں آٹھ سال پہلے عرضی داخل کئے، اہلِ جماعت اور ہم بھی بہت تلاش کیے، اعلانِ مفقود الخبر بھی اخبار میں شائع ہوا، آج تک کوئی خیر خبر نہیں، لہٰذا آج سے چار ماہ پہلے ولتور کی جماعت والے نکاح فسخ کر کے تحریری طور پر لیٹر پیڈ پر عقدِ ثانی کے لئے لکھ کر دئے ہیں۔ لہٰذا شرعی حکم کیا ہے؟ زید سے ایک آٹھ سالہ لڑکا ہے، اور مفقود الخبر کی بیوی چار ماہ سے عدت میں ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

بصورتِ صدقِ سوال وصحتِ واقعہ اگر عورت نے باقاعدہ بعدِ مرافعہ وتفتیش بحکمِ قاضی مدتِ متعینہ تک انتظار کیا ہے اور قاضی کے مفقود کی موت کے فیصلہ کی وجہ سے عدتِ وفات (چار مہینے دس دن) گذار رہی ہے، تو بعدِ تکمیلِ عدت شرعاً دوسری شادی کرنے کی اجازت ہے، بشرطیکہ بعد المرافعہ یہ تفریق قاضئ شرع (یا مسلم پنچایت) کی جانب سے ہوئی ہو۔ (مستفاد از الحیلۃ الناجزۃ ص:۸۴،۸۳)

فقط واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح	الجواب صحیح	حررہ العبد محمد مصباح اللہ عفا اللہ عنہ
محمد صلاح الدین عفی عنہ	سید ولی اللہ غفرلہ	۲۱/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ
۲۱/۵/ ۱۴۳۳ھ	۲۱/۵/ ۱۴۳۳ھ	

شوہر کے عنین ہونے کی بناء پر نکاح فسخ کرنا

سوال(۸۳):

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ میرے فرزند عبد الرحیم کا نکاح ۲۸/۰۹/ ۲۰۰۳ء کو ہوا، کچھ دن اچھی طرح سے تھے، لڑکے کی طبیعت کے بارے میں مجھے کچھ بھی معلوم نہیں تھا، دولہا اور دلہن دونوں نے کچھ نہیں کہا، البتہ میری بہن کے پاس لڑکا طبیعت کی کمزوری کو ظاہر کیا ہے، بہن کے کہنے پر مجھے معلوم ہوا، اس وقت عید قریب تھی، ہم نے سوچا کہ عید کے بعد مدراس لے جاکر علاج کرائیں گے، عید کے دن دولہا دولہن ملاقات کے لئے ان کے گھر گئے، جاتے وقت

دولہن تمام زیورات لے کر چلی گئی، میں نے فون کر کے بلایا تو کہنے لگی ہمارے والدین نہیں بھیجتے، دوسرے دن لڑکی کے گھر سے بات کرنے کے لئے دو آدمی آئے، ہم نے کہا اتنے دنوں سے بچہ کی کمزوری معلوم نہیں تھی، اب لے جاکر علاج کرائیں گے، انہوں نے بچی کو بھیجنے سے انکار کر دیا، اور کہا کہ لڑکا آتا جاتا رہے، خیر اسی کے مطابق جب لڑکا ان کے گھر گیا تو دلہن اور اس کے والدین نے بالکل عزت نہیں کی، بلکہ غصہ میں دلہن کے والد نے لڑکے کی پٹائی کی، اسی وقت لڑکا گھر آگیا، پھر دوسرے دن جانبین کے درمیان بات چیت ہوئی، تین ماہ کی مہلت پر علاج کر کے سرٹیفکیٹ بتانا طے ہوا، ایک ماہ دوا کھانے پر ہی لڑکا ٹھیک ہو گیا، ڈاکٹر سرٹیفکیٹ بھی حاصل کر لئے گئے، دلہن کو بلایا گیا، تو لڑکی والوں نے تین ماہ سے قبل بھیجنے سے انکار کر دیا، ہم لڑکی کو چھوڑنا نہیں چاہتے ہیں، نبھانا چاہتے ہیں۔

حل طلب سوال یہ ہے کہ درمیان میں اگر خلع ہو جائے تو لڑکے والوں کی جانب سے لڑکی کو دئے گئے سونے کے زیورات، کپڑے اور دوسرے تحائف کے حق دار شرعی حیثیت سے کون ہوں گے؟ براہِ کرم مذکورہ مسئلہ پر شریعتِ مطہرہ کے مطابق فیصلہ کیا ہے آگاہ فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامدا ومصلیا ومسلما!

صورتِ مسئولہ میں طلاق یا خلع کا فیصلہ کرنا شرعاً غلط ہے، اگر لڑکا نامرد ہے تو اُس کو شریعت علاج کے لئے ایک سال کی مہلت دیتی ہے، اگر ایک سال کے علاج کے بعد بھی صحت مند نہ ہوا تو پھر طلاق یا خلع کے ذریعہ تفریق ہو سکتی ہے(۱)، الغرض

---

(۱) اذا رفعت المرأة زوجها الی القاضی وادعت انه عنین وطلبت الفرقة فان القاضی (باقی اگلے صفحے پر)

خلع کی صورت میں مہر معاف ہو جاتا ہے، اگر شوہر نے ادا کر دیا ہے تو واپس حاصل کر لیں ورنہ یعنی ابھی تک شوہر نے ادا نہیں کیا ہے تو اُس سے مہر طلب نہ کریں، باقی کپڑے زیورات وغیرہ دولہا کی طرف سے دئے گئے مالوں کا حکم یہ ہے کہ اگر شوہر نے تحفۃً وملکاً وہ چیزیں دی تھیں تو وہ سب عورت یعنی دلہن کی ہیں، اگر عاریۃً دی تھیں تو شوہر ہی مالک ہے، اگر کسی بات کی وضاحت نہیں کی تو عرف وماحول کا اعتبار ہوتا ہے، چونکہ ہمارے عرف وماحول میں تحفۃً دینے کا رواج ہے، اس لئے دلہن ہی ان چیزوں کی حقدار ہوگی۔ (مستفاد از فتاوی محمودیہ ج/۳ص/۳۳۴ قدیمی)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ
۲۹/ محرم الحرام ۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح
احمد سعید عفی عنہ
۲۹/ محرم الحرام ۱۴۲۴ھ

اگر بیوی شوہر کے عنین ہونے کا دعوی کرے؟

سوال (۸۴):

بخدمت مفتی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ زید کا نکاح ہندہ سے تقریباً دس ماہ پہلے ہوا تھا، ۴/ماہ تک اِزدواجی زندگی میں کسی قسم کی شکایت پیش نہیں آئی، چار ماہ بعد ہندہ میکہ گئی، اپنے گھر والوں اور رشتہ داروں سے ہندہ نے

(پچھلے صفحے کا مابقیہ)........اجلہ سنۃ جاءت المراءۃ بعد مضی الاجل الی القاضی وادعت انہ لم یصل الیھا......ان اختارت الفرقۃ امر القاضی ان یطلقھا طلقۃ بائنۃ۔ (الفتاوی الہندیۃ ج/۱ص/۵۵۰)

شکایت کی کہ زید جسمانی اعتبار سے بیوی کا حق ادا کرنے سے قاصر ہے، اس شکایت پر زید کے گھر والوں نے ہندہ سے پوچھا کہ اب تک جو غسل کیا جاتا تھا اس کا مطلب کیا ہے، اس پر ہندہ نے جواب دیا کہ وہ غسل یوں ہی برائے نام کیا گیا تھا، اس کے دو ماہ بعد ہندہ کے گھر والوں نے کہا کہ ہماری بیٹی شکایت کر رہی ہے، اس لئے زید کا معائنہ کسی ڈاکٹر سے کرایا جائے اور رپورٹ پیش کی جائے کہ وہ مرد ہے یا نہیں۔ ہندہ کے گھر والوں کے کہنے کے مطابق ڈاکٹر سے معائنہ کرایا گیا تو رپورٹ آئی کہ زید مباشرت کے بالکل قابل ہے، البتہ کچھ عام جسمانی کمزوری ہے جس کا علاج آسانی سے کر سکتے ہیں، لیکن ہندہ اور اس کے گھر والے اِس رپورٹ کو ماننے کے لئے بالکل تیار نہیں۔ طرفین کے رشتہ داروں نے آپس میں ہندہ سے بات چیت کی اور تسلی دینے کی کوشش کی تو ہندہ نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ فیصلہ کر دو۔ اس کے باوجود رشتہ داروں نے ہندہ کو سمجھایا کہ ۳ یا ۶/ ماہ تک شوہر کے ساتھ زندگی گذارے (تاکہ زید کا علاج بھی کیا جاسکے) اس بات پر ہندہ راضی ہوئی، اور زید کے ہاں آگئی، لیکن ایک دو ماہ کے اندر پھر میکہ چلی گئی، جس کے بعد ہندہ کے گھر والوں نے زید کے گھر والوں سے کہا کہ ہماری بیٹی کہتی ہے کہ آپ لوگ میرے بارے میں فکر نہ کر کے ایسے ہی رہے تو کچھ دوائی وغیرہ کھا کر اپنی زندگی ختم کرلوں گی۔ زید نے ہندہ کے گھر والوں سے بطور جوڑے کے ۳۰،۰۰۰ روپئے رقم لی تھی، اور زید کی طرف سے ہندہ کو چھ ہزار روپئے مالیت کا زیور ڈالا گیا، براہِ کرم جواب عنایت فرمائیں۔

(۱) زید ہندہ کو چھوڑنے بالکل تیار نہیں ہے، لیکن ہندہ زید کے ساتھ کسی صورت میں رہنے کو تیار نہیں ہے، اور فیصلہ کرنے کو کہتی ہے، ایسی صورت میں شرعی حکم کیا ہے؟

(۲) اگر ہندہ اپنی بات پر مُصر رہے اور کسی بھی صورت میں نباہنے کو تیار نہ ہو تو زید کی طرف سے دئے گئے زیورات اور ہندہ کے گھر سے دئے ہوئے زیورات، دوسری چیزیں اور رقم کے بارے میں کیا حکم ہے؟

(۳) ہندہ کے گھر والوں کا کہنا ہے کہ تفریق کر دی جائے، لیکن بطورِ تلافی ۵۰،۰۰۰ روپئے ادا کئے جائیں یا بصورتِ دیگر زید کے چھوٹے بھائی سے ہندہ کا نکاح کر دیا جائے، جبکہ مطلوبہ رقم کی ادائیگی سے زید اور اس کے گھر والے قاصر ہیں، اور زید کے چھوٹے بھائی سے نکاح کے لئے زید کا بھائی اور والدین بالکل تیار نہیں ہیں۔

(۴) ہندہ کے گھر والوں کا بطورِ تلافی رقم مانگنا کس حد تک صحیح ہے؟ ان مسائل کا حل کیا ہے؟ شریعت کی روشنی میں جواب مرحمت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب و باللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

(۱) سوالات کے سچ ہونے کی صورت میں ہندہ اپنے شوہر سے خلع حاصل کرلے، کیونکہ شرعاً جدائیگی کی کوئی وجہ نہیں ہے اور ڈاکٹر کی رپورٹ سے بھی زید تندرست ہے تو اب طلاق دینے کی اجازت نہیں، لہٰذا ہندہ کی مرضی نہیں ہے تو وہ خلع لے لے، (۱) اور حدیثِ شریف میں بلاوجہ طلاق مانگنے والی عورت کو منافق کہا گیا ہے۔ (نسائی) ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا جو عورت بغیر شرعی وجہ کے طلاق کا مطالبہ کرتی ہے اُس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔ (مشکوۃ شریف ص ر ۲۸۳)

---

(۱) عن ثوبان رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ایما امرءۃ سئلت زوجها طلاقا فی غیر ما بأس به فحرام علیه رائحة الجنة۔ (مشکوۃ شریف: ۲۸۳)

(۲) اذا تشاق الزوجان و خافا ...... بمال یخلعها به۔ (الفتاوی الہندیہ ج ر ۱ ص ر ۵۱۹)

(۲) بصورتِ فرقت وجدائیگی ہندہ کے گھر والوں کی طرف سے دیئے گئے زیورات اور کپڑے وغیرہ اور زید کی طرف سے دیئے گئے زیورات اور کپڑے وغیرہ ہندہ ہی کے ہوں گے، کیونکہ ہمارے عرف وماحول کے مطابق شوہر کی طرف سے زیورات اور کپڑے وغیرہ تحفۃً دیئے جاتے ہیں۔(۱)

(۳) طلاق یا خلع سے علیحدگی کی صورت میں ہندہ کے گھر والوں کا بطورِ تلافی چھوٹی بڑی کسی رقم کا مطالبہ کرنا شرعاً حرام ہے، حدیثِ شریف میں صاف موجود ہے کہ کسی مسلمان کا مال اُس کی خوش دلی کے بغیر لینا حلال نہیں ہے۔ (الحدیث)(۲) اسی طرح زید کے چھوٹے بھائی سے نکاح کرنے کی شرط بھی شرعاً غلط ہے۔ ایسے مطالبات سے توبہ کرنا ضروری ہے، کیونکہ ایک شخص کے نکاح میں رہتے وقت دوسرے سے نکاح کی بات کرنا از روئے شرع حرام ہے۔ البتہ زید کے گھر والوں نے تیس ہزار کی رقم جو ہندہ کے گھر والوں سے حاصل کی ہے اُس کو واپس کرنا ضروری ہے۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ
۱۱ر ربیع الاول ۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح
سبیل احمد غفرلہ
۱۱ر ربیع الاول ۱۴۲۴ھ

---

(۱) والذی یجب اعتبارہ فی دیارنا ان جمیع ما ذکر من الحنطة واللوز والدقیق والسکر والشاة الحیة وباقیها یکون القول فیها المرأة لان المتعارف فی ذلک کله أن یرسله هدیة۔ (ردمحتار ج/۴ ص/۳۰۳)

(۲) الا لا تظلموا الا لا یحل مال امرء مسلم الا بطیب نفس منه۔ (مشکوۃ شریف:۲۵۵) ومن السحت ما یؤخذ علی کل مباح، الرشوة لاتملک بالقبض۔ (ردمحتار ج/۹ ص/۶۰۷)

مجبوری میں معتدہ کا کمائی کے لئے نکلنا

سوال(۸۵):

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ میں ایک اسکول میں ٹیچر ہوں، میرے دو بچے ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہے، دونوں زیرِ تعلیم ہیں، اسکول کی ملازمت ہی واحد ذریعۂ معاش ہے، اسی پر گذر بسر کا انحصار ہے، اب میرے شوہر انتقال کر گئے ہیں، اس کے لئے عدت کی شرعی مدت کیا ہے، بڑی بوڑھی عورتوں کا کہنا ہے ۴۰ر دن عدت کے لئے بس ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟ اسکول میں ایک ساتھ لمبی چھٹی تو مل نہیں سکتی اور اس کی خاطر میں ملازمت بھی نہیں چھوڑ سکتی۔ علاوہ ازیں B.Ed کے امتحان کے لئے مجھے شہر سے باہر جانا ہے، سب سے بڑی بات میں جس اسکول میں نوکری کر رہی ہوں وہ اسکول زیرِ تعمیر ہے، وضو اور استنجاء کے لئے انہیں معماروں کے درمیان سے گذرنا پڑتا ہے۔ حل طلب سوال یہ ہے کہ میں ایک بیوہ ہوں، مجھے ایامِ عدت کتنے دن گذارنے ہیں؟ مجھے اس دوران کن کاموں سے رکنا چاہیئے؟ ملازمت کی خاطر آنے جانے میں کن شرائط کی پابندی کرنی ہے؟ مفصل واضح فرمایئے۔ ذرہ نوازی ہو گی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامدا ومصلیا ومسلما!

صورتِ مسئولہ میں وفات کی عدت چار مہینے دس دن ہے، اور یہ عدت قرآنِ کریم سے صراحۃً ثابت شدہ ہے وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا۔ (سورۃ البقرۃ) لہٰذا چار مہینہ دس دن کی عدت آپ پر فرض ہے اور اُس سے کم کی عدت شرعاً حرام اور ناجائز ہے، بوڑھی عورتوں کا قول سراسر

جہالت اور شریعت سے لاعلمی ہے۔ چار مہینے دس دن کے لئے سرکاری ملازمت سے چھٹی لے لیں اور عدت گذاریں، اگر چھٹی نہیں مل سکتی یا کوئی دوسرا سخت شرعی عذر ہے تو دورانِ عدت ملازمت کے لئے گھر سے باہر نکلنا جائز ہے، مگر شرط یہ ہے کہ پردے کا پورا اہتمام کیا جائے، اور رات کو اپنے مقام پر آجائے، اپنے مقام کو چھوڑ کر عدت کے دوران کہیں اور رات گذارنا ناجائز ہے۔(۱) (مستفاد از فتاویٰ رحیمیہ ۵/۳۹۷ قدیمی)

فقط واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح
العبد سبیل احمد غفرلہ
۲۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ
۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ

مطلقہ اپنی عدت کہاں اور کیسے گزارے؟

سوال (۸۶):

محترم ومکرم مفتی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دیگر احوال یہ ہے کہ میرا نکاح عبد الواحد سے ہوکر تقریباً ۱۳/ سال ہوگئے، لیکن آپسی نااتفاقی کی وجہ سے جماعت کے روبرو حاضر ہوئے، میں نے کہا کہ میں خود ہی شوہر کے پاس زندگی بسر کرنا نہیں چاہتی، اس لئے مجھے طلاق دے دو، یہ کہنے پر میرے شوہر مجھے طلاق دے دئے، اب میں اکیلی ہوں، میرے ساتھ دو بچے: ایک ڈھائی سال کا لڑکا اور ایک نو سال کی لڑکی ہے اور بوڑھی ماں بھی ہے، میں نوکری کر کے ہی اپنی روزی کا بندوبست کر سکتی ہوں، اس حال میں میری عدت کا مسئلہ کیا ہے اور میں

(۱) ومعتدۃ الموت تخرج نہارا او بعض اللیل ولا تبیت فی غیر منزلھا۔ (مجمع الانہر ۲/۱۵۴)

عدت کیسے گذاروں؟ براہِ مہربانی تفصیل سے معلوم کرائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداومصلیاومسلما!

بصورتِ صدقِ سوال طلاق دینے کے وقت سے عدت تین ماہواری گذرنے تک شوہر کے گھر یا اُس کی اجازت سے اپنے میکے میں عدت گذارنے کی صورت میں شوہر کے ذمہ تمہارا اور تمہاری اولاد کا نان ونفقہ لازم ہے، لہذا عدت کے دوران کمانے کے لئے نکلنا جائز نہیں، اور اگر شوہر کی اجازت کے بغیر اس کے مکان سے کسی دوسری جگہ چلی گئیں تو شوہر کے گھر عدت نہ گذارنے کی وجہ سے نان ونفقہ کی حق دار نہیں ہوں گی، اور نہ ہی کمانے کے لئے نکلنے کی اجازت ہو گی اِلا یہ کہ کوئی بھی ذریعۂ معاش نہ ہو اور جان جانے کا خوف ہو۔

المعتدة عن الطلاق تستحق النفقة والسكنى كان الطلاق رجعيا أو بائنا أو ثلاثا (الفتاوی الہندیۃ ۱/ ۵۷۹) قال فی الهداية واما المتوفى عنها زوجها فلأنه لا نفقة لها فتحتاج الى الخروج نهارا لطلب المعاش ... ولا كذلك المطلقة لان النفقة دارة عليها من مال زوجها ... ولا نفقه لخارجة من بيته وهى الناشزة حتى تعود۔

(الدر مع الرد ۵/ ۲۸۶، ۲۲۴)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد مصباح اللہ عفا اللہ عنہ
۳۰/ رجب المرجب ۱۴۳۴ھ

الجواب صحیح
سید ولی اللہ غفرلہ

الجواب صحیح
محمد صلاح الدین عفی عنہ
یکم شعبان ۱۴۳۴ھ ۱/ ۸/ ۱۴۳۴ھ

عورت عدتِ وفات کہاں گذارے؟

سوال(۸۷):

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ میری سالی کی شادی ہوکر بیس سال ہوگئے، ان کو ایک لڑکی سترہ سال کی ہے اور دوسری لڑکی دس سال کی ہے ،۱۸/ دن پہلے میرے ساڑھو صاحب انتقال ہوگئے جو چھ مہینہ سے بیمار تھے،اب میری سالی اپنے سسرال میں ہے، وہاں پر اُن کی جٹھانی اور ہماری بڑی سالی ہے، نیز اُس گھر میں سالی کے دو دیور ہیں جو غیر شادی شدہ ہیں،اور میری سالی کے ساتھ میری ایک غیر شادی شدہ چھوٹی سالی بھی ہے، کیونکہ وہ اکیلی ہیں،اب میری سالی عدت کہاں گذارے؟ شریعت کی رو سے مسئلہ کی وضاحت کریں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق !حامداومصلیاومسلما!

صورتِ مسئولہ میں تمہاری سالی پورے پردہ کے ساتھ اپنے وفات شدہ شوہر کے گھر ہی عدت گذارے ،عدت (چار مہینے دس دن) مکمل کرکے اپنی ماں کے گھر منتقل ہوجائے۔(۱) (کذافی الہدایۃ ۲/ ۴۲۸)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۱۶/ شوال المکرم ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح

العبد اجتباء الحق

۱۶/ شوال المکرم ۱۴۲۹ھ

---

(۱)وعلی المعتدۃ أن تعتد فی المنزل الذی یضاف الیہا بالسکنی حال وقوع الفرقۃ أو الموت۔

(ہدایۃ ۲/ ۴۲۸وکذافی الدر مع الرد ۵/ ۲۲۵)

عدت میں کاروبار کرنے کا شرعی حکم

سوال(۸۸):

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ میری بیٹی کا نکاح محمد امین سے ہوا، شادی کے بعد کچھ پرانی دشمنی کی بناء پر میری بیٹی کو سسرال والے تنگ کرتے تھے، اور خود اپنے بیٹے محمد امین کو بہت مقروض بنادیئے، تجارت میں نقصان اور بیوی کو ستانے کی وجہ سے تنگ آکر محمد امین اپنی بیوی کو لے کر بمبئی چلے گئے، اور وہیں تجارت شروع کر دیئے، بتاریخ ۰۹/۰۶/۲۰۰۲ سنہ محمد امین ایک لاری کے حادثہ میں اچانک انتقال کر گئے۔ اُن کے انتقال کے وقت سوائے دوائی کی ایک دوکان کے دوسری جائیداد یا آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں تھا، اگر تجارت کو میری بیٹی کے سسرال والوں پر بھروسہ کر کے دیا جائے تو اس کا بڑا نقصان ہونے کا اندیشہ ہے، ہمارے سمدھی خود تجارت کرنے پر آمادہ نہیں، اگر کسی باہر والے پر بھروسہ کر کے چھوڑ دیا جائے تو دوکان کے ضائع ہو جانے کا خوف ہے، اس لئے میری بیٹی خود اس تجارت کو اپنے قبضہ میں لے لی، اور خادموں کے ذریعہ تجارت شروع کر دی، نگرانی کے لئے اس کا دوکان جانا ضروری ہو گیا، بالکل پردہ کے ساتھ دوکان جاتی ہے، شام کو دوکان بند کر کے اپنے گھر آجاتی ہے، اگر وہ دوکان نہ جاتی تو تجارت میں بڑا نقصان ہونے کا اندیشہ تھا، سوال یہ کہ مذکورہ حالات پر میری بیٹی کا عدت میں اپنا گھر چھوڑ کر تجارت کے لئے باہر جانا اور رات کو گھر واپس ہونا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

صدقِ سوال کی صورت میں اگر آپ کی لڑکی دورانِ عدت کاروبار بند کر کے

عدت مکمل ہونے تک نان ونفقہ وگذران پر طاقت رکھتی ہے تو کاروبار بند کر دینا چاہیے اور عدت کے بعد شروع کرنا چاہیے، اور اگر اس پر قادر نہیں ہے، اپنا خرچ خود ہی کمانا ہے، یا دکان بند کرنے پر بہت نقصان کا اندیشہ ہے اور دوسرا کوئی معتمد اور قابلِ بھروسہ شخص اُس کو چلانے کے لئے نہیں ہے تو صبح سے شام تک کاروبار سنبھالنے کے لئے پردہ کی پوری پابندی کے ساتھ دوکان جاسکتی ہے، اور رات اپنے گھر پر ہی گذارنا ضروری ہے، نیز غروب کے بعد سے صبح تک گھر پر رہنا شرعاً لازم ہے۔ والمعتدة الموت تخرج نهاراً او بعض الليل اذ نفقتها عليها فتضطر الى الخروج لاصلاح معاشها۔

(مجمع الانہر ج/۲ ص/۱۵۳، ۱۵۴)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۱۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ

ناشزہ بیوی کا خرچ شوہر کے ذمہ واجب نہیں

سوال (۸۹):

بخدمت مفتی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عرض یہ ہے کہ میری اہلیہ زینب بیگم بنت عبد الرحیم مجھ سے ناراض ہوکر تین ماہ سے اپنے میکے میں جاکر بیٹھ گئی، اور وہ اب حمل سے بھی ہے، میرے بلانے پر یا جماعت کے فیصلہ کرنے پر بھی میرے گھر کو نہیں آتی ہے، مگر اہلیہ اور ساس مجھ سے خرچ اور علاج کے لئے برابر پیسے مانگتے ہیں، میں کبھی کبھی علاج کرواتا ہوں اور خرچ کے لئے بھی رقم دیتا ہوں، لیکن میں خود اُن کے گھر کے پاس جاؤں تو میری اہلیہ کے

گھر والے مجھ کو گالی گلوچ دے کر بھگا دیتے ہیں۔

حل طلب سوال یہ ہے کہ کیا شوہر سے ناراض ہو کر میکے جانے کے بعد بھی بیوی کے نان ونفقہ اور علاج ومعالجہ کا ذمہ دار شوہر ہوتا ہے؟ بالتفصیل جواب دے کر ممنون فرمائیں، مہربانی ہوگی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامدا ومصلیا ومسلما!

سوال کے سچ ہونے کی صورت میں شرعاً آپ پر اپنی اہلیہ کی خرچ کی ذمہ داری نہیں ہے، جبکہ شرارت ونافرمانی آپ کی اہلیہ کی طرف سے ہو اور خود ہی آپ کے گھر سے نکل گئی ہو، جب تک وہ اس طرح رہے گی اُس وقت تک اس پر خرچ کرنا ضروری نہیں۔ ولا نفقة لناشزة ای عاصية ما دامت على تلك الحالة الى قوله خرجت الناشزة من بيته خروجاً حقيقيا او حكميا بغير حق۔ (مجمع الانہر ج/ ۲ ص/ ۱۷۹)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۲۶/ محرم الحرام ۱۴۲۳ھ

پرورش کا خرچ قسط وار دینا جائز ہے

سوال (۹۰):

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے میں کہ میں اپنی بیوی کو چند وجوہات کی بناء پر ازروئے شرع بذریعہ طلاق اپنی زوجیت سے علیحدہ کر دیا، گیارہ ماہ کی ایک لڑکی ہے جو ماں کے زیرِ پرورش ہے، بچی کی پرورش کے واسطے اس کی عمر نو

سال ہونے تک ہر ماہ تین سو روپئے ادا کرنا جماعت سے منظور ہوا ہے، مطلقہ عورت کے ذمہ دار تقاضا کرتے ہیں کہ نو سال کی کل رقم یکمشت ادا کر دو، اب میرے پاس اتنی وسعت نہیں ہے، چونکہ میں ایک ملازم آدمی ہوں، ہر ماہ کی تنخواہ سے جماعت سے طے شدہ رقم باقاعدہ ادا کرتا رہوں گا۔

حل طلب سوال یہ ہے کہ کیا مطلقہ عورت بچی کی دیکھ بھال کے لئے پوری رقم کا یکمشت مطالبہ کر سکتی ہے؟ اُس کا یہ مطالبہ از روئے شرع درست ہے یا نہیں؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامدا ومصلیا ومسلما!

صدقِ سوال کی صورت میں چونکہ سائل کی معاشی حالت ٹھیک نہیں ہے اور وہ ماہانہ مذکورہ رقم ادا کرنے کا وعدہ بھی کرتا ہے تو شرعاً اس کے لئے اجازت اور گنجائش ہے کہ وہ قسط وار ماہانہ طے شدہ رقم پابندی سے ادا کر دے جس کی نظیر فقہ کی اس عبارت سے ملتی ہے۔ **ونفقة البنت بالغة والابن زمنا علی الاب خاصة وبه یفتی وهذا اذا لم یکن معسراً فان المعسر یجعل کالمیت۔** (الدر المنتقیٰ ج/۲ ص/۱۹۴) یعنی اگر باپ تنگدست ہو تو سرے سے نفقہ ہی ساقط ہو جاتا ہے، لہٰذا عورت کا یکمشت پوری رقم کا مطالبہ کرنا شرعاً درست نہیں ہے، ماہانہ قسط وار رقم حاصل کر کے وہ بچی کی پرورش کرے، واضح رہے کہ جو تنگ دست نہ ہو اُس کے لئے بھی قسط وار ادا کرنے کی اجازت ہے۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۴/ صفر المظفر ۱۴۲۲ھ

الجواب صحیح

سبیل احمد غفرلہ

۴/ صفر المظفر ۱۴۲۲ھ

حقِ پرورش کب ساقط ہوتا ہے؟

سوال(۹۱):

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ زید احمد کی شادی حواما سے ہوکر تقریباً ۴/ سال کا عرصہ ہوا، ان کی دو اولاد ہے، ایک لڑکا ڈیڑھ سال کا اور ایک لڑکی ایک سال کی ہے، شوہر کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے مرد کے ساتھ اپنے بچوں کے ہمراہ چلی گئی، تین ماہ بعد اپنے میکے واپس آئی ہے، ایسی ہی ناروا حرکت اس سے قبل بھی ایک مرتبہ ہوئی، ان کے خاندان کے ذمہ داروں نے ایک مرتبہ معاف کر دینے کی درخواست کی اور کہا کہ آئندہ اس طرح کی حرکت بالکل نہیں کرے گی، لیکن اس عہد وقرار کے بعد بھی دوبارہ غلطی ہوئی ہے، حل طلب سوال یہ ہے کہ ایک شادی شدہ عورت کا راہِ فرار اختیار کرلینا کہاں تک درست ہے؟ کیا اس قسم کی حرکت پر شوہر کا طلاق دینا شرعاً درست ہے؟ کیا غیر شرعی حرکت کی بناء پر طلاق دینے کی صورت میں مہر اور عدت کا نفقہ ادا کرنا ضروری ہے؟ بچوں کی دیکھ بھال اور پرورش کی صورت میں بچوں کا خرچہ دینا باپ کے ذمہ کب تک واجب ہے؟ مفصل معلوم فرمایئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامدا ومصلیا ومسلما!

صدقِ سوال کی صورت میں شوہر کی اجازت کے بغیر عورت کا گھر سے باہر نکلنا شرعاً درست نہیں ہے، ایسی عورت اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ اور شوہر کی نافرمان ہے، اور ایسی عورت پر اسلام نے لعنت کی ہے، پہلی مرتبہ معاف کرنے کے باوجود غلطی ونافرمانی ہوئی ہے تو ذمہ دار حضرات اپنی صوابدید پر فیصلہ کریں کہ پھر ایک بار معاف کرنے کی صورت میں وہ اپنے کرتوت سے باز آسکتی ہے یا نہیں، اگر اصلاح اور

درستگی کا امکان ہے تو طلاق پر اقدام نہ کرے، ورنہ یعنی اصلاح کی امید کم ہے اور مزید ماحول گندا ہو سکتا ہے اور بچوں پر برا اثر پڑ سکتا ہے تو طلاق دینے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں، طلاق دی جاسکتی ہے، فرقت وجدائی کی صورت میں شوہر پر مہر ادا کرنا ضروری ہے، اور عدت کا خرچ اگر گھر سے بھاگنے کے بعد شوہر کے گھر نہیں آئی بلکہ اپنے میکے یا کہیں اور چلی گئی تو نہیں دیا جائے گا، کیونکہ از روئے شرع نافرمان عورت نفقۂ عدت کی مستحق نہیں ہوتی ہے۔

لا نفقة لاحد عشر الی قوله وخارجة من بيته بغير حق۔ (در مختار مطبوعہ زکریا دیوبند ج/۵ ص/ ۲۸۵، ۲۸۶) **ولا نفقة لناشزة ای عاصية مادامت علی تلك الحالة۔**

(مجمع الانہر ج/۲ ص/۱۷۹)

لڑکا سات سال تک اور لڑکی نو سال تک ماں کے پاس پرورش پائے گی اور خرچ باپ کے ذمہ ہو گا، سات سال کے بعد لڑکے کو اور نو سال کے بعد لڑکی کو اپنی پرورش اور تربیت میں لینے کا باپ کو شرعاً حق حاصل ہے۔

اگر ماں فاجرہ اور فاسقہ ہو (جیسا کہ صورتِ مسئولہ میں ہے) تو اُس کا حقِ پرورش ساقط ہو جاتا ہے، یعنی ماں کے پاس رکھنے کی صورت میں بچوں کے اخلاق خراب اور اُن کی تربیت ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو نانی کے حوالے کیا جائے گا، نانی نہ ہو یا نانی کے پاس رکھنے کی صورت میں بھی وہی خدشہ ہو تو دادی پھر خالہ پھر پھوپھی پرورش کرے گی، اور باپ اپنی طرف سے مقررہ مدت تک خرچ دیتا رہے گا، جیسا کہ کتبِ فقہ میں اس کی صراحت موجود ہے، اسی طرح اگر ماں کی شادی بچوں کے نامحرم سے ہو جائے تو بھی اُس کی پرورش کا حق ساقط ہو جاتا ہے۔ **ومن نكحت غير محرمه سقط حقها لا من نكحت محرمه ،ولا يدفع الی محرم لا يؤمن علی صبی وصبية**

بفسقه۔ (ملتقی الابحر مع مجمع الانہر ج/ ۲ ص/ ۱۶۹، ۱۷۱)

فقط واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح	الجواب صحیح	حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ
سبیل احمد غفرلہ	احمد سعید عفی عنہ	۲۷/ ۴/ ۱۴۲۴ھ
۲۷/ ۴/ ۱۴۲۴ھ	۲۷/ ۴/ ۱۴۲۴ھ	

منہ بولے ماں باپ حقِ پرورش کے مستحق نہیں

سوال (۹۲):

حضرت مفتی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج بخیر ہوں گے۔ میرا ایک مسئلہ ہے جسے آپ حل فرمائیں، اللہ تعالیٰ آپ کو اجرِ عظیم سے نوازے۔ مجھے شادی ہو کر تین سال ہوتے ہیں، ہم میاں بیوی بحمد اللہ ہنسی خوشی محبت کے ساتھ زندگی گذار رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک بیٹی سے بھی نوازا، میری بیوی کو دوسرا حمل ٹھہرا، جس کے دوران ایک بیماری میں اچانک اُن کا انتقال ہو گیا، اب بیٹی کی عمر تقریباً ڈیڑھ سال ہے، بیوی کے انتقال کے بعد میری زندگی بجھ سی گئی اور مرحومہ کی محبت میں اس قدر مغلوب ہوں کہ بہت سے دوستوں عزیزوں کے سمجھانے کے باوجود میں اب تک دوسری شادی نہیں کر سکا۔

اب میں راضی ہو رہا ہوں تو مسئلہ یہ ہے کہ میرے سسرال کے لوگ کہتے ہیں کہ اگر میں نے دوسری شادی کر لی تو میری بیٹی کو ان کے حوالے کرنا ہو گا، جس کے تصور سے بھی میں کانپتا ہوں، کیونکہ اب میری زندگی کا سرمایہ اور میری ساری دلچسپیوں کا مرکز میری بیٹی ہی ہے، میں اپنی فرصت کے اوقات مرحومہ کی آخری

نشانی میری بیٹی کے ساتھ گزارتا ہوں، جس سے میرے دل کو بہت سکون ملتا ہے، آپ راستہ بتایئے کہ دوسری شادی کے بعد میری بچی میرے ساتھ رہے، میری مرحومہ بیوی کی والدہ نہیں ہیں اور نہ ہی کوئی بہن یا بھائی، صرف والد ہیں اور اُن کی دوسری بیوی کے بچے۔ وہ لوگ تو خاموش ہیں، لیکن مرحومہ کے لے پالک ماں باپ اور بھائی بہن ہیں، جو میری بیٹی کو اپنے پاس رکھنا چاہتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ بچی پر ماں کے بعد نانی اور خالہ کا حق ہے، لیکن بچی کی سگی نانی اور خالہ نہیں بلکہ منہ بولی نانی اور خالہ ہیں، مگر سگی دادی موجود ہیں، تو ان میں سے کن کا حق ہے؟ میں نے سنا ہے کہ اسلام میں لے پالک کا حق نہیں ہے، خاص طور پر یہ بتائیں کہ نانا اور سوتیلی نانی وخالہ کا کیا حق ہے؟ اور اگر ہے تو کس کا حق پہلے ہے؟ براہِ کرم مجھے کوئی راستہ بتایئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بہتر بدلہ عطا فرمائے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

بصورتِ صحتِ واقعہ ماں کے بعد لڑکی کی پرورش کا حق نانی کو پھر دادی کو ہے (نانی نہ ہو تو پر نانی اِسی طرح دادی نہ ہو تو پر دادی اوپر تک حقدار ہوں گے)۔ صورتِ مسئولہ میں ماں کے بعد حقیقی نانی نہ ہونے کی وجہ سے پرورش کا حق ازروئے شرع دادی کو ملے گا(۱)، اور شریعتِ اسلامیہ میں منہ بولے ماں باپ اور بھائی بہن کا پہلے اعتبار تھا مگر بعد میں اس کو منسوخ کر دیا گیا، یعنی لے پالکوں کو منہ بولے ماں باپ کی طرف منسوب کر کے جو پکارا جاتا تھا، شریعتِ اسلامیہ میں اس کو ختم کر کے حقیقی

(۱) الأم أحق بحضانة ولدها قبل الفرقة وبعدها ثم امها وان علت ثم ام الاب ثم اخت الولد لأبوين۔

(مجمع الأنہر ۲/ ۱۶۶ اوکذا فی الدر مع الرد ۵/ ۲۵۳-۲۶۵)

ماں باپ کی طرف منسوب کر کے پکارنے کی تاکید آئی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَاءَ كُمْ اَبْنَاءَ كُمْ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ...الى قوله تعالىٰ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآءِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللهِ۔ (سورۃ الاحزاب:۴،۵) اس آیت کی تفسیر میں مفسرِ علام شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ ایسے ہی ایک شخص کی حقیقۃً دو مائیں یا ایک بیٹے کے دو باپ نہیں ہوتے... الی قولہٖ زمانۂ جاہلیت میں کوئی کسی کو منہ بولا بیٹا بنالیتا تو سچ مچ بیٹا سمجھا جاتا تھا اور سب احکام اس پر بیٹے کے جاری ہوتے تھے، قرآنِ کریم نے ان رسوم و مفروضات کی بڑی شد و مد سے تردید فرمائی۔ (ترجمۂ شیخ الہند ص ۵۵۶)

لہٰذا حقیقی نانی نہ ہونے کی وجہ سے لڑکی حقیقی دادی کو ملے گی، اور حقیقی دادی کو بھی صرف پرورش کا حق ہے، نفقہ باپ کے ذمہ ہے(۱) اور بالغ ہونے کے بعد لڑکی اصلاً و شرعاً باپ کی ہوگی،(۲) اور کسی کی از روئے شرع بالکل نہیں ہوگی۔ (کذا فی احسن الفتاویٰ ۵/۴۵۹)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ
۱۲/ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح
سبیل احمد غفرلہ
۱۴/ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ

زانی سے حمل کا نسب ثابت نہیں ہوتا ہے

سوال (۹۳):

بخدمت حضرت مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

---

(۱) ونفقۃ الاولاد الصغار علی الاب لایشارکہ فیھا احد۔ (ہدایہ قدیمی ۲/۴۴۴)

(۲) اذا بلغ السن الذی ینزع من الام یأخذہ الأب ولا خیار للصغیر۔ (شامی مع الدر ۵/۲۷۰)

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ شمویل احمد نامی لڑکے کا ناجائز تعلق فاطمہ نامی لڑکی سے ۸/ مہینے سے ہے، لڑکی ۷/ ماہ کی حاملہ ہے، لڑکا انکار کرتا ہے جبکہ لڑکی اقرار کرتی ہے، لڑکا پہلے سے شادی شدہ اور تین بچوں کا باپ ہے، اور یہ دوسری لڑکی کنواری ہے، شرعاً اس کا فیصلہ کیسے ہو؟ درخواست ہے کہ جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداومصلیاومسلما!

بصورتِ صدقِ سوال وصحتِ واقعہ شرعاً ثبوتِ شرعیہ (چار عینی گواہ) یازانی کا اقرار ضروری ہے، اس کے بغیر محض شبہ سے یا عورت کے کہنے سے مذکورہ لڑکے کا زانی ہونا ثابت نہ ہوگا، لہٰذا وہ حمل ماں ہی کی طرف منسوب ہوگا اور اس کا خرچہ بھی ماں ہی پر ہوگا، نہ کہ زنا کرنے والے پر۔ البتہ اگر وہ اقرار کرلے تو اس کو تنبیہاً کوئی سزادی جاسکتی ہے، مگر پھر بھی اُس سے اُس حمل کا نسب ثابت نہیں ہوگا۔

(مستفاد از فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۱۱/ ۳۵)

تاہم اس لڑکی کا اس لڑکے کے ساتھ نکاح کردینا بھی شرعاً جائز ہے۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۵/ ذیقعدۃ الحرام ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح

العبد سبیل احمد غفرلہ

۵/ ذیقعدۃ الحرام ۱۴۲۷ھ

---

(۱)ویثبت الزنا باقرارہ ویثبت الزنا عندالحاکم ظاہراًبشھادۃ اربعۃ یشھدون علیہ بلفظ الزنا۔

(الفتاویٰ الہندیہ ۲/ ۱۵۸، ۱۵۹)

سامانِ جہیز کی مالک عورت ہوتی ہے

سوال(۹۴):

محترم ومکرم مفتی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دیگر گذارش یہ ہے کہ میری بہن پر طلاق واقع ہوچکی ہے، اس کے بارے میں مجھے ایک فتوی کی ضرورت ہے۔ میری بہن کا ۲/۵/۱۹۹۹ء میں نکاح ہوا، اب اس کو ایک بچی پیدا ہوئی ہے، وہ بچی گیارہ مہینہ کی ہے، اس وقت میری بہن کے شوہر نے میری بہن کو اہلِ جماعت کے روبرو تین مرتبہ طلاق دے دی، اس کے بعد زیورات اور جہیز کی چیزیں سب توڑ پھوڑ کر دئے ہیں، اور وہ لوگ جو کالی پوت اور زیورات ڈالے تھے وہ بھی نہیں دئے، اور کپڑے بھی پورے طور سے نہیں آئے، یہ ساری چیزیں (یعنی کپڑے کے سوا) اہلِ جماعت کے یہاں موجود ہیں، اب میری بہن اور اس کی بچی کا کیا ہوگا؟ اور بہن کی بچی کی پرورش کا شریعت میں کیا حکم ہے؟ مہربانی فرماکر مسئلہ بتائیں، عین نوازش ہوگی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداومصلیاومسلما!

صدقِ سوال کی صورت میں تینوں طلاقیں واقع ہوچکی ہیں اور بیوی شوہر پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی، سوائے حلالہ شرعیہ کے اور کوئی صورت نکاح کی نہیں ہے، لڑکی کو سسرال کی جانب سے جتنے زیورات اور کپڑے دئے گئے ہیں، اگر بطورِ ملکیت ہوں تو وہی لڑکی زیورات اور کپڑوں کی مالکہ ہوگی، اور اگر بطورِ عاریت ہوں تو شوہر اور سسرال والے مالک ہوں گے، اور اگر کسی بات کی وضاحت نہ ہو تو عرف وعادت اور ماحول کے مطابق عمل کیا جائے گا، اگر مستقل دینے کا رواج ہو تو عورت مالکہ ہوگی،

اور اگر عاریۃً دینے کا رواج ہو تو دینے والے ہی مالک ہوں گے۔

(مستفاد از فتاویٰ محمودیہ ۳/ ۳۳۴ قدیمی)

سامانِ جہیز لڑکی کی زندگی کے گذر بسر کے لئے دئے جاتے ہیں، لہذا وہ سب لڑکی ہی کے ہیں، جتنی چیزیں توڑدی گئی ہیں اُن کی تلافی شرعاً ضروری ہے۔ بچی کی پرورش کا حق ماں کے ذمہ ہے، بچی کی پرورش کا حق نو برس تک ہے، جب بچی نو سال کی ہو جائے گی تو باپ کو واپس لینے کا اختیار ہے۔ والجارية عندالام او الجدة حتى تحيض وعند محمد حتى تشتهى كما عند غيرهما وبه يفتى لفساد الزمان وفى الخلاصة وغيرها وعليه الاعتماد وحد الشهوة تسع سنين۔ (ملتقى الابحر ج/ ۲ ص/ ۱۷۰)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۷/ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ

خلع کے لئے زیورات کی واپسی کی شرط لگانا

سوال (۹۵):

محترم المقام حضرت مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

عرضِ خدمت یہ ہے کہ میری بیٹی کے سلسلہ میں چند دن قبل دریافت کیا تھا کہ خلع کے ذریعہ جدائیگی ہو تو کیا خلع کی صورت میں جانبین سے دئے گئے زیورات لڑکی کے شمار ہوں گے یا لڑکے والوں کے زیورات لڑکے کو اور لڑکی والوں کے زیورات لڑکی کو ملیں گے، تو الحمد للہ آپ نے اس کا جواب دیا کہ عرف کا اعتبار کرتے ہوئے زیورات لڑکی ہی کے ہوں گے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ خلع کی

صورت میں لڑکا اپنے گھر والوں کی طرف سے دئے ہوئے زیورات کا مطالبہ کرتا ہے تو اس صورت میں کیا لڑکی والوں پر اُن زیورات کو واپس لوٹانا ضروری ہوگا؟ براہِ کرم جواب دے کر عند اللہ ماجور ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلماً!

صورتِ مسئولہ میں فقہاء نے یہ تفصیل بیان کی ہے کہ اگر قصور اور زیادتی شوہر کی طرف سے ہے تو خلع میں عورت سے کچھ لینا حرام ہے، یہاں تک کہ مہر کی واپسی بھی اِسی طرح ہے، اور اگر نافرمانی بیوی کی طرف سے ہے تو درست ہے، البتہ دئے ہوئے سے زیادہ لینا صحیح قول کے مطابق مکروہ ہے۔ قوله وكره له أخذ شئ ان نشز ... وقوله ان نشزت لا اى لا يكره له الاخذ ... والمذكور فى الاصل كراهة الزيادة على ما اعطاها وينبغى حمله على خلاف الاولىٰ الخ۔

(البحر الرائق ۷۶/۴ و مستفاد از فتاویٰ دار العلوم دیوبند ۱۸۵/۱۰)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد مصباح اللہ عفا اللہ عنہ
۳/ رجب المرجب ۱۴۳۴ھ

الجواب صحیح
سید ولی اللہ غفرلہ
۳/۷/ ۱۴۳۴ھ

الجواب صحیح
محمد صلاح الدین عفی عنہ
۳/۷/ ۱۴۳۴ھ

رضاعت کا رشتہ صرف دودھ شریک بہن کے ساتھ خاص ہے

سوال (۹۶):

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کی دو اولاد

ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہے، ہندہ کی بہن سلمٰی کی کل چھ اولاد ہیں، پانچ لڑکیاں اور ایک لڑکا، ہندہ نے سلمٰی کی تیسری بیٹی کو دودھ پلایا اور وہ چند دنوں بعد انتقال کر گئی۔

مسئلہ یہ ہے کہ رضاعی بہن صرف سلمٰی کی تیسری لڑکی ہی ہوگی یا سلمٰی کی کل اولاد ہندہ کی اولاد کے رضاعی بھائی بہن ہوں گے؟ اُن سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟ مہربانی فرماکر مسئلہ کی وضاحت فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامدا ومصلیا ومسلما!

صدقِ سوال کی صورت میں رضاعت کا رشتہ صرف سلمٰی کی تیسری لڑکی کے ساتھ خاص ہے، سلمٰی کی دیگر اولاد جو ہندہ سے دودھ نہیں پی ہے اُن میں اور ہندہ کی اولاد میں رضاعت کا رشتہ نہیں ہے۔ (مستفاد از فتاوی محمودیہ ج/۳ص/۲۲۴قدیمی وفتاوی رحیمیہ ج/۲ص/۱۱۴قدیمی) **وتحل اخت اخیہ رضاعا کماتحل نسبامثل الاخ لاب اذا کانت لہ اخت من امہ یحل لاخیہ من ابیہ ان یتزوجھا۔** (الفتاوی الہندیہ ج/۱ص/۳۷۶)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۲۲/ محرم الحرام ۱۴۲۳ھ

سسرال والوں کے ظلم سے بچنے کا وظیفہ

سوال (۹۷):

محترم مفتی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

دیگر عرض یہ ہے کہ مجھے آپ سے میری زندگی کے حالات بتانے ہیں، میں

شادی شدہ ہوں، میرے شوہر ایک بھولے بھالے انسان ہیں، مگر سسرال والے بہت ہی ظالم لوگ ہیں، اُن کے ظلم و ستم سے تنگ آکر میں میکے آچکی ہوں، میرے شوہر کے پاس کچھ جائیداد ہیں، جسے بیچ کر وہ تجارت کرنا چاہتے ہیں، مگر جو جائیداد فروخت ہوئی ہیں اُن کی قیمت پر بھی وہ لوگ قبضہ جمانا چاہتے ہیں، اور ہمیں کچھ بھی دینا نہیں چاہتے، میرے شوہر چند دنوں پہلے میرے ہی طرفدار تھے، اور اُن کے ظالم گھر والوں سے نفرت کرتے تھے، مگر اب وہ لوگ بہلا پھسلا کر انہیں تھوڑا اپنی طرف بھی کر چکے ہیں، اس لئے میری آپ سے گذارش ہے کہ آپ ایک ایسی دعا لکھ کر بھیجیں کہ جس کے پڑھنے سے شوہر مظلوم کی طرف داری کرے، نیز میری اور میرے بچے کی مستقبل کی فکر کرے اور سسرال والوں کے بہکاوے میں نہ آئے، اور ان کے پاس جو جائیداد اور پیسہ ہے وہ سب ہمارے ہی قبضہ میں رہے، میرے سسرال والے جس گھر میں رہتے ہیں وہ بھی میرے شوہر کے نام پر ہی ہے، مگر وہ لوگ قبضہ جمائے بیٹھے ہیں اور مجھ پر ظلم کر کے وہاں سے نکلنے پر مجبور کر دئے ہیں۔ میری آپ سے التجاء ہے کہ دعا یا کوئی قرآنی عمل ایسا لکھیں جس کے پڑھنے سے مجھے اور میرے شوہر کو ان ظالم لوگوں کے شر سے چھٹکارا مل جائے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامدا ومصلیا ومسلما!

(۱) آپ روزانہ عشا کی نماز کے بعد حسبِ ذیل سورتیں اور آیتیں پڑھ کر اپنے اوپر دم کر لیا کریں، سورۂ الم نشرح، رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ اور سورۂ الحمد شریف؛ اللہ پاک دلوں میں محبت پیدا فرمائے۔

(۲) فجر کی سنت و فرض کے درمیان اکتالیس بار اس طرح سے کہ بِسۡمِ اللّٰہِ

الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ الخ یعنی الرحیم کے میم کے زیر کو الحمد کے لام سے ملادیں اور پوری سورت اسی طرح اکتالیس بار پڑھیں، اول آخر گیارہ بار درودِ شریف پڑھیں، یہ عمل اکتالیس دن تک پابندی کے ساتھ کریں، انشاء اللہ مشکلات کا حل پیدا ہو جائے گا۔ (مستفاد از مکتوباتِ فقیہ الامت:۲۹۱ مرتب حضرت مفتی سبیل احمد صاحب مد ظلہ)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۱۸/ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ

یتیم کے مال کا شرعی ذمہ دار

سوال (۹۸):

محترم حضرت مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ سے متعلق کہ زید کا انتقال ہو گیا، وارثین میں ایک بیٹا (چھ ماہ کا)، بیوی، دو حقیقی بھائی بہنیں، اور دو سوتیلے بھائی اور بہن ہیں، مرحوم کے نام سے آمبور میں ایک گھر ہے، جس میں مرحوم کی بیوی اور بیٹا (چھ ماہ کا بیٹا) رہتے ہیں، اور بنگلور میں ایک گھر ہے، جو کرایہ پر ہے، اب کرایہ کی مدت ختم ہونے کو ہے، لہٰذا آئندہ کرایہ پر دینے کے لئے ولی کون بنے گا، اور کرایہ کی رقم میں سے بیوی کو کتنا حصہ ملے گا اور کتنا حصہ بچہ کو ملے گا؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ جو کرایہ وصول ہو گا یعنی بارہ ہزار روپئے اُس میں سے بچہ پر خرچ کر کے کتنا محفوظ کرنا ہو گا اور اس کا ولی کون ہو گا؟ اگر جائیداد کی ملکیت تبدیل کرنی ہو تو بچہ کی طرف سے ولی کون ہو گا؟ براہِ مہربانی جواب عنایت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلماً!

بصورتِ صدقِ سوال مرحوم زید کے نابالغ لڑکے کے ولی امانت ودیانت کی شرط کے ساتھ اس کے دونوں حقیقی چچاہوں گے، جو مرحوم زید کے سگے بھائی ہیں، وہ دونوں بچہ کے بالغ ہونے تک اُس کی جائیداد کی حفاظت کریں گے، اور نابالغ پر خرچ کی ضرورت ہو تو اعتدال کے ساتھ خرچ کریں گے اور کرایہ کے آٹھویں حصے کو چھوڑ کر باقی سب اس نابالغ بچے کا ہے اور آٹھواں حصہ مرحوم کی بیوی کا ہے۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح
محمد صلاح الدین عفی عنہ
۱۳/۴/۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح
سید ولی اللہ غفرلہ
۱۳/۴/۱۴۳۳ھ

حررہ العبد محمد مصباح اللہ عفااللہ عنہ
۱۳/ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ

بیوع کے احکام

معاملات میں نفع اور نقصان

سوال(۹۹):

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ کرام اس مسئلے میں کہ زید مختلف کمپنیوں کے ساتھ سال بھر کے لئے معاہدہ کرتا ہے کہ دورانِ سال کمپیوٹر اور دیگر مشینوں کی مرمت کروں گا،اور سال بھر کے لئے عوض ۴۰۰۰/روپئے لوں گا، کیا طرفین کی رضامندی کے ساتھ متعینہ مقدار پر یہ معاملہ شرعاً صحیح ہے؟ وضاحت یہ ہے کہ اس معاہدہ کے بعد بعض وقت مقدارِ رقم سے زیادہ پرزوں کے لگانے کی ضرورت پیش آتی ہے، بایں صورت زید کا نقصان اور کمپنی کا نفع ہے اور کبھی متعینہ مقدار سے کم قیمت کے پرزے پر کام بن جاتا ہے، اس صورت میں زید کا نفع اور کمپنی کا نقصان ہوتا ہے، براہِ کرم اطمینان بخش جواب مرحمت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

صورتِ مسئولہ میں ایسا معاہدہ شرعاً ناجائز ہے، کیونکہ نفع اور نقصان کی جہت سے جہالت ہے، اور جہالت باعثِ جھگڑا ہے جو ناجائز ہے، نیز اس صورت میں جوا کی شکل بھی پائی جاتی ہے، اس لئے کہ ملکیت خطرہ میں ہے، ہوسکتا ہے کہ زید کا نفع اور کمپنی کا نقصان ہو اور کبھی اس کے خلاف، اور کبھی ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ مشین خراب ہی نہ ہو اور بغیر کام کئے اجرت کا مستحق ہوجائے۔ لائف انشورنس، لاٹری وغیرہ اسی

وجہ سے حرام ہیں کہ اُن میں جوا پایا جاتا ہے اور ملکیت خطرہ میں رہتی ہے، لہٰذا صورتِ مذکورہ حرام اور ناجائز ہے۔ (کذا فی کتب الفقہ)(۱)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۱۹/ شوال المکرم ۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح

اجتباء الحق غفرلہ

۱۹/ شوال المکرم ۱۴۲۶ھ

ایک مشہور تجارتی اسکیم اور اس کا حکم

سوال (۱۰۰):

محترم مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

عرضِ خدمت اینکہ ایک تجارت کی تفصیلات اس خط کے ساتھ ارسال کر رہے ہیں، ازراہِ کرم اس تجارت کے جائز یا ناجائز ہونے کی وضاحت کریں، اگر ناجائز ہے تو اس کی وجوہات بھی معلوم کرائیں تو عین نوازش ہوگی، چونکہ مسئلہ بہت اہم ہے اور فوری طور پر حل طلب ہے، اس لئے درخواست ہے کہ اولین فرصت میں جواب سے نوازیں۔ شکریہ والسلام

Sky Park biz.co........کام (تفصیلات)

یہ کمپنی ایک پیکیج (Package) فروخت کرتی ہے، جس کی قیمت سات

(۱) یایھا الذین امنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ۔ (سورۃ مائدہ: ۹۰) وسمی القمار قمارا لان کل واحد من المقامرین ممن یجوز ان یذھب مالہ الی صاحبہ ویجوز ان یستفید مال صاحبہ وھو حرام بالنص۔ (ردِ مختار ۹/ ۵۷۷)

ہزار روپئے ہے، اس پیکیج میں:

(۱)انٹرنیٹ کنکشن ہمیشہ کے لئے۔

(۲)خریدار کے نام سے انٹرنیٹ میں ایک ہزار صفحات پر مشتمل ویب اسپیس۔

(۳)ایک سی ڈی سیٹ، جس کی مدد سے گھر بیٹھے کمپیوٹر کے ذریعہ کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کی تعلیم حاصل کرسکتے ہیں۔

(۴)Aptech آپٹیک کمپیوٹر کورس، یہ چار اجزاء ہوتے ہیں۔

مذکورہ بالا اجزاء رجسٹر کرنے کے لئے کمپنی ۴۵۰ (چار سو پچاس روپئے) مزید وصول کرتی ہے، اگر کوئی اس پیکیج کو اپنی ضرورت پر خرید لیتا ہے تو خرید وفروخت کا معاملہ یہیں پر ختم ہو جاتا ہے، اور اگر کوئی اس پیکیج کو خریدنے کے بعد کمپنی کا ایجنٹ بھی بن کر کاروبار کے منافع میں سے کمیشن حاصل کرنا چاہتا ہے تو کمپنی کے کچھ شرائط ہیں، جس کی بنیاد پر وہ کمپنی کا ایجنٹ قرار پاتا ہے۔

کمپنی کا ایجنٹ بن کر کمیشن حاصل کرنے کے شرائط :

(۱)صرف ایک سال کے لئے ایجنٹ بنایا جائے گا۔

(۲)ایک پیکیج فروخت کرنے کا کمیشن ہزار روپئے دیا جائے گا۔

(۳) کمیشن ہر ہفتہ دے دیا جائے گا۔

(۴)ایک ایجنٹ کو اپنے ذریعہ سے دو پیکیج فروخت کرنا لازم ہو گا۔

(۵)پہلے دو پیکیج فروخت کرنے کا کمیشن حاصل کرنے کے لئے اپنے دو خریداروں میں سے کم از کم ایک خریدار کو کمپنی کا ایجنٹ بنا کر اس کے ذریعہ سے کم از کم ایک پیکج فروخت کروانا ہو گا۔

(٦) کوئی بھی ایجنٹ اپنی طرف سے دو سے زائد پیکیج فروخت نہیں کر سکتا۔

(٧) دو سے زائد پیکیج فروخت کر کے کمیشن حاصل کرنے کے لئے دائیں بائیں جانب دو شاخیں بنا کر اپنے دونوں خریداروں کو اپنی رہنمائی میں دائیں جانب والا ایجنٹ اور بائیں جانب والا ایجنٹ شمار کر کے ان کے ذریعہ سے پیکیج فروخت کرنے ہوں گے۔

(٨) کمیشن حاصل کرنے کے لئے دائیں اور بائیں دونوں جانب بکری کا توازن لازم ہے، مثلاً اگر دائیں جانب والا ایجنٹ ایک پیکیج اور بائیں جانب والا ایجنٹ دو فروخت کریں تو جملہ تین پیکیج کا کمیشن تین ہزار نہیں بلکہ دو پیکیج فروخت کرنے کا کمیشن دو ہزار دئے جائیں گے، اور ایک پیکیج کا کمیشن ایک ہزار روپئے باقی کمپنی اپنے پاس رکھے گی یہاں تک کہ دائیں جانب والا ایجنٹ بھی ایک اور پیکیج فروخت کر دے۔

(٩) اگر دائیں جانب والا دو پیکیج اور بائیں جانب والا دو پیکیج فروخت کر دیں تو پہلے ایجنٹ کو مزید دو اور دو جملہ چار پیکیج کا کمیشن چار ہزار روپئے دیا جائے گا مگر دوسرے اور تیسرے ایجنٹ کو دو دو پیکیج فروخت کرنے کا کمیشن اس وقت تک نہیں دیا جائے گا جب تک یہ دونوں ایجنٹ شرط نمبر پانچ پر عمل نہ کریں۔

(١٠) مثلاً اگر دوسرا ایجنٹ اور تیسرا ایجنٹ شرط نمبر پانچ کے مطابق اپنے خریداروں کو بھی کمپنی کا ایجنٹ بنا کر ان کے ذریعہ سے شرط نمبر چار کے مطابق پیکیج فروخت کروادیں تو دوسرے اور تیسرے ایجنٹ کے ساتھ ساتھ پہلے ایجنٹ کو بھی کمیشن دیا جائے گا، اسی طرح نیچے والے ایجنٹوں کے فروخت پر اوپر والے ایجنٹوں کو بھی کمیشن دیا جاتا رہے گا، اگرچہ اس کی تعداد کتنی بھی ہو۔

(١١) مثلاً اگر کسی ایجنٹ کے کھاتے میں دائیں جانب دو اور بائیں جانب سات

پیکیج فروخت ہوئے تو دائیں جانب کے دو پیکیج اور بائیں جانب کے دو پیکیج جملہ چار پیکیج کا کمیشن دیا جائے گا، بائیں جانب کے بقیہ پانچ پیکیج کا کمیشن کمپنی اپنے پاس رکھے گی، یہاں تک کہ کہ دائیں جانب بھی پیکیج فروخت ہوکر شرط نمبر آٹھ کے مطابق بِکری کا توازن قائم ہو جائے، لہذا چوتھے پانچویں چھٹے اور ساتویں ایجنٹوں کو نئے خریدار بنانے کے لئے پہلے دوسرے اور تیسرے ایجنٹوں کی رہنمائی اور تعاون کی ضرورت ہوتی ہے، اس لئے ہر ہفتہ تمام ایجنٹس مل کر سیمینار منعقد کرکے کمپنی اور پیکیج کا تعارف کراتے ہیں اور نئے خریدار بناتے ہیں، نئے ایجنٹس بناتے ہیں، اس طرح اجتماعی طور پر (Integrated Team Work) یہ کاروبار پھیل جاتا ہے، سیمینار چلانے کے لئے وقتاً فوقتاً کمپنی Publicity Material فراہم کرتی ہے اور رہنمائی کرتی ہے، تاہم اس کے ایجنٹوں کو بھی اپنا وقت اپنی محنت اور کچھ نہ کچھ پیسہ صرف کرنا پڑتا ہے....... تفصیلات ختم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

مذکور فی السوال اسکیم شرعاً ناجائز ہے اور قمار یعنی جوا میں داخل ہے، ظاہراً اس اسکیم میں کوئی خرابی نہیں ہے مگر ذرا گہری نظر سے دیکھا جائے تو اس میں کئی خرابیاں موجود ہیں؛ مثلاً اصطلاحِ فقہ میں بیع بالشرط ہے کمپنی انعام کی شرط پر اپنی چیزیں فروخت کرتی ہے اور یہ بات اس سے بھی ظاہر ہے کہ ایک متعینہ مذکورہ رقم جمع کرکے اولاً خریدار بنا ہوگا، اس کے بعد ہی ممبر بنانے پر کمیشن کی شکل ہوگی اور خریدار بنے بغیر ممبر بنانے کی کوئی گنجائش نہیں ہے؛بقول حضرت مفتی یوسف صاحب لدھیانویؒ خریداروں میں سے ہر خریدار گویا اس شرط پر چیزیں خریدتا ہے کہ اسے یہ

انعام ملے گا گویا اس کاروبار کا خلاصہ خرید و فروخت بشرط انعام ہے جو شرعاً ناجائز ہے۔

(مستفاد از آپ کے مسائل اور ان کا حل ج/۶ ص/۲۷۷)

(۲) اس اسکیم میں بیک معاملہ دو عقد کی صورت ہے یعنی ایک ہی معاملہ میں ایک شخص خریدار بھی ہے اور دوسروں کے لئے دلال بھی؛ اور حدیث میں اس کی ممانعت موجود ہے۔ نَهَی رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عَنْ بَیْعَتَیْنِ فِیْ بَیْعَةٍ۔

(ترمذی شریف ج/۱ ص/۲۳۳)

(۳) جو معاملہ مبہم اور نفع ونقصان کے درمیان دائر ہو وہ جوا اور سٹہ ہے، اور صاف بات ہے کہ مذکورہ اسکیم سے مخصوص چند افراد ہی کو نفع مل رہا ہے اور کمپنی بہر صورت نفع میں ہے اور عمومی سبھی خریدار نفع حاصل کر رہے ہوں یا آئندہ حاصل کر سکتے ہوں، سوال میں نمبر وار ذکر کردہ شرائط میں اس کا امکان نظر نہیں آتا ہے، الحاصل مذکورہ اسکیم سکئی پارک بز (Sky Park biz) شرعاً ناجائز ہے۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَنَّهٗ نَهَی عَنْ بَیْعٍ وَشَرْطٍ۔ (اعلاء السنن بیروت ج/۱۴ ص/۱۶۷) وكل شرط لا يقتضيه العقد وفيه نفع لأحد المتعاقدين أو للمعقود عليه وهو من أهل الاستحقاق يفسده۔

(ہدایہ قدیمی ج/۳ ص/۴۳)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۲۲/ جمادی الاولی ۱۴۲۲ھ

الجواب صحیح

سبیل احمد غفرلہ

۲۲/ جمادی الاولی ۱۴۲۲ھ

پھل آنے سے پہلے پھلوں کی فروخت ناجائز ہے

سوال(۱۰۱):

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے میں کہ میں آم کے چند باغات کرایے پر لیا ہوں، باغات کے اندر پھل اور پھول آنے سے پہلے متعینہ قیمت پر متعینہ مدت تک کے لئے اجارہ کا معاملہ ہوا ہے، اور باغ کے مالک نے متعین مدت یعنی دو سال تک کے لئے اُن باغات کو میرے حوالے کر دیا ہے، میں اُن باغوں میں صرف پھل کا مالک ہوں، اِس کے علاوہ زمین میں زراعت کرنے اور درخت وغیرہ کاٹنے کا مالک نہیں ہوں، اور اُن باغات میں پھل لگنے کے ایام میں اُن کی دیکھ بھالی میرے ہی ذمہ ہے، مگر دو سال کے اندر آموں میں چاہے نفع ہو یا نقصان بہر صورت متعین قیمت کی ادائیگی ضروری ہے، آج کل لوگ تقریباً اَسّی فیصد اِسی طرح کے معاملات کرتے ہیں، حل طلب سوال یہ ہے کہ اس طرح باغات کو کرایہ پر درست ہے یا نہیں؟ براہِ کرم جواب مرحمت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

صورتِ مسئولہ میں پھل آنے سے پہلے پھلوں کی خرید و فروخت ناجائز ہے، یہ معدوم یعنی ایسی چیز کی بیع ہے جو ابھی موجود نہیں ہوئی اور غیر موجود کی بیع بالاتفاق باطل ہے؛(۱) البتہ زمین کرائے پر حاصل کرلی جائے اور زمین کا مالک کرایہ پر لینے

---

(۱)عن ابن عمر رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نهى عن بيع النخل حتى يزهو وعن السنبل حتى يبيض ويأمن العاهة۔(صحیح مسلم ۲/۷)بیع الثمار قبل الظهور لا يصح اتفاقا۔

(الفتاوی الہندیہ ۳/۱۰۶، البحر الرائق ۵/۲۵۹، شامی ۷/۸۵)

والے کے لئے پھل کو حلال قرار دے دے تو درست ہے۔(۱)(مستفاد از: فتاوی محمودیہ ۱۶/ ۱۰۱)

فقط واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح
العبد اجتباء الحق
۱۳/رجب المرجب ۱۴۳۰ھ

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ
۷/رجب المرجب ۱۴۳۰ھ

بیڑی، سگریٹ پینے اور اس کو فروخت کرنے کا حکم

سوال(۱۰۲):

محترم ومکرم مفتی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کیا اسلام میں بیڑی سگریٹ پینا اور فروخت کرنا جائز ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

بیڑی سگریٹ شوقیہ پینا مکروہ ہے، علاج کی ضرورت سے پینے میں کوئی حرج نہیں،(۲) اسی طرح خرید وفروخت کا بھی مسئلہ ہے یعنی اگر دوسرا کوئی اور کاروبار نہ ہو یا

---

(۱) والحیلۃ فی کون الحادث للمشتری ان یشتری اصول الباذنجان والبطیخ والخیار والقطن والرطبۃ لیکون الحادث علی ملکه..... وفی الاشجار الموجودۃ ویحل له البائع ما یوجد۔(الدر المنتقی مع المجمع ۳/۲۹) والحیلۃ فی الکل ان یستأجر موضعاً معلوماً لعطن الماشیۃ ویبیح الماء والمرعی۔(شامی ۹/۸۷)

(۲) قال الشرنبلالی: وعلی هذا البدعۃ التی ظهرت الآن وهو الدخان اذا شرب فی لزوم الکفارۃ قلت فیفهم منه حکم النبات الذی شاع فی زماننا المسمی بالتتن وقد کرهه الشیخ العمادی الحاقا له بالثوم والبصل فتدبر۔(مراقی الفلاح/ ۲۶۵)

دوسرے کاروبار میں تجربہ نہ ہو تو بیڑی سگریٹ کو فروخت کرنے کی گنجائش ہے۔(۱)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۱۰/ صفر المظفر ۱۴۲۳ھ

فارن ایکسچینج کے جواز کی صورت

سوال(۱۰۳):

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ زید نے بکر سے یکم جنوری کو اپنے مال کی قیمت ڈالر سے متعین کر کے معاملہ کرلیا اور معاہدہ کے دن ڈالر کی قیمت چالیس روپئے تھی، مال بھجوانے کی مدت تین ماہ طے ہوئی تھی، تین ماہ بعد بکر ڈالر میں اُس کی قیمت ادا کر رہا ہے تو اُس وقت ڈالر کی قیمت میں اتار چڑھاؤ ہو سکتا ہے، مثلاً چالیس کے بجائے پینتیس یا پینتالیس ہو سکتا ہے، اس درمیان میں معاملہ کے وقت زید بینک سے یہ معاہدہ کرتا ہے کہ تین ماہ بعد میں آپ کو ڈالر دوں گا، اس ڈالر کی قیمت آج کے اعتبار سے چالیس روپئے طے کر کے تین ماہ بعد بہر صورت یعنی مارکیٹ میں ڈالر کی قیمت میں اتار ہو یا چڑھاؤ، فی ڈالر کے عوض چالیس روپئے ہی ادا کرنے ہوں گے، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ بینک کو ڈالر نقد ادا کیے بغیر تین ماہ بعد کے لئے ابھی سے ڈالر کی قیمت طے کرلینا شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟ اس صورت میں بائع اور مشتری یعنی زید اور بکر تین ماہ کے بعد کے اتار چڑھاؤ سے محفوظ ہو جاتے ہیں اور یہ ذمہ داری بینک پر چلی جاتی ہے اور اس معاہدہ پر بینک زید سے کوئی اضافی رقم بھی نہیں

---

(۱) والحاصل ان جواز البیع یدور مع حل الانتفاع۔(رد المحتار ۷/ ۲۶۰ وکذا فی الدر المنتقیٰ شرح المجمع ۳/ ۸۴)

لیتا ہے، براہِ کرم جواب مرحمت فرما کر ممنون ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامدا ومصلیا ومسلما!

صورتِ مسئولہ میں زید اور بینک کے مابین ہونے والا یہ معاہدہ اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ بہر صورت (خواہ ڈالر کی قیمت میں کمی بیشی ہو یا نہ ہو) طرفین پر کوئی تیسری چیز مشروط نہ ہو۔(۱)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۴/ذی الحجۃ الحرام ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح

العبد اجتباء الحق

۴/ذی الحجۃ الحرام ۱۴۲۹ھ

مجلسِ عقد میں ہی زیورات پر قبضہ کرنا ضروری ہے

سوال (۱۰۴):

علمائے دین ومفتیانِ کرام سے زیور سے متعلق چند سوالات کرنا چاہتا ہوں۔

(۱) مشتری بائع سے بطورِ قرض آٹھ گرام سونا خرید تا ہے، اور اُس وقت سونے کی قیمت فی گرام ۲۵۰۰/روپئے ہے، گویا مکمل آٹھ گرام سونے کی قیمت ۲۰،۰۰۰/روپئے ہوئی، مشتری بائع کو صرف چار گرام سونے کی قیمت (۱۰،۰۰۰

(۱) یہ اس صورت میں جائز ہے جب کہ وعدۂ بیع ہو حقیقی بیع نہ ہو اور فارن ایکسچینج کی بکنگ پر فیس وصول نہ کیا جاتا ہو جیسا کہ فتویٰ میں اشارہ کیا گیا ہے اور فاسد شرط نہ لگائی گئی ہو ورنہ معاملہ ناجائز ہو جائے گا۔(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اسلام اور جدید معاشی مسائل افادات حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مد ظلہم ۳/۲۱۴،۲۱۱)

روپئے)ادا کرتا ہے، اور مابقیہ قیمت ایک ماہ یا دو ماہ بعد ادا کرنے کی درخواست پیش کرتا ہے، تو بائع اس وقت مشتری کو اِس شرط پر زیور دیتا ہے کہ اگر آپ ایک ماہ بعد یا دو ماہ بعد قیمت ادا کریں گے تو اُس وقت زیور کی جو قیمت ہو گی (ایک ماہ بعد قیمت بڑھ بھی سکتی ہے یعنی ایک گرام کی قیمت اُس وقت ۲۷۵۰روپئے ہو تو کُل ۱۱،۰۰۰/ روپئے ادا کرنا ہو گا، یا گھٹ بھی سکتی ہے،یعنی ایک گرام کی قیمت اس وقت ۲،۲۵۰/ روپئے ہو تو ٹوٹل ۹،۰۰۰/ روپئے) دینا پڑے گا، اگر گھٹ جائے تو واقعتاً بائع کم کرے گا اور اگر زیادہ ہو جائے تو مشتری کو دینا پڑے گا۔

(۲) مشتری جب بطورِ قرض سونا چاندی خرید تا ہے تو بائع ابتداءً ہی ایک قیمت متعین کر دیتا ہے، صاف کہہ دیتا ہے کہ فی الحال سونے کی قیمت ۲۵۰۰/ روپئے ہے، قرض کی وجہ سے فی گرام قیمت ۳۰۰۰/ روپئے متعین کر دیتا ہوں، تاکہ مشتری کو آگے ایک ماہ یا دو ماہ بعد قیمت ادا کرنے میں کوئی پریشانی نہ ہو، چاہے سونے کی قیمت بڑھے یا گھٹے ، دونوں حالتوں میں متعین کردہ قیمت ادا کرنی ہو گی، شرعی اعتبار سے سونے کے تاجروں کا اِس طریقہ سے تجارت کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ براہِ کرم شریعت کی روشنی میں مفصل جواب دیں گے تو عین نوازش ہو گی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

(۱) صورتِ مسئولہ کی پہلی شکل ناجائز ہے، اس لئے کہ بوقتِ عقد قیمت مجہول ہے اور قیمت میں جہالت بیع کو فاسد کر دیتی ہے۔

(۲) خرید و فروخت کی دوسری شکل دو شرطوں کے ساتھ جائز ہے: ۱۔ خریدے جانے والے زیور پر اُسی مجلس میں مشتری قبضہ کر لے، ۲۔ قیمت کی ادائیگی کا آخری

وقت متعین ہونا چاہئے ، نیز وقتِ متعینہ پر ادا کرنے میں تاخیر ہونے پر بائع متعینہ قیمت پر بالکل اضافہ نہ کرے، اور مشتری پر کوئی جرمانہ عائد نہ کرے ورنہ بیع کی یہ شکل ناجائز ہوجائے گی۔ وقید بالنقدین لانہ لو باع فضۃ بفلوس فانہ یشترط قبض احد البدلین قبل الافتراق لا قبضھما کما فی البحر عن الذخیرۃ۔

(شامی ۷/ ۵۲۲ وکذا فی الفتاویٰ الہندیۃ ۳/ ۲۱۷)

فقط واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح	الجواب صحیح	حررہ العبد سید ولی اللہ غفرلہ
محمد صلاح الدین عفی عنہ	محمد مصباح اللہ عفا اللہ عنہ	۲۶/ ۱۰/ ۱۴۳۵ھ
۲۶/ شوال ۱۴۳۵ھ	۲۶/ شوال ۱۴۳۵ھ	

مضاربت میں فیصد متعین کیے بغیر نفع لینا

سوال (۱۰۵):

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ حمید بڑا تاجر ہے، اور اس کی کئی قسم کی تجارت ہے۔ ملحان ۵۰،۰۰۰/ روپئے بطورِ تجارت حمید کے پاس دیا ہے، اور حمید ملحان کو ۵،۰۰۰/ روپئے بطورِ نفع دیتا ہے، اور فیصد وغیرہ کچھ طے نہیں کیا ہے۔

سوال (۱) : اس مسئلہ میں یہ ہے کہ حمید کا فیصد متعین کئے بغیر نفع دینا اور ملحان کا اُس کو استعمال کرنا کیسا ہے؟ ملحان حرام کہتا ہے، وجہ اِس کی یہ بتاتا ہے کہ ہر وقت نفع کی مقدار ایک طرح نہیں ہوتی ہے، کبھی کم کبھی زیادہ، اگر نفع کم ہوجائے اور ملحان کو حمید پورا نفع دے دے تو ملحان کا نفع ہوا اور حمید کا نقصان۔ اس کے برخلاف

حمید کو نفع زیادہ ہو اور ملحان کو کم دے یعنی پانچ ہزار ہی، تو اب ملحان بظاہر نقصان میں رہا، طرفین میں سے کسی کو نفع اور کسی کو نقصان ہو تو یہ سود ہے، لہٰذا ملحان اس معاملہ کو ناجائز قرار دیتا ہے، مگر حمید کہتا ہے کہ طرفین میں رضامندی ہے، یعنی دونوں بخوشی دینے اور لینے پر راضی ہیں تو کچھ بھی قباحت نہیں، قرآن وحدیث کی رو سے اصل مسئلہ کی طرف رہنمائی فرمائیں، اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر دے۔

سوال (۲): ایک دوسری صورت یہ ہے کہ ملحان ماہانہ حمید کے پاس ۱۰۰۰/ روپئے جمع کرتا ہے، اور حمید بطورِ نفع ۳۰۰/ روپئے دیتا ہے، کیا ملحان کا نفع لینا جائز ہے، جبکہ کوئی شرط وغیرہ نہیں لگائی گئی، اور فیصد وغیرہ کی کوئی بات بھی صراحت سے نہیں طے کی گئی، ایک نے کہا میں روپئے دیتا ہوں، دوسرے نے کہا میں نفع ۳۰۰/ روپئے دیتا ہوں، اِس مسئلہ میں تجارت کے لئے روپئے دینے کے کیا شرائط ہیں، اور نفع حاصل کرنے کا کیا طریقہ ہو گا؟ مفصل تحریر فرمائیں، عین کرم ہو گا۔

سوال (۳): بکر سونے کی دوکان میں ماہانہ ۵۰۰۰/ روپئے جمع کرتا ہے، دکاندار ماہانہ بطورِ نفع ۵۰۰/ روپئے دیتا ہے، اس طرح جمع کرنا کیسا ہے؟ اور نفع کے طور پر ہر ماہ ۵۰۰/ روپئے حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

سوال (۴): حمید اور ملحان دونوں دوست ہیں، مگر حمید کئی قسم کی تجارت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا ہوں کہ کونسی تجارت میں کتنا نفع حاصل ہوتا ہے، اور میں سب کا حساب لگا کر ہی نفع اٹھاتا ہوں، ایک تجارت ہوتی تو حساب کر کے فیصد طے کرتا، کئی قسم کی تجارت کی وجہ سے اور ہر تجارت میں روپئے لگنے کی وجہ سے حساب نہیں کر سکتا، اگر تو راضی ہے تو یہی کافی ہے۔

سوال (۵): اِن تجارتی معاملات میں رقم طے کرنا تجارت درست ہونے

کے لئے کافی ہے یا نہیں؟ یا فیصد ہی طے کرنا لازم ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامدا ومصلیا ومسلما!

بر تقدیرِ صحتِ واقعہ صورتِ مسئولہ میں ملحان کا قول بالکل صحیح ہے، آپ نے تجارت کی جو شکل لکھی ہے، اسے شرکتِ عنان کہا جاتا ہے، جس کے صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ نفع کی تقسیم کو فیصد کے اعتبار سے مقرر کیا جائے جیسے ۲۰/ فیصد یا ۴۰/ فیصد وغیرہ۔ پیسوں کی ایک مقدار متعین کرنے کی صورت میں شرکت فاسد ہو جاتی ہے، لیکن شرکت ختم نہیں ہوتی، اوران پیسوں کا لینا اپنے مال کے بقدر شریک کے لئے جائز ہے، اس سے بڑھ کر نہیں(۱)، لہٰذا اب تک اندازہ سے جس قدر نفع تقسیم ہوا اُس پر حمید اور ملحان دونوں استغفار کریں اور آپس کی رضامندی سے نفع کا مناسب فیصد مقرر کرلیں، اور تجارت میں جو نقصان ہو دونوں کے رأس المال کی مقدار کے اعتبار سے اُسے تقسیم کریں(۲)، خیال رہے کہ آپس کی رضامندی ناجائز معاملہ کو جائز نہیں کرتی۔

(۲) ان دونوں سوالوں میں چند باتیں وضاحت طلب ہیں: [۱] ملحان اور بکر کا

---

(۱) والربح فی الشرکۃ الفاسدۃ بقدر المال وفی الشامیۃ حاصلہ ان الشرکۃ الفاسدۃ اما بدون مال او بہ من الجانبین او من احدھما فحکم الاولیٰ ان الربح فیھا للعامل کما علمت والثانیۃ بقدر المال۔

(الدر مع الرد ۶/ ۵۰۳)

(۲) عن علی رضی اللہ عنہ فی المضاربۃ والشریکین: الوضیعۃ علی المال والربح علی ما اصطلحوا علیہ۔ (کنز العمال ۱۵/ ۱۷۶، رقم: ٤٠٤٨٢) فان شرطا الربح بینھما بقدر رأس مالھما جاز.....والوضیعۃ بینھما علی قدر رأس مالھما ابداً۔ (شامی ۶/ ۴۸۴)

ماہانہ پیسے جمع کرنا یہ بطور شرکت کے ہے یا بطور ڈپازٹ کے ہے یا کوئی اور شکل ہے؟
[۲] جمع کی جانے والی یہ رقم واپس ملتی ہے یا نہیں؟ اگر ملتی ہے تو کب اور کتنی؟
(۳) سونے کا دکاندار اور حمید اس جمع شدہ پیسے کو تجارت میں شامل کرتے ہیں یا یوں ہی نفع کے نام پر کچھ پیسے دیتے ہیں، ان سوالات کی پوری وضاحت کے ساتھ ساتھ مسئلہ کی پوری تفصیل لکھیں، انشاء اللہ شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں جواب دیا جائے گا۔

(۴) حمید کو چاہئے کہ وہ ملحان کو اپنی تجارت میں شریک کرلیں اور اس کے دئے ہوئے پیسوں کو پوری تجارت میں لگائے پھر پوری تجارت کا مکمل حساب لگا کر نفع کی مقدار نکالے پھر نفع کو فیصد کے اعتبار سے متعین کرے، اس تقسیم میں پوری جانچ پڑتال کرنا ضروری ہے، اندازہ سے کچھ لینا دینا جائز نہیں ہے۔

(۵) تجارتی معاملہ میں فیصد ہی طے کرنا لازم ہے، رقم طے کرنا جائز نہیں ہے۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح	الجواب صحیح	حررہ العبد سید ولی اللہ غفرلہ
محمد صلاح الدین عفی عنہ	محمد مصباح اللہ عفا اللہ عنہ	۳/ جمادی الثانیۃ ۱۴۳۳ھ
۴/۶/۱۴۳۳ھ	۴/۶/۱۴۳۳ھ	

مالِ مضاربت کے چوری ہوجانے پر شرعی حکم

سوال (۱۰۶):

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ محمد اسحق صاحب سے بیس ہزار روپے برائے تجارت میں نے لئے تھے، اس میں سے تین سو روپے احقر نے سفر خرچ کے لئے لیا تھا، سفر تجارت میں انیس ہزار سات سو روپے

راستہ میں چوری ہوگئے، شریکِ تجارت کے کہنے سے میں نے دس ہزار واپس کردئے، اب مابقیہ دس ہزار روپئے اور کل بیس ہزار روپئے پر نفع بھی مانگ رہے ہیں، شرعاً کیا مسئلہ ہے؟ واضح فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

صدقِ سوال کی صورت میں اگر آپ سے مال کی حفاظت میں کوئی کمی کوتاہی بالکل نہ ہوئی ہو اور مالِ تجارت کی پوری حفاظت کے بعد چوری ہوگئی ہو تو شرعاً آپ پر کوئی ضمان نہیں آتا ہے، جیسا کہ ہدایہ میں صراحۃً موجود ہے۔فان زادالهالک علی الرابح فلاضمان علی المضارب لأنه أمین۔ (ہدایہ ۳/ ۲۵۰) اور مال کو تجارت پر لگائے بغیر نفع مانگنا شرعاً غلط اور ناجائز ہے۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۱۰/ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ

سودی رقم کا شرعی مصرف

سوال (۱۰۷):

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین مندرجۂ ذیل مسئلہ میں کہ (۱) ایک اوقافی ادارہ اپنی آمدنی سرکاری بینک میں جمع کرتا ہے اور مواقعِ ضرورت خرچ کرتا ہے، اس درمیانی مدت میں بینک میں جمع شدہ رقم پر ایک خطیر رقم بطورِ سود ادارہ کی رقم میں جمع ہوتی رہتی ہے، اس اضافہ شدہ سودی رقم کا کیا مصرف ہے؟

(۲) کیا سودی رقم خود ادارہ کے زیرِ نگرانی چلنے والے مدرسہ کے غریب اور نادار طلبہ پر بلا نیتِ ثواب خرچ کر سکتے ہیں؟ براہِ کرم مدلل جواب مرحمت فرما کر ممنون ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامدا ومصلیا ومسلما!

مسئولہ دونوں صورتوں کا شرعی حکم یہ ہے کہ بینک میں جمع شدہ رقم سود ہے، اور بینک سے ملنے والی سودی رقم سے متعلق شریعت کا حکم یہ ہے کہ غریب ونادار مسلمانوں میں بلا نیتِ ثواب اُس کو تقسیم کر دیں(۱)، دینی مدرسہ کے غریب طلبہ پر وہ رقم خرچ کرنا نامناسب ہے، ہاں دنیوی جائز تعلیم کے لئے خرچ کر سکتے ہیں، سابق صدر مفتی دار العلوم دیوبند حضرت مفتی نظام الدین صاحب علیہ الرحمہ اسی طرح کے ایک استفتاء کے جواب میں لکھتے ہیں کہ بس ہندوستان، پاکستان ودیگر ممالک کے غرباء اور مساکین کو مسلمان غریب اور نادار لڑکوں اور لڑکیوں کو دینی تعلیم حاصل کرنے کے لئے نہیں، دنیاوی جائز تعلیم حاصل کرنے کے لئے (جیسے ڈاکٹری، ٹکنالوجی وغیرہ) سودی رقم دے سکتے ہیں۔ (منتخباتِ نظام الفتاوی ج/۲ ص/۴۶۶)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۱۵/ جمادی الاولی ۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح

احمد سعید عفی عنہ

۱۵/ جمادی الاولی ۱۴۲۵ھ

---

(۱) ویردونھا علی اربابھا ان عرفوھم والا تصدقوا بھا لان سبیل الکسب الخبیث التصدق اذا تعذر الرد علی صاحبہ۔ (شامی ۹/۵۵۳)

جگہ خالی کرانے کے لئے سود کی رقم دینا

سوال(۱۰۸):

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ عظام اس مسئلہ میں کہ ایک دینی ادارہ کی جگہ کرایہ پر دی گئی، ایک عرصہ کے بعد کرایہ دار سے ادارہ اپنی جگہ خالی کرانا چاہتا ہے، مگر کرایہ دار کی طرف سے قبضہ ہے اور خالی کرانے کی صورت میں ایک بڑی رقم کا مطالبہ کرتا ہے، ادارہ اپنی طرف سے مطالبہ کی اتنی بڑی رقم نہیں دے سکتا ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کوئی صاحب بینک میں اپنی جمع شدہ رقم پر جمع ہونے والی سودی رقم اُس کرایہ دار کو دے کر ادارہ کی جگہ خالی کرا سکتے ہیں یا نہیں؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

صورتِ مسئولہ میں سود کی رقم کا شرعی مصرف بلانیتِ ثواب غریب شخص کو دینا ہے، واضح رہے کہ یہ مصرف بینک سے حاصل شدہ سود کا ہے ورنہ اصل مصرف جس سے سود لیا گیا اُسی کو لوٹانا ہے، لیکن موجودہ زمانہ میں بینک سے حاصل شدہ سود کو بینک ہی میں چھوڑنا جائز نہیں ہے، بلکہ وہاں سے لے کر کسی غریب محتاج کو بلانیتِ ثواب دے دیا جائے،(۱) لہٰذا جگہ خالی کروانے کے لئے کرایہ دار کو سود کی رقم دینے کی دو شرطیں ہیں، ایک یہ کہ جو صاحب سود کی رقم دے رہے ہیں اُن کا اس جگہ اور

---

(۱)صرح الفقهاء بان من اكتسب مالا بغير حق فاما ان يكون كسبه بعقد فاسد كالبيوع الفاسدة والاستيجار على المعاصي والطاعات او بغير عقد كالسرقة.....ففي جميع الاحوال المال الحاصل له حرام عليه ولكن ان اخذه من غير عقد ولم يملكه يجب عليه ان يرده على مالكه ان وجد المالك والا ففي جميع الصور يجب عليه ان يتصدق بمثل تلك الاموال على الفقراء۔(بذل المجہود ۱/۳۷)

انتظامیہ سے کوئی تعلق نہ ہو بلکہ وہ خارجی فرد ہوں، دوسرے یہ کہ کرایہ دار محتاج اور مستحقِ زکوۃ ہو۔ (مستفاد از احسن الفتاویٰ ۷/۱۶)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۶/ محرم الحرام ۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح

العبد سبیل احمد

۶/ محرم الحرام ۱۴۲۶ھ

سودی رقم کا مصرف

سوال(۱۰۹):

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے میں کہ

(۱) ایک آدمی کے پاس ایک سے زائد مکان ہے، جس کو وہ کرایہ پر دیا ہوا ہے اوراس مکان کی کیفیت یہ ہے کہ صحیح طریقہ سے حاصل شدہ زمین اور عمارت پر مزید درستگی کے لئے سودی رقم خرچ کی گئی ہے اور کنواں وغیرہ کھودنے کے لئے بھی اسی سودی رقم کو خرچ کیا گیا ہے، جس کی مقدار تقریباً دس ہزار روپئے ہے، تو اب اُس مکان کا کرایہ لینا کیسا ہے؟ نیز اس مکان پر خرچ شدہ رقم کے تدارک اور تلافی کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟

(۲) مالکِ مکان جس گھر میں مقیم ہے تقریباً اُس گھر کی بھی یہی کیفیت ہے، اس پر بھی تقریباً چالیس ہزار سودی روپئے خرچ کیے گئے ہیں تو اب اُس مکان میں رہنا کیسا ہے؟ اور خرچ شدہ سودی رقم کی تلافی کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ براہِ کرم ازروئے شرع صورتِ مسئلہ کا حل بتلائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

صورتِ مسئولہ میں شرعی حکم یہ ہے کہ سود کی جتنی رقم دونوں مکان میں خرچ ہوئی ہے وہ اصل مالک کو واپس کردی جائے، اور پوری کوشش کرکے مالک کو تلاش کیا جائے، اگر بالکل ہی مالک کی تلاش سے مایوسی ہوجائے تو مالک کی جانب سے نیت کرکے صدقہ کردیا جائے اور اس سنگین گناہ پر توبہ واستغفار بھی کیا جائے۔

ویردونها علی أربابها ان عرفوهم والا تصدقوابها لأن سبیل الکسب الخبیث التصدق اذاتعذر الرد علی صاحبه۔ (فتاوی شامی بحوالہ فتاویٰ محمودیہ ج۱۶/ص۳۷۹)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۶/ جمادی الاولی ۱۴۳۲ھ

اڈوانس واپس کرنے سے انکار کرنا

سوال(۱۱۰):

حضرت مفتی صاحب زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بندہ عبد اللہ نے ۲۰۰۸ء میں ایک شخص سے اُن کی ایک ایکر زمین خریدنے کا معاملہ کرکے ۲۶,۵۰۰/ روپئے اڈوانس کے طور پر دئے تھے، جس پر دو گواہ بھی ہیں، اس معاملہ کو حتمی شکل دینے کے لئے آخری تاریخ ۵/۱۱/۲۰۱۲ء مقرر ہوئی، اور یہ کہا گیا کہ اس تاریخ کے بعد اگر زمین خریدی نہیں گئی تو اڈوانس کی رقم واپس نہیں دی جائے گی، ہم نے یہ کہہ دیا کہ یہ شرط اُس وقت پوری ہو سکتی ہے جب کہ اس زمین کا

راستہ بھی آپ ہی لے کر دیں۔ مگر اس شخص نے وہ راستہ خرید کر نہیں دیا، اور اب اڈوانس کی رقم واپس کرنے سے بھی انکار رہا ہے، تو میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ میری رقم مجھے واپس ملنی چاہئے یا نہیں؟ اگر وہ میری رقم دینے سے انکار کر دیں تو کیا میں قانونی کارروائی کر سکتا ہوں؟ جواب دے کر عند اللہ ماجور ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

خرید وفروخت کا معاملہ ختم ہونے پر بیعانہ (اڈوانس) واپس کرنا ضروری ہے، اس کو روک لینا شرعاً جائز نہیں ہے۔ ونهى عن بيع العربان بأن يقدم اليه شيءمن الثمن فان اشترى حسب من الثمن والا فهو له مجانا وفيه معنى الميسر۔(حجۃ اللہ البالغۃ ۲/۲۸۸، بحوالۂ فتاویٰ محمودیہ ۱۶/ ۱۶۷ گجرات) اور بیعانہ واپس نہ کرنے کی صورت میں قانونی کارروائی کی بھی شرعاً گنجائش ہے۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد مصباح اللہ عفا اللہ عنہ
یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ

الجواب صحیح
سید ولی اللہ غفرلہ
۱۴۳۴/۵/۱ھ

الجواب صحیح
محمد صلاح الدین عفی عنہ
یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ

مالی جرمانہ اسلام میں جائز نہیں

سوال(۱۱۱):

بخدمت حضراتِ علمائے کرام السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلۂ ذیل میں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو

بذریعہ خط تین طلاق دے دی، اور اپنی بیوی کے حقوق یعنی زیورات، ملبوسات، سامانِ جہیز، مہر اور نفقۂ عدت ادا کردیئے، کیا مزید اُس پر کوئی اور شرعی حق واجب ہوتا ہے؟ لیکن اہلِ پنچایت ایک بڑی رقم (پچاس ہزار روپئے) جرمانہ عائد کرتے ہیں، کیا اِس طرح زبردستی جرمانہ عائد کرنا صحیح ہے؟ جواب دے کر عند اللہ ماجور ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداومصلیاومسلما!

مالی جرمانہ خواہ کم ہو یا زیادہ شریعتِ اسلامیہ میں ناجائز ہے، لہذا اہلِ پنچایت کو اپنا فیصلہ واپس لینا چاہئے اور ایسے معاملات میں اگر مجرم باز نہ آئے اور اپنی اصلاح نہ کرے تو ترکِ تعلق کی سزا دی جائے۔ وأفاد في البزازية أن معنى التعزير بأخذ المال على القول به امساک شيء من ماله عن مدة لينزجر ثم يعيده الحاکم اليه لا أن يأخذه الحاکم لنفسه او لبيت المال۔ (البحر الرائق ج/۴ ص/۴۱ و مستفاد از فتاوی محمودیہ ج/۵ ص/۲۱۱ قدیمی)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۲۲/ شوال المکرم ۱۴۲۲ھ

اسلام میں مالی جرمانہ

سوال (۱۱۲):

بخدمت حضرت مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) اسکول میں طلبہ کے تاخیر سے آنے پر یا متعینہ فیس تاخیر سے جمع کرنے

پر بطورِ جرمانہ اضافی رقم لے سکتے ہیں یا نہیں؟

(۲) اگر کسی اسکول میں اس طرح اضافی رقم لی گئی ہے تو اُس کا کیا مصرف ہے؟ کیا اسکول کی ضروریات میں اس رقم کو استعمال کر سکتے ہیں؟ اگر نہیں تو پھر اُس رقم کو لوٹانے کی صورت میں اسکول کے نظام میں خلل واقع ہوتا ہے اور طلبہ کے لئے کوئی گرفت نہیں رہ جاتی۔

(۳) "جرمانہ" کہے بغیر کیا یہ شکل اختیار کرنے کی شرعاً گنجائش ہے کہ ایک سے دس تاریخ تک سو روپئے، گیارہ سے بیس تاریخ تک جمع کرنے پر فیس ۱۲۵/ روپئے، اکیس سے تیس تاریخ تک جمع کرنے پر فیس ۱۵۰/روپئے، تاریخ کے اعتبار سے فیس کی رقم ہی زائد متعین کر دی جائے کیا یہ شکل اختیار کی جا سکتی ہے؟ جواب مرحمت فرما کر ممنون و مشکور ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامدا ومصلیا ومسلما!

(۱) صورتِ مسئولہ میں طلبہ کے تاخیر سے آنے پر جرمانہ لینا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ مالی جرمانہ ہے اور مالی جرمانہ شروع اسلام میں جائز تھا مگر بعد میں منسوخ ہو گیا، لہٰذا تاخیر پر اضافی رقم کی بالکل گنجائش نہیں ہے۔ وفی شرح الآثار التعزیر بالمال کان فی ابتداء الاسلام ثم نسخ والحاصل أن المذھب عدم التعزیر بأخذ المال۔

(مستفاد از فتاوی محمودیہ ج/۶ ص/۱۹۴)

(۲) اگر کسی اسکول میں مالی جرمانہ لیا جا رہا ہے تو اس کی واپسی ضروری ہے، لوٹانے کے علاوہ کوئی اور مَصرف نہیں ہے، اسکول کی ضروریات میں اس رقم کا استعمال شرعاً نا جائز ہے، اگر لوٹانے کی صورت میں اسکول کے نظام میں خلل آتا ہے تو دوسری

شکل سے لوٹادیں مثلاً یونیفارم، کاپی اور دیگر ضروریاتِ اسکول کی شکل میں ۔ان معنی التعزیر بأخذ المال علی القول به امساک شیء من ماله عنده لینزجر ثم یعیده الحاکم الیه لا أن یاخذه الحاکم لنفسه أو لبیت المال کما یتوهم الظلمة۔(حوالہ بالا)

(۳)مذکورہ شکل درست نہیں ہے ،البتہ حضرت تھانویؒ نے جواز کی ایک شکل تحریر فرمائی ہے وہ یہ کہ تاخیر کی وجہ سے طالبِ علم کو خارج کردیا جائے، یہ تاخیر کی سزا ہوئی، اور دوبارہ داخلہ کے لئے مال کی شرط لگادی جائے جو شرعاً جائز ہے، کیونکہ مدرسہ کی چیزوں سے فائدہ اٹھانا اور مدرسین سے تعلیم حاصل کرنا یہ سب ایسے امور ہیں جن پر ذمہ داروں کو اجرت لینا جائز ہے، لہٰذا اس اجرت میں وہ اضافی رقم لی جاوے اور اس کی وضاحت بھی کردی جائے تاکہ عقد مبہم نہ رہے۔

(مستفاد از امداد الفتاوی ج/۲ص/۵۴۳)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۱۶/جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح

سبیل احمد غفرلہ

۱۶/جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ

شرکت کے احکام

وارثین کے درمیان گھر تقسیم کرنے کی اہم شرط

سوال(۱۱۳):

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ ہماری والدہ قمر النساء ۲۰۰۱ء میں انتقال کر گئیں، جن کے تین لڑکے اور سات لڑکیاں ہیں، اور سات لڑکیوں میں ایک لڑکی شمشاد بیگم کا انتقال ہو چکا، اور مرحومہ کے فی الحال تین لڑکے اور چھ لڑکیاں ہیں، مرحومہ قمر النساء کے ترکہ کو وارثین آپس میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں، لیکن تقسیم کرنے سے پہلے چند سوالات درپیش ہیں۔

(۱) تقسیمِ وراثت میں تاخیر درست ہے یا نہیں؟

(۲) مرحومہ کے وارثین میں بعض ضرورت مند ہیں، اور ضرورت مند حضرات فی الحال تقسیم کی درخواست پیش کرتے ہیں، لیکن کچھ وارثین فی الحال تقسیم پسند نہیں کرتے، بعض وارثین کا فی الحال تقسیم کا مطالبہ کرنا اور بعض کا تاخیر کو پسند کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

(۳) مرحومہ قمر النساء کی سات لڑکیوں میں سے ایک لڑکی شمشاد بیگم کا انتقال ہو چکا، کیا مرحومہ قمر النساء کی اولاد گھر کو بیچ کر صرف آپس میں تقسیم کرلیں یا مرحومہ شمشاد بیگم کے تین لڑکوں اور دو لڑکیوں کو بھی شامل کرنا ہوگا؟

(۴) مرحومہ قمر النساء کے نام ایک گھر ہے، مرحومہ کے وارثین میں یہ اعتراض اور اشکال ہے کہ مرحومہ کے گھر بیچ کر آپس میں وراثت تقسیم کی جائے یا

آپس میں زمین ہی تقسیم کرلی جائے۔اگر زمین ہی آپس میں تقسیم کی جائے گی تو مرحومہ کے وارثین میں سے ہر ایک کو آمدورفت کے لئے راستہ تو ملتا ہے، مگر جگہ بالکل تنگ ہوجائے گی اور گھر کی جتنی بھی ضروری چیزیں مثلاً کمرہ، ہال، مطبخ اور بیت الخلاء وغیرہ کی تعمیر بھی بہت مشکل ہوجائے گی، آپ سے عاجزانہ ومؤدبانہ درخواست ہے کہ براہِ مہربانی ان سارے مسئلوں کا حل شریعت کی رو سے بتلائیں گے تو عین نوازش ہوگی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامدا ومصلیاو مسلما!

(۱) تقسیمِ وراثت کے سلسلہ میں شرعی حکم یہ ہے کہ آدمی کے انتقال کے بعد اس کے مال سے اولاً تجہیز وتکفین کا انتظام کیا جائے، اور اگر قرضہ ہو تو ادا کیا جائے بعدہٗ اگر وصیت کی ہو تو تہائی مال سے پوری کی جائے، پھر بقیہ مال وارثین کے مابین فوراً تقسیم کردیا جائے، تاخیر کرنا بالکل غلط اور ناجائز ہے، خاص طور پر ضرورت مند وارثین جب بٹوارہ کا تقاضا کریں تو دوسرے وارثین کا ٹال مٹول کرنا اور پسند نہ کرنا شرعاً سخت غلطی ہے۔

(۲) اس کا جواب اوپر مذکور ہوا۔

(۳) مرحومہ قمر النساء کے نام جو گھر ہے، اس کے شرعاً ایک سو چار حصے ہوں گے، جن میں سے ہر بیٹے کو شرعاً سولہ حصے اور ہر بیٹی کو آٹھ حصے ملیں گے، اور مرحومہ شمشاد کے دو بیٹیوں میں سے ہر ایک کو ایک ایک حصہ اور تینوں بیٹوں میں سے ہر ایک کو دو دو حصے ملیں گے۔

(۴)اس سلسلہ میں شرعی حکم یہ ہے کہ زمین تقسیم کرنے کی صورت میں اگر ہر ایک وارث کو بغیر کسی تنگی کے پوری سہولت سے حصہ ملے، جس میں وہ اپنے

گھر کی لازمی ضروریات مثلاً مطبخ، کمرہ، استنجاء خانہ وغیرہ بنا سکے تو زمین ہی کو وارثین کے مابین تقسیم کر دیا جائے ورنہ یعنی سہولت سے ہر ایک کو حصہ نہ ملے تو مکان بیچ کر اس کی قیمت کو شرعی وراثت کے مطابق آپس میں تقسیم کر لیا جائے، چونکہ صورتِ مسئولہ میں زمین کے ذریعہ وراثت تقسیم کرنا وارثین کے حق میں مفید نہیں ہے بلکہ نقصان ہے، لہٰذا گھر فروخت کر کے اس کی قیمت آپس میں تقسیم کر لی جائے۔

وشرطها عدم فوت المنفعة بالقسمة اى المنفعة المعهودة وهى ما كانت قبل القسمة اذ الحمام بعدها ينتفع به لنحو ربط الدواب۔ (ردِ محتار ۹/۳۶۹)

فقط واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح	الجواب صحیح	حررہ العبد سید ولی اللہ غفرلہ
محمد صلاح الدین عفی عنہ	محمد مصباح اللہ عفا اللہ عنہ	۱۰/ ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ
۱۰/۱۱/ ۱۴۳۴ھ	۱۰/۱۱/ ۱۴۳۴ھ	

وراثت کی تقسیم میں منفعت کا لحاظ کرنا ضروری ہے

سوال (۱۱۴):

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین کہ میرے والدین بہت پہلے انتقال کر چکے اور اُن کی کچھ جائیداد ہیں، میرے والدین کے تین بیٹے اور دو بیٹی ہیں، الحمد للہ سب شادی شدہ ہیں، سوائے ایک بھائی کے جس نے شادی نہیں کی، آپس میں یہ ساری جائیداد تقسیم ہو گئی، لیکن اس تقسیم میں جھگڑے چل رہے ہیں، بڑے بھائی نے اپنا حصہ مسجد کے لئے وقف کر دیا، جس بھائی کی شادی نہیں ہوئی وہ اور چھوٹی بہن دونوں نے اپنی جائیداد (جگہ) اپنی بڑی بہن کو ہبہ کر دی، مجھے جو حصہ پہنچنا تھا الحمد للہ

پہنچ گیا، لیکن طریقۂ تقسیم ٹھیک نہیں رہا۔

جس بڑی بہن کے نام پر رجسٹر کر کے جگہ ہبہ کر دی گئی ہے، وہ بہن سروے آفسر کے ذریعہ موجودہ جگہ کی تقسیم اور بٹوارہ اس طرح سے کروائی کہ اس جگہ میں نہ ہی گھر کی تعمیر کر سکتے ہیں نہ دکان، میری بہن کا سروے آفسر کے ذریعہ اس طرح سے جگہ کی تقسیم کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ براہِ کرم شریعت کی روشنی میں ان سارے مسئلوں کا جواب دیں گے تو عین نوازش ہوگی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداومصلیاومسلما!

بر تقدیرِ صحتِ سوال زمین تقسیم کرنے کی صورت میں ہر ایک وارث کو گھر کی لازمی ضروریات مثلاً مطبخ، کمرے، استنجاء خانہ وغیرہ پوری آسانی کے ساتھ مہیا ہوسکتی ہوں تو تقسیم درست ہے، چونکہ صورتِ مسئولہ میں مذکورہ ضروریات آپ کی پوری نہیں ہوسکتی نیز آپ کی رضامندی کے بغیر یہ تقسیم ہوئی ہے، لہٰذا ازروئے شرع تقسیم صحیح نہیں ہوئی، آپ کی بہن کو چاہئے کہ دوبارہ باہمی رضامندی سے زمین کی صحیح اور مکمل تقسیم کریں۔ کیونکہ اپنی منفعت کو ملحوظ رکھ کر دوسروں کے حقوق میں کمی کوتاہی کرنا سخت گناہ ہے۔

وشرطها عدم المنفعة بالقسمة ولذا لا يقسم نحو حمام و حائط..... وصحت برضا الشركاء.....وان قال قبل اقراره بالاسيتفاء أصابني من ذلک كذا الى كذا ولم يسلمه الى و كذبه شريكه تحالفا وتفسخ القسمة۔ (الدر المختار مع رد المحتار ۳۸۵،۳۶۹/۹)

عَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مَنْ اَخَذَ شِبْرًا مِنَ الْاَرْضِ ظُلْمًا فَإِنَّهُ يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنْ سَبْعِ أَرْضِيْنَ۔ (رواہ الشیخان بحوالہ مشکوۃ ص/۲۵۵) اَلَا لَا تَظْلِمُوْا

اَلَا لَا یَحِلُّ مَالُ امْرِئٍ مُّسْلِمٍ اِلَّا بِطِیْبِ نَفْسٍ مِنْهُ۔(مشکوۃ ص/۲۵۵)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد مصباح اللہ عفا اللہ عنہ
۵/جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح
سید ولی اللہ غفرلہ
۵/۶/۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح
محمد صلاح الدین عفی عنہ
۵/۶/۱۴۳۵ھ

مشترکہ دہلیز تقسیم کرنے کی صورت

سوال(۱۱۵):

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ زید احمد کے کل ۴/بچے (دو لڑکے اور دو لڑکیاں) ہیں، ان کا ۹۵۰/اسکوئر فٹ کا ایک مکان ہے، اس میں چھوٹی بہن اپنی بڑی بہن کو اپنا حصہ ہبہ کے طور پر لکھ کر دے دی، اب بقیہ تین کا حصہ رہ گیا، اب سوال یہ ہے کہ باہر جانے کے راستہ پر دہلیز کی ۲۵/ اسکوئر فٹ جگہ ہے، اس کو شریعت کے مطابق تقسیم کس طرح کیا جائے؟ اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

سوالِ مذکور صحیح ہونے کی صورت میں مندرجۂ ذیل صورتوں میں سے کوئی ایک صورت اختیار کرلیں:(۱) دہلیز کی ۲۵/اسکوئر فٹ جگہ تمام وارثوں کے درمیان مشترک رہے کہ ہر وارث اس راستہ سے فائدہ اٹھا سکے۔ (۲) اگر مشترک نہ رکھنا چاہیں تو دہلیز کی جگہ تمام وارثوں میں تقسیم کردیں، اس شرط کے ساتھ کہ ہر ایک کو بغیر تنگی و مشکل کے سہولت سے آسانی سے راستہ ملے۔ (۳) ورنہ یعنی سہولت سے ہر

ایک کو راستہ نہ ملتا ہو تو مکان بیچ کر اس کی رقم آپس میں تقسیم کرلیں، اور چھوٹی بہن نے اپنا حصہ اگر اپنی بڑی بہن کو مکمل قبضہ کے ساتھ ہبہ کیا ہو تو بڑی بہن کو اپنے حصے کے ساتھ اُس کا حصہ بھی ملے گا۔ **ولو اختلفوا فی رفع الطریق بینهم فی القسمة ان کان یستقیم لکل واحد طریق یفتحه الخ** (ہدایہ ۴/۴۱۷) **ومنها ان یکون الموهوب مقبوضا۔** (الفتاوی الہندیہ ۴/۴۱۷)

فقط واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح	الجواب صحیح	حررہ العبد سید ولی اللہ غفرلہ
محمد صلاح الدین عفی عنہ	محمد مصباح اللہ عفا اللہ عنہ	۲۴/۴/۱۴۳۴ھ
۲۶/۴/۱۴۳۴ھ	۲۶/ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ	

زوجین کی مشترکہ جائیداد کی تقسیم

سوال (۱۱۶):

بخدمتِ گرامی عالی جناب مفتی صاحب السلام علیکم!

میرا نکاح مسماۃ فاطمہ سے ۱۹۹۶ میں ہوا، ہم دونوں میاں بیوی نااتفاقی کی بناء پر تقریباً چھ مہینے سے علیحدہ زندگی گذار رہے ہیں، ہم دونوں اپنی ذاتی کمائی سے ایک گھر خریدے ہیں جو ہم دونوں کے نام پر ہی ہے، جس کی قیمت آج کے حساب سے تقریباً ۱۰/لاکھ روپئے ہے، ایک اور خالی فلیٹ بھی ہے، جو صرف میری ذاتی کمائی کا ہے، مگر میں نے اپنے بڑے پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کو ہم دونوں کے نام پر رجسٹر کیا ہے، جس کی قیمت تقریباً تین لاکھ تک ہوگی۔ اب ہم نے علیحدہ ہی رہنے کا فیصلہ کیا ہے، آپ سے گذارش ہے کہ شرعی اعتبار سے بتائیں کہ اس پراپرٹی میں کس کس کا کتنا حصہ ہوگا؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق !حامداومصلیاومسلما!

برتقدیرِ صحتِ واقعہ (۱) خلع یا طلاق کے ذریعہ علیحدگی کی صورت میں ذاتی محنت کی کمائی سے خریدی گئی جائیداد سے جو جتنے حصہ کا مالک تھا(یعنی خریداری کے وقت جس کا جتنا حصہ لگاہے)اُس کا اتنا ہی حصہ ہے، نکاح باقی رہنے کی صورت میں بھی یہی حکم ہے۔

(۲)جو جائیداد آپ نے اپنی ذاتی کمائی سے خریدی ہے مگر رجسٹریشن میں بیوی کا نام بھی شامل کرلیاہے، تو یہ شرعاً زمین کو ہبہ کرنے کی شکل ہے، چونکہ زمین بٹوارہ کے قابل چیز ہے، لہٰذا آپ نے اگر بیوی کا حصہ الگ کرکے مکمل قبضہ بیوی کو دے دیا تو اتنے حصہ کی بیوی مالک ہے، اگر حصہ الگ کرکے بیوی کو اس پر قبضہ نہیں دیاہے محض ان کے نام پر رجسٹر کردیاہے تو جائیداد کے مالک صرف آپ ہیں، اس میں بیوی کا کوئی حصہ نہیں ہے، کیونکہ ہبہ کی درستگی کے لئے یہ شرط ہے کہ واہب ہبہ کی جانے والی چیز کو تقسیم کرے، جس کو جتنا دینا ہے اتنا حصہ الگ کرکے مکمل قبضہ سمیت ہبہ کرے، اگر ہر ایک کا حصہ الگ نہیں کیا گیا اور واہب کی موت تک مشترک اور غیر منقسم ہی رہا تو ہبہ درست نہیں(۱)۔(مستفاد:از فتاویٰ رحیمیہ ۳۳۸/۵)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد سید ولی اللہ غفرلہ
۱۴۳۳/۱۱/۵ھ

الجواب صحیح
محمد مصباح اللہ عفا اللہ عنہ
۵/ ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح
محمد صلاح الدین عفی عنہ
۱۴۳۳/۱۱/۵ھ

---

(۱)لا تتم (الهبة) بالقبض فيما يقسم ولو وهبه لشريكه او لاجنبی لعدم تصور القبض الكامل كما فی عامة الكتب فكان هو المذهب، فان قسمه وسلمه صح لزوال المانع۔(درِمختار ج ۸/ص ۴۹۵)

مشترک راستہ پر کسی ایک کا قبضہ کرلینا

سوال(۱۱۷):

بخدمت مفتی صاحب زید مجدکم!

ایک مسئلہ کا حل دریافت کرنا ہے کہ شہر آمبور کی ایک مسجد کی جگہ ہے، جس میں مسجد کو جانے کا راستہ ہے اور وہیں ایک عربی مدرسہ ہے، اُس کا راستہ بھی اِسی راستے سے ملحق ہے، اور مستعمل بھی ہے، اب مسجد کی جگہ میں دو دو کان ہیں جس میں کرایہ دار رہتے ہیں، ان کی آمد ورفت کی راہ بھی اسی گلی میں ہے، اب مدرسہ والے اس راستہ میں جو سرکاری سڑک ہے، اس میں سے آدھا حصہ قبضہ کرکے مدرسہ کے لئے سیڑھی بنا چکے ہیں، جب کہ متولی اور اراکینِ مسجد روکتے ہیں کہ اس طرح سڑک پر قبضہ کرنے سے آمد ورفت دشوار ہو جائے گی، شریعت کے مطابق اس طرح سرکاری جگہ پر قبضہ کرکے مدرسہ کی سیڑھی بنوانا کیسا ہے؟ جواب مطلوب ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

بر تقدیر صحتِ واقعہ صورتِ مسئولہ میں سرکاری راستے کے کچھ حصے پر قبضہ کرکے مدرسہ والوں کا حکومت کی اجازت کے بغیر سیڑھی بنوانا بالکل ناجائز ہے۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد سید ولی اللہ غفرلہ
۱۸/۶/۱۴۳۴ھ

الجواب صحیح
محمد مصباح اللہ عفا اللہ عنہ
۱۸/۶/۱۴۳۴ھ

الجواب صحیح
محمد صلاح الدین عفی عنہ
۱۸/۶/۱۴۳۴ھ

قابلِ تقسیم اشیاء میں تقسیم کی اہم شرط

سوال(۱۱۸):

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ زید کے کل تین لڑکے اور چار لڑکیاں ہیں، زید کا ایک مکان ہے، زید کی وفات کے بعد ان کا بڑا لڑکا نثار احمد نے گھر کی مناسب قیمت لگا کر چار بہنوں کا حق از روئے شریعت ادا کر دیا، چھوٹے بھائی نے بھی اپنے حصے کی قیمت لے لی، چار بھائی اور ایک بہن نے قیمت لے کر اپنے حصے بڑے بھائی نثار احمد کے نام رجسٹر کر کے دے دئے، صرف ایک بھائی ہے، اگر وہ اپنا حق لے لے تو پورا گھر نثار احمد کے نام ہو جائے گا، نثار احمد اپنے بھائی سے کہتا ہے اگر تم کو گھر کے آگے یا پیچھے جس طرف سے پسند ہو اپنے حصہ کی زمین الگ کر کے دیوار کھڑی کر لو یا اس کی قیمت لے لو، وہ بھائی نہ تو قیمت لیتا ہے نہ آگے یا پیچھے سے اپنا حصہ الگ کر لیتا ہے، گھر کی لمبائی سے اپنا حصہ طلب کرتا ہے، اس طرح کی تقسیم سے نہ صرف گھر کا نقشہ یا حلیہ بگڑ جائے گا، الٹا دونوں کا نقصان ہو گا، حل طلب سوال یہ ہے کہ ایک بھائی کا اس طرح بے ڈھنگے انداز سے حق طلب کرنا از روئے شریعت جائز ہے یا نہیں؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

صحتِ واقعہ وصدقِ سوال کی صورت میں ایک بھائی کا مطالبہ شرعاً غلط اور ناجائز ہے، تقسیم کی شرط یہ ہے کہ تقسیم کے بعد چیز قابلِ نفع رہے، اگر تقسیم کے بعد منفعت فوت ہو جاتی ہے تو تقسیم جائز نہیں، کتبِ فقہ میں بصراحت موجود ہے **وشرطها عدم فوت المنفعة بالقسمة۔** (درِ مختار مع شامی ج/۹ص/۳۶۹) اور دوسری بات یہ ہے کہ

نثار احمد کا حصہ زیادہ ہے اور صرف ایک بھائی کا کم، اور شریعت میں جس کا زیادہ حصہ ہے اس کی بات کا اعتبار ہے نہ کہ اس شخص کا جس کا حصہ کم ہے۔ وان انتفع البعض لکثرة نصیبه دون البعض بل تضرر لقلة حظه قسم بطلب ذی النفع لانه طالب تکمیل منفعة ملکه لا بطلب الآخر وهو الاصح۔ (مجمع الانہر ج ۴ ص ۱۲۹) اور وہ بھائی نثار احمد کی تقسیم پر راضی ہو جائے یا اپنے حصے کی قیمت لے کر کسی اور جگہ چلا جائے۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح	الجواب صحیح	حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ
سبیل احمد غفرلہ	احمد سعید عفی عنہ	۲۵ ر شوال المکرم ۱۴۲۳ھ
۱۴۲۳/۱۰/۲۵ھ	۱۴۲۳/۱۰/۲۵ھ	

مشترک مکان میں مخصوص حصے کا مطالبہ

سوال (۱۱۹):

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے میں کہ ایک گھر ہے، جس کا آدھا حصہ بھائی عبد القادر اور آدھا حصہ ان کی بہن قمر النساء کے نام پر ہے، اب بھائی وفات پا چکے ہیں، ان کے دو بیٹے اپنی پھوپھی سے تقاضا کرتے ہیں کہ سامنے والا حصہ جو روڈ پر ہے (جس کی قیمت بھی زیادہ ہے) ہم کو ملنا چاہیئے، جبکہ اُن کی پھوپھی بھی یہی چاہتی ہے کہ گھر کا سامنے والا حصہ مجھے چاہیئے، حل طلب سوال یہ ہے کہ از روئے شریعت کیا بھائی کو گھر کا اگلا حصہ ملنا ضروری ہے؟ کیا ان کی اولاد کا یہ تقاضا از روئے شریعت درست ہے؟ کیا بہن کو گھر کے اگلے حصہ میں حق نہیں مل سکتا؟ کیا بہن کو گھر کا اگلا حصہ مانگنے کا حق نہیں ہے؟

(ب)گھر کی دستاویز میں درج ہے کہ مرحوم عبد القادر صاحب کی بیوی نے مرحوم کے والد کے علاج کے لئے ۵۰۰/روپے دئے ہیں، مرحوم کے بیٹے کا کہنا ہے کہ ۱۹۴۲ء میں ۵۰۰/روپئے کی مالیت آج کے لحاظ سے ۴۰،۰۰۰ کے برابر ہے، کیا گئی گذری باتوں کا اس طرح قیمت لگا کر حصہ میں تقاضا کرنا درست ہے؟ حالانکہ دستاویز میں اس کی ادائیگی کی تحریری سند بھی ہے، مگر پھر بھی وہ تصدیق نہیں کرتے؟ کیا ان کا یہ تقاضا از روئے شریعت درست ہے یا؟ بالتفصیل معلوم فرمایئے۔

(ج) کیا گھر فروخت کر کے اس کی نصف قیمت بہن کو اور نصف قیمت بھائی کو دے سکتے ہیں؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

صدقِ سوال کی صورت میں بھائی اور بہن کے درمیان جو گھر مشترک ہے، اب اگر دونوں تقسیم کرنا چاہتے ہوں تو شرعاً تقسیم کی اجازت ہے مگر تقسیم ان ہی چیزوں میں ہو سکتی ہے، جن کی منفعت تقسیم کے بعد بھی باقی ہو، لہذا حمام، بیت الخلاء، زینہ، دروازہ وغیرہ کی تقسیم منفعتِ مقصودہ کے فوت ہونے کی وجہ سے جائز نہیں۔ گھر کی تقسیم پیمائش سے ہوگی اور عمارت کی تقسیم قیمت سے ہوگی۔(۱)

مرحوم بھائی کی اولاد گھر کا اگلا حصہ جو مانگ رہی ہے، اُن کا یہ مطالبہ درست

---

(۱) ولا یقسم حمام ولا بیر ولا رحی الا ان یتراضی الشرکاء... واذا کان ارض وبناء فعن ابی یوسف انه یقسم کل ذلک علی اعتبار القیمة وعن ابی حنیفة انه یقسم الارض بالمساحة لانه هو الاصل فی الممسوحات ثم یرد من وقع البناء فی نصیبه او من هو اجود دراهم علی الاخر حتی یساویه۔

(ہدایہ قدیمی ۴/۳۹۹-۴۰۰)

نہیں ہے، اگر وہ اگلا حصہ چاہتے ہیں، تو شرعاً اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جبکہ اپنی پھوپھی کو اس کے برابر قیمت یا زمین وغیرہ دے دیں، اور بہن کے لئے بھی شرعاً یہی حکم ہے۔ (کذا فی الشامی ۹/ ۳۸۱ وایضا فی الفتاوی الہندیہ ۵/ ۲۰۵)

(ب) ۵۰۰/ روپئے جو بطریقِ قرض لئے گئے ہیں، اولاً واپسی کی تحریری سند موجود ہے، جس کا انکار غلط ہے، بصورتِ دیگر یعنی ادائیگی کے انکار پر اب جو ادائیگی ہوگی وہ صرف پانچ سو روپئے کی ہی ہو سکتی ہے، چالیس ہزار کا مطالبہ شرعاً ناجائز اور سود ہے۔ (مستفاد از فتاویٰ محمودیہ ۱۷/ ۳۴۱)

(ج) جی ہاں! بلکہ بہتر یہی ہے کہ گھر فروخت کرکے قیمت آدھی تقسیم کرلی جائے، جس میں کوئی جھگڑا وغیرہ نہیں ہے۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ

الجواب صحیح

سبیل احمد غفرلہ

۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ

کمپنی کی تقسیم اور اس کے اخراجات

سوال (۱۲۰):

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین مندرجۂ ذیل مسئلہ میں کہ والدِ محترم ۱۹۹۸ء میں انتقال ہوئے، والدہ محترمہ ۱۹۹۳ء میں انتقال ہوئیں، ان کے کل تین لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں، ایک لڑکی ۱۹۹۷ء میں انتقال کر گئی، اور دو باحیات ہیں، مذکورہ افراد کے سربراہ ایک بڑے تاجر ہیں، جو کہ درجِ ذیل مسئلہ حل کرنے کی غرض سے

آئے تھے، والدِ مرحوم کی کمپنی اس وقت سے ۸/سال (۱۹۹۵-۲۰۰۳) تک رہن میں تھی، جس کی میعاد ختم ہوچکی، کمپنی چونکہ مقروض تھی، اس لئے میں نے کہا آٹھ سال کی میعاد ختم ہونے پر پارٹنر شپ ڈیڈ (Partnership Deed) کے مطابق اور بقیہ جائیداد بھی شریعت کے مطابق تقسیم کرلیں، تو میرے بھائیوں نے ماننے سے انکار کردیا اور کہا کہ فیصلہ ابھی ہوجائے یا میعاد ختم ہونے پر، بہر حال ہر دو فیصلے ایک ہی ساتھ ہوں، رہن پر دینے کی وجہ یہ تھی کہ کارخانہ پر تیس لاکھ کا قرضہ تھا جس کو ادا کرنا ناممکن تھا، اس لئے ہم سب نے یہ طے کیا کہ کارخانہ کو رہن پر دے کر اُس کی آمدنی سے قرض ادا کیا جائے، سوال یہ تھا کہ کس کو دیں، دونوں بھائیوں نے ذمہ داری لینے سے انکار کردیا، چند شرائط کے ساتھ لیس ڈیڈ (Lease deed) بنا کر مجھے دے دئے جو اس کے ساتھ منسلک ہے، مذکورہ آٹھ سال کی مدت میں جو بھی معمولی اخراجات آئیں گے وہ کارخانہ چلانے والا ادا کرے گا، جو بڑے اخراجات آئیں گے وہ کمپنی ادا کرے گی۔

۱۹۹۸ء میں سپریم کورٹ کی طرف سے (.......) کے نام پر پندرہ لاکھ کی رقم ادا کرنے کا حکم صادر ہوا، جس کی آدھی رقم میں نے ادا کردی، یہ کامپنزیشن (Compensation) ۱۹۸۶ء سے ۱۹۹۶ء تک کے لئے ہے۔

(۲) مذکورہ کارخانے کی زمین کا آدھا حصہ جو کہ میرے نام کا ہے (اس کی کاپی اور فتوی منسلک ہے) میرے بھائی اس کو نہیں مانتے۔

(۳) ڈپازیٹ اور تعمیری کام میں تقریباً چار لاکھ خرچ کرچکا ہوں۔

(۴) اسوسیشن کی طرف سے سپریم کورٹ میں سیل ٹیکس کا عام کیس چل رہا ہے، ممکن ہے اگر اللہ نے چاہا تو کچھ نہیں، ورنہ چار لاکھ سے پانچ لاکھ روپئے ادا کرنے ہوں گے، اس کو بھی یہ لوگ نہیں مانتے، یہ ۱۹۸۴ء سے ۱۹۹۴ء تک کا معاملہ ہے، مندرجۂ بالا رقوم

جو میں نے خرچ کیا ہے اس کو اور میری زمین کے حصے کو وہ نہیں مانتے اور انکار کر رہے ہیں، کہتے ہیں کورٹ جانا چاہو تو جاؤ، ہر صورت میں پورا حصہ ملنا چاہئے، اگر ان کی باتوں کو مان لوں تو مجھے کچھ بھی نہیں ملے گا، جب کہ اپنی ذات کے لئے میں نے کچھ بھی نہیں کیا، جس کو اللہ تعالی ہی بہتر جانتا ہے، درخواست ہے کہ از راہِ کرم شریعت کی روشنی میں بتائیں کہ کہاں تک ان کی باتوں کو مانوں؟ اور میرا حق کیا ہے؟ تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامدا ومصلیا ومسلما!

(۱) سوال میں ذکر کردہ تمام باتوں کے سچ ہونے کی صورت میں معاہدہ کے مطابق آٹھ سالہ تجارت کے دوران جو اخراجات تجارت پر ہوئے وہ تو آپ کے ذمہ ہوں گے، باقی کمپنی پر بڑے اخراجات جو آئے وہ تمام وارثین کے ذمہ ہوں گے۔

(۲) آدھی زمین آپ ہی کی ہوگی، کیونکہ مورث نے اپنی زندگی ہی میں تحفۃً وہ زمین آپ کے قبضہ میں دے دی تھی۔

(۳) یہ چار لاکھ روپئے بھی مشترک طور پر سب کے ذمہ ہوں گے۔

(۴) معاہدے کے مطابق اگر سپریم کورٹ کی طرف سے کوئی رقم منظور ہو جائے تو اس کی ادائیگی بھی سب پر لازم ہوگی۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۱۷/ربیع الاول ۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح

احمد سعید عفی عنہ

۱۷/ربیع الاول ۱۴۲۵ھ

ہبہ شدہ مشترکہ مکان بلا اجازت گروی رکھنا

سوال(۱۲۱):

محترم مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مندرجۂ ذیل کچھ پیچیدہ مسئلے ہیں، اُن کا حل اور فتوی معلوم کرنا چاہتی ہوں، آپ براہِ کرم جواب تحریر فرمائیں۔

(۱)میرے والد صاحب ایک کمپنی کے برابر کے حصہ دار تھے ،اس کے برانچس دھاڑواڑ،ڈانڈلی، سوندھرتی، متولی،.یلنگل اور ہلیال میں تھے۔

(۲)ایک امبیسڈر کار بھی تھی۔

(۳)میرے والد کا انتقال ۱۹۸۲ء میں ہوا،اس وقت میرے ایک بھائی نابالغ رہنے کی وجہ سے ان کے حصہ کے روپئے ۳۰،۰۰۰دے کر ایک شخص سہیل احمد نے کمپنی کا نام اپنے نام سے تبدیل کر دیااور والد برابر کے حصہ دار رہنے کے باوجود بھی ان کے حصہ میں سے والدہ کو کچھ بھی نہیں دیا، اس وقت میری والدہ کی تکلیف کو سہیل احمد نظر انداز کر دیئے، یہ کہاں تک جائز ہے؟

(۴)والدہ اپنے شوہر کی کمپنی سے خرچ نہ ملنے کی وجہ سے خود اپنی جائیداد فروخت کر کے دو لاکھ روپئے بینک میں جمع کر کے اپنا ماہانہ خرچ نکالتی تھیں۔

(۵)۱۹۷۶ء میں والدہ ہم دونوں بھائی بہن کو اپنا گھر ہبہ کر دئے۔

(۶)میرے بھائی دبئ(Dubai) جانے کے لئے اس گھر کو والدہ کا نام لے کر ساٹھ ہزار پر گروی رکھ کر رقم لے کر چلے گئے،میری اجازت کے بغیر اس طرح ہبہ کئے ہوئے گھر کو گروی رکھنا کہاں تک جائز ہے؟

(۷)میرے بھائی دبئ میں رہنے کے وقت ان کی اہلیہ اوران کے نسبتی برادر

سہیل احمد دونوں نے بھائی کا قرض ۶۰،۰۰۰ ادا کرنے کے لئے اور اپنے ذاتی فائدے کے لئے اُس گھر کو میرے علم کے بغیر دوبارہ دوسرے شخص کو جھوٹا گواہ بنا کر میری والدہ کا نام استعمال کر کے ۸۵،۰۰۰ میں گروی رکھ دئے، کیا یہ جائز ہے؟

(۸) ۱۹۸۷؁ میں میری والدہ اپنا اور میرے بھائی دونوں کا کھیت فروخت کر کے اس کی رقم ۶۳،۵۲۵ روپئے میرے شوہر کے پاس دے کر اس میں سے ماہانہ خرچ کے لئے سات سو روپئے تک دینے کے لئے کہے تھے، اس میں تین سال تک میرے شوہر ماہانہ خرچ نہیں دے سکے، اس لئے کہ ہماری مالی حالت ٹھیک نہیں تھی۔

(۹) مجھے رہنے کے لئے گھر نہ ہونے کی وجہ سے ۲۰۰۲؁ میں میرے شوہر کے پاس جو ۶۳،۵۲۵/ روپئے تھے، اس میں مزید رقم ۲۱،۴۷۵/ روپئے جمع کر کے کل ۸۵،۰۰۰/ روپئے گروی رکھے ہوئے شخص کو دے کر گھر چھڑا کر اُس گھر میں زندگی بسر کر رہی ہوں، جب میں اس گھر میں اپنا حصہ مانگتی ہوں تو میرے بھائی مجھ سے مزید رقم کا تقاضا کرتے ہیں، یہ کہاں تک جائز ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

ان سوالات کے سچ ہونے کی صورت میں اولاً آپ کی والدہ پر ظلم ہوا ہے اور اُن کی حق تلفی کی گئی ہے، پھر آپ کے بھائی کی طرف سے یہ غلطی ہوئی کہ ہبہ شدہ مکان کو دوسرے شریک کی اجازت کے بغیر گروی رکھ دئے جو سراسر زیادتی ہے۔(۱) ہبہ شدہ مشترکہ مکان اگر تقسیم کے بعد نفع اٹھانے یعنی رہنے سہنے کے قابل ہے تو

---

(۱) عن ابی حرۃ الرقاشی عن عمہ قال قال رسول اللہ ﷺ الا لاتظلموا الا لا یحل مال امرء مسلم الا بطیب نفس منہ۔(مشکوۃ ص/۲۵۵)

پہلی فرصت میں اس کی تقسیم ہونی چاہئے، اس لئے کہ یہ ہمیشہ نزاع و جھگڑا کا سبب ہے تقسیم و بٹوارہ کے لئے آپ کے بھائی کا مزید رقم کا مطالبہ شرعاً درست نہیں ہے، تقسیم پر جو خرچ آئے وہ آپ کے بھائی اور آپ کے ذمہ آدھا آدھا ہو گا، اس کے علاوہ کسی اور رقم کا مطالبہ رشوت یا سود یا ظلم کے تحت داخل ہو گا، حدیثِ شریف میں آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اِیَّاکَ وَ دَعْوَۃَ الْمَظْلُوْمِ یعنی مظلوم کی بد دعا سے بچو کیونکہ وہ اپنا حق مانگتا ہے، اور اللہ تعالیٰ صاحبِ حق کو اس کا حق دینے سے کتراتے نہیں ہیں۔

(مشکوۃ شریف ۴۳۵-۴۳۶)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۲۰/ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح

احمد سعید غفرلہ

۲۰/ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ

ہبہ کے احکام

ہبہ مکمل ہونے کی اہم شرط

سوال(۱۲۲):

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ عبد الرشید صاحب مرحوم کی کوئی اولاد نہیں ہے، اس لئے انھوں نے اپنے ہی بھائی کے ایک بیٹے عبد القدیر نامی لڑکے کو بچپن سے پالا اور اس کو اپنا متبنی (منہ بولا لڑکا) بنالیا تھا، مرحوم نے اپنے انتقال سے پہلے اپنے خاص ایک چھوٹے سے مکان (جو ان کا اپنا ہے اس میں کسی کا حصہ نہیں ہے، اس) کا آدھا حصہ اپنی بیوی کے لئے اور آدھا حصہ متبنی عبد القدیر کے لئے ہبہ کر دیا، ہبہ نامہ بھی بانڈ کاغذ میں رجسٹر کی شکل میں لکھوادیا کہ میرے انتقال کے بعد اس مکان کا آدھا حصہ میری بیوی اور آدھا حصہ میرے متبنی عبد القدیر کا ہے، میں نے یہ مکان ان دونوں کو ہبہ کر دیا ہے، اس میں دوسرے کسی کا کوئی حصہ نہیں ہے، میرے انتقال کے بعد یہ عمل میں آئے گا؛ مرحوم کے انتقال کے قریبی دنوں میں کچھ قرض بھی تھا جس کو مرحوم ہی نے کچھ ادا کیا اور کچھ متبنی نے اپنی کمائی سے ادا کیا، چنانچہ مرحوم کے انتقال کے بعد سے یہ مکان مرحوم کی بیوی اور ان کے متبنی کے قبضہ ہی میں ہے، اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ ہبہ صحیح ہے؟ اس کے مکمل حقدار مرحوم کی بیوی اور متبنی ہی ہوں گے یا اور کسی رشتہ دار کا بھی حق ہے؟ مرحوم کے دو بھائی اور تین بہنیں ہیں، دو بھائی میں سے ایک کا قریبی زمانے ہی میں انتقال ہوا، ان کی اولاد موجود ہے، اب ان کی اولاد عبد الرشید صاحب کے ہبہ کردہ مکان کے بارے میں

کہتی ہے کہ اس مکان میں ہمارا بھی حق ہے، کیا اُن کا مطالبہ صحیح ہے ؟اگر ہے تو کس کس کا ہے ؟اور اس کی نوعیت اور اس کی مقدار کیا ہے ؟شریعت کے مطابق جواب دیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق !حامداومصلیاومسلما!

سوالِ مذکور کی صحت وصدق کی صورت میں مرحوم عبد الرشید صاحب نے اپنے متبنی عبد القدیر اور اپنی اہلیہ کے نام جو ہبہ کیا ہے اگر اپنی موت سے پہلے اپنا قبضہ ختم کر کے موہوب لہ یعنی جن کے نام ہبہ کیا ہے اُس مکان کو تقسیم کر کے اُن کے قبضہ میں دیدیا ہے، تو شرعاً وہ مکان مرحوم کی اہلیہ اور ان کے متبنی عبد القدیر کا ہو گیا، اب کسی کا اس مکان میں نہ حصہ ہے اور نہ ہی حصہ مانگنے کا حق ہے۔(۱)

(مستفاد از فتاوی محمودیہ ج/۱۱ص۴۱۷)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۱۷/شوال المکرم ۱۴۲۰ھ

الجواب صحیح

سبیل احمد غفرلہ

۱۷/شوال المکرم ۱۴۲۰ھ

قابلِ تقسیم اشیاء کا ہبہ قبضہ سے مکمل ہو گا

سوال(۱۲۳):

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مندرجۂ ذیل مسئلوں میں کہ

---

(۱)لاتتم بالقبض فیمایقسم ولو وہبہ لشریکہ أو لأجنبی لعدم تصور القبض الکامل کمافی عامۃ الکتب فکان ھو المذھب، فان قسمہ وسلمہ صح لزوال المانع۔(درِ مختار ج/۸ ص/۴۹۵)

(۱)ایک شخص کی دو بیویاں ہیں، پہلی بیوی سے ایک لڑکی اور دو لڑکے اور دوسری بیوی سے ایک لڑکی ہے، اُس شخص کی خود اپنی کمائی سے حاصل کی ہوئی کچھ جائیداد ہے، اب اُس شخص کی زندگی میں ہی دوسری بیوی جائیداد کا آدھا حصہ مانگ رہی ہے، کیا شرعاً دوسری بیوی کو جائیداد کا آدھا حصہ دینا ضروری ہے؟

(۲)۱۹۸۳ء میں اس شخص نے اپنی دوسری بیوی کے گذر اوقات کے لئے کچھ زمین ہبہ کردی (زمین اس شخص کی خود اپنی کمائی سے حاصل کردہ ہے، باپ دادا کی جائیداد نہیں)۔ ۱۹۹۴ء میں کسی وجہ سے دوسری بیوی کے لئے ہبہ کردہ زمین کو پہلی بیوی کے دو لڑکوں کے نام ہبہ کردیا، اب دوسری بیوی لڑکوں کے نام ہبہ کی گئی زمین واپس مانگ رہی ہے، کیا وہ قانوناً زمین واپس لے سکتی ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

(۱)صدقِ سوال کی صورت میں اپنی جائیداد کا آدھا حصہ دوسری بیوی کی مانگ پر دینا شرعاً ضروری نہیں ہے، کیونکہ جائیداد شوہر کی ہے، وہ اپنی چیز میں بااختیار ہے، ہاں اپنی مرضی وخوشی سے پوری جائیداد یا اس کا بعض حصہ دیدے تو یہ اخلاق اور ثواب کی چیز ہے۔

(۲)زمین تقسیم وبٹوارہ کے قابل چیز ہے، جو چیز بٹوارہ کے قابل ہو اس کے ہبہ کی درستگی کے لئے یہ شرط ہے کہ ہبہ کرنے والا زمین کے حصے کرے، جس کو جتنا دینا ہے اتنا حصہ الگ کرکے مکمل قبضہ کے ساتھ ہبہ کرے، یا ہبہ کرنے کے بعد خود ہبہ کرنے والا یا اس کی اجازت سے جن کو ہبہ کیا گیا ہے اُن میں سے ہر ایک اپنا حصہ الگ کرکے اس پر قابض ہو جاویں تو بھی ہبہ معتبر ہے، لہٰذا اگر مذکورہ ضابطہ کے

مطابق دوسری بیوی پر زمین ہبہ کی گئی تھی تو وہ شرعاً اس کی مالکہ ہو چکی ہے، اب شوہر کا اس کے قبضہ سے چھین کر اپنے دو لڑکوں کے نام ہبہ کرنا درست نہیں ہوا، اس لئے دوسری بیوی کو شرعاً اور قانوناً اس کو واپس لینے کا حق ہے۔ (مستفاد از فتاوی رحیمیہ ج/۱۰ ص/۲۶۳)

لا تتم بالقبض فيما يقسم ولو وهبه لشريكه أو لأجنبي لعدم تصور القبض الكامل كما في عامة الكتب فكان هو المذهب، فان قسمه و سلمه صح لزوال المانع۔

(در مختار ج/۸ ص/۴۹۵)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۸/ ذوالحجہ ۱۴۲۲ھ

تکمیلِ ہبہ کی شرط

سوال (۱۲۴):

محترم حضرت مفتی محمد صلاح الدین صاحب قاسمی زید مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مجھے اولاد نہ ہونے کی وجہ سے میں اپنے بھائی کی بیٹی کو گود لے لیا، اور پال پوس کر شادی کر دی، میں اور میری بیوی اپنی خوشی سے اپنے حصے کے گھر میں (دو دکان ہے) دکان چھوڑ کر اپنے حصے کو لے پالک بیٹی کے نام لکھنا چاہتے ہیں، رجسٹری کا خرچ زیادہ ہونے اور اس کی سہولت نہ ہونے کی وجہ سے آپ سے مشورہ لینا چاہتے ہیں، آپ از روئے شریعت مسئلہ کا حل بتائیں، تاکہ ہماری بچی پر ہمارے بعد کوئی دقت پیش نہ آئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق !حامدا ومصلیاو مسلما!

صورتِ مسئولہ میں اگر آپ اپنی پرورش کردہ لڑکی کو اپنی جائیداد وغیرہ ہبہ کرنا چاہتے ہوں تو اُس کے لئے رجسٹری ضروری نہیں، آپ جو بھی جائیداد ہبہ کرنا چاہتے ہیں اُس کو باضابطہ مکمل قبضہ کے ساتھ اپنی پرورش کردہ لڑکی کے حوالے کردیں اور وہاں سے اپنا قبضہ ختم کردیں(۱)، بہتر ہے کہ ایک ہبہ نامہ تیار کر کے اس پر دو گواہوں سے دستخط بھی لے لی جائے۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۱۴/رجب المرجب ۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح

العبد اجتباء الحق

۱۷/رجب المرجب ۱۴۳۰ھ

ہبہ شدہ مال کی واپسی نہیں ہوسکتی

سوال(۱۲۵):

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ میرے والد کے تین فرزند تھے۔ میرے والد صاحب نے اپنی زندگی ہی میں تینوں فرزندوں کے نام تین ٹیانری لکھدی، اور ان کے نام ہبہ بھی کردیا اور قبضہ بھی دے دیا، البتہ میرے نام کی جو ٹیانری تھی وہ حکومت سے بند کردی گئی تو میری تجارت ختم ہوگئی اور کاروبار رک گیا، اس لئے میں نے والد صاحب مرحوم سے درخواست کی کہ مجھے آپ

(۱)وتتم الهبة بالقبض الكامل، وفى الشامية فيشترط القبض قبل الموت۔ (شامی مع الدر ۴۹۳/۸)

اپنی تجارت سپرد کردیں، والدِ مرحوم نے پورے طور پر سپرد کرنا منظور نہیں فرمایا بلکہ اپنا حصہ دار اور پارٹنر کی حیثیت سے شامل فرمالیا کہ تجارت میں والدِ مرحوم کا حصہ بیس فیصد اور میرا حصہ اسی فیصد رہے گا، چنانچہ اس باضابطہ تحریری معاہدہ کے ساتھ میرے اور میرے والدِ مرحوم کے درمیان تجارت جاری رہی، اسی دوران میں نے اپنی ذاتی اور اہلیہ کے زیورات سے وہ جگہ خریدلی جو پہلے کرایہ کے طور پر تھی، بعد میں اس پر مستقل میرے اور میرے والد کے مشترکہ حصہ سے عمارت تعمیر کرلی گئی، شروع ہی سے میں اس کا نگران رہاہوں۔

لیکن انتقال سے چھ مہینے پہلے اس پر مجھے والد نے مکمل قبضہ دے دیا، اور میں ہی اس کا نگران اور مالک رہا، ۲۰۰۰ء میں والد کا انتقال ہوگیا اور تجارت مکمل میری ہی نگرانی اور ملکیت میں چل رہی ہے، اس دوران میرے ایک بھائی یہ دعوی کرتے ہیں کہ والدِ مرحوم کی تجارت اور اس سے بنائی گئی عمارت دونوں میں مجھے پورا آدھا حصہ ملنا چاہیئے، میں بھی اس میں برابر کا حق دار ہوں، براہِ کرم شریعت کی روشنی میں یہ بتائیں کہ کیا ان کا مطالبہ اور یہ دعوی صحیح ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداومصلیاومسلما!

صورتِ مسئولہ کے سچ ہونے کی صورت میں والدِ مرحوم کی تجارت مکمل آپ ہی کی ہے، ملکیت کے لئے قبضہ شرط ہے، اَسّی فیصد تجارت پر پہلے ہی سے آپ کا قبضہ تھا اور والد کے انتقال سے چھ مہینے پہلے تجارت اور عمارت پر مکمل قبضہ ہوگیا، لہٰذا شرعی اعتبار سے پوری تجارت کے ذمہ دار ومالک آپ ہی ہیں، اور آپ کے بھائی کو حصہ مانگنے کا شرعاً کوئی اختیار اور حق حاصل نہیں ہے۔ وشرائط صحتھافی الموھوب

ان یکون مقبوضاً۔(درِ مختار مع شامی ج/۸ص/۴۸۹)

فقط واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح	الجواب صحیح	حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ
سبیل احمد غفرلہ	احمد سعید عفی عنہ	۲۱ / جمادی الثانی ۱۴۲۴ھ
۲۱/ جمادی الثانی ۱۴۲۴ھ	۲۱/ جمادی اا لثانی ۱۴۲۴ھ	

والدین کو ستانا اور اُن کی زندگی میں حصہ مانگنا

سوال(۱۲۶):

بخدمت حضرت مفتی صاحب زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ میں قمر النساء ایک بوڑھی اور بیوہ عورت ہوں، اور میرے تین فرزند ہیں، تینوں اپنے اہل و عیال کے ساتھ زندگی بسر کررہے ہیں، اور میں الگ تھلگ تنہا زندگی گذارتی ہوں، کھانا وغیرہ الگ ہے، اور جس جگہ میں رہتی ہوں وہ خاص میرے نام پر ہی رجسٹر ہے، اس کے دستاویزات میرے ہی پاس ہیں، تین بیٹوں میں سے ایک بیٹا مجھ سے بہت زیادہ لڑتا جھگڑتا ہے، نامناسب الفاظ کہتا ہے، جس کی بناء پر مجھے مذکورہ لڑکے سے حد سے زیادہ نفرت ہوگئی ہے، مجھے اُس بیٹے کی صورت دیکھنا بھی گوارہ نہیں ہے، کیونکہ چند ماہ قبل اپنے محلے کی جماعت میں فیصلہ کے لئے گئی تھی، تو میرا جھگڑالو بیٹا کہنے لگا میں نے اس جگہ میں گھر بنایا اور بجلی کا انتظام کیا، تو جماعت کے طے کردہ رقم کے مطابق میں نے پوری رقم ادا کردی، اور اس کو گھر سے نکال دیا، پھر کسی کے کہنے پر دوبارہ داخل کرلیا، اب پھر بیٹا، بہو، پوتا، پوتی سب تکلیف دیتے ہیں، ستاتے ہیں، مارنے کو آتے

ہیں، ایسی صورت میں مجھے بالکل پسند نہیں کہ بیٹا بہو میرے گھر میں رہیں، میں ان سے گھر خالی کرانا چاہتی ہوں، ان کی خرچ کردہ مناسب رقم دینے پر بھی راضی ہوں، ایسی صورت میں جب کہ جگہ خاص میری ملکیت کی ہے، مذکورہ جھگڑالو بیٹا کہتا ہے کہ جگہ بیچ دو اور تینوں کا حق دے دو اور تم کہیں چلی جاؤ، حالانکہ میں کھانے تک کو مجبور ہوں، لہٰذا میرے مکان سے اس بیٹے کو نکال کر دوسرے بیٹے کو رکھنے کا حق شرعاً مجھے حاصل ہے یا نہیں؟ اور ایک بڑے بیٹے نے میری اسی جگہ کے ایک کنارہ میں لاکھوں روپئے خرچ کر کے گھر بنالیا ہے، وہ بیٹا مجھے پسند ہے، میری ہی اجازت سے بنایا ہے، اور جھگڑالو بیٹے نے تھوڑا بہت خرچ کیا ہے، میں کہتی ہوں کہ تمہاری خرچ کردہ رقم لے لو اور جگہ خالی کردو، یا توڑ پھوڑ کر چلے جاؤ، میں اپنے لئے مکان بنالیتی ہوں۔

براہِ کرم شرعاً میرا حق کیا ہے اور جس بیٹے کو چاہوں فوراً جگہ سے ہٹا سکتی ہوں یا نہیں؟ معلوم کرائیں۔ انشاء اللہ اسی فتوی کو رکھ کر جماعت سے فیصلہ کراؤں گی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

سوال کے سچ ہونے کی صورت میں ماں کے ساتھ ایک خاص بیٹے کا یہ سلوک انتہائی نامناسب ہے اور شرعاً واخلاقاً حرام ہے، جو اولاد والدین کی خدمت سے جنت حاصل نہیں کرسکتی وہ دنیا وآخرت میں بڑی محروم القسمت ہے(۱)، لہٰذا اس بیٹے کو ایسی نازیبا حرکت سے باز آنا چاہئے اور توبہ کرنا چاہئے، جہاں تک مسئلہ کا تعلق ہے تو ماں کو شرعاً یہ حق حاصل ہے کہ بیٹے کی خرچ کردہ رقم واپس کرکے باہر کردے یا اس سے کہا

---

(۱) عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رغم انفه رغم انفه رغم انفه قيل من يا رسول اللہ قال من ادرك والديه عند الكبر احدهما او كلاهما ثم لم يدخل الجنة. رواه مسلم۔ (مشکوۃ شریف: ۴۱۸)

جائے کہ اپنے سامان نکال لو اور جگہ صاحبِ جگہ کو واپس کر دو، یہی دو صورتیں ہیں اور موت سے پہلے کسی کو کسی سے حق مانگنے کی شرعاً اجازت نہیں، موت کے بعد ہی ترکہ اور میراث کا مسئلہ ہے(۱) جس کی تفصیل شریعت میں موجود ہے، لہٰذا اماں ہی اس جگہ کی مالکہ ہے اور اپنی زندگی میں اس جگہ کا پورا حق اس کو حاصل ہے۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۲۹/ ذیقعدہ ۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح

احمد سعید عفی عنہ

۱/ ۱۲/ ۱۴۲۴ھ

والدین کی زندگی میں حصہ مانگنا جائز نہیں ہے

سوال(۱۲۷):

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ میرا نام عبد الرحمٰن ہے، میرے دو لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں، دو لڑکیوں اور ایک لڑکے کی شادی ہو چکی ہے، اور ایک لڑکے کی شادی کرنا ہے، میں نے اپنی محنت کی کمائی سے ایک مکان بنوایا، ایک لڑکا مجھ سے گھر میں اپنا حق مانگتا ہے، اور صاف کہتا ہے جہاں جانا ہے جاؤ، پہلے میرا حق ادا کر دو، اس بات پر غصہ ہو کر مجھے (باپ) کو مارتا ہے۔

حل طلب سوال یہ ہے کہ میرے جیتے جی اولاد کو میرے گھر میں حق مانگنے کا جواز ہے یا نہیں؟ کیا باپ کے ذمے اولاد کا مطالبہ پورا کرنا ضروری ہے؟ بالتفصیل واضح فرمائیے۔

---

(۱) وھل ارث الحی من الحی ام من المیت؟ المعتمد الثانی۔ (در مختار مع شامی ج/ ۱۰ ص/ ۴۹۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامدا ومصلیا ومسلما!

بر تقدیرِ صحتِ واقعہ مذکورہ سوال میں اولاد کو باپ سے زندگی میں اپنا حق اور حصہ مانگنا جائز نہیں ہے، زندگی میں ہر شخص اپنی جائیداد کا حق دار اور مالک ہے(۱)، دوسرے کو خواہ اولاد ہی کیوں نہ ہو حق مانگنے کا کوئی اختیار حاصل نہیں ہے، شرعی حق موت کے بعد ملتا ہے نہ کہ زندگی میں۔(۲)(کذا فی کتب الفقہ)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ
۶ / ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح
العبد سبیل احمد غفرلہ
۶ / ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ

زبردستی کا ہبہ غصب ہے

سوال(۱۲۸):

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ عظام اس مسئلہ میں زید کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں، بیوی کا انتقال ہو کر چار ماہ ہوئے، دوسرے بیٹے عمرو نے زید سے جبری طور پر زید کی جائیداد کو اپنے نام پر ہبہ کرالیا، اور سرکاری طور پر رجسٹر کرالیا، اور زید کو گھر سے بری طرح ذلیل کر کے باہر کر دیا، اب زید اپنی ہبہ کردہ تمام جائیداد واپس لینا

---

(۱) وفی شرح المجلة للأتاسی(۱۳۲/۴؛ رقم المادة: ۱۱۹۲) کل یتصرف فی ملکه کیف شاء لان کون الشیء ملکا لرجل یقتضی ان یکون مطلقا فی التصرف فیه کیفما شاء۔(بحوالۂ فتاویٰ عثمانی ۴۳۹/۳)

(۲) وهل ارث الحی من الحی ام من المیت؟ المعتمد الثانی۔(درمختار مع شامی ج۱۰/ص۴۹۳)

چاہتا ہے، براہِ کرم شرعی حکم سے مطلع فرمائیں کہ کیا ہبہ کردہ جائیداد واپس لی جا سکتی ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

برتقدیرِ صحتِ واقعہ وصدقِ سوال مذکورہ ہبہ شرعاً صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ ہبہ اُس وقت پورا اور مکمل ہوتا ہے جبکہ ہبہ کرنے والا بخوشی اپنا قبضہ ختم کر کے ہبہ کردہ چیز پر ہبہ کئے ہوئے شخص کو قبضہ دے دے، اور صورتِ مسئولہ میں اس کی صراحت ہے کہ زید کے بیٹے نے بری طرح ذلیل کر کے گھر سے باہر کر دیا، لہٰذا یہ زبردستی کا قبضہ ہوا جو شرعاً غصب کے حکم میں ہے جو سنگین گناہ اور حرام ہے، رجسٹری کر لینے سے دنیوی قانون اگرچہ ہبہ تسلیم کر لے مگر شرعاً یہ ہبہ صحیح نہیں، نیز زید پر ضروری ہے کہ اپنی زندگی میں اگر ہبہ کرنا چاہے تو تمام اولاد کو (بلا فرقِ مذکر ومؤنث) برابر برابر ہبہ کرے ورنہ زید عند اللہ ماخوذ اور گنہگار ہوگا، الغرض ہبہ جب ازروئے شرع مکمل نہیں ہوا تو اُس کو واپس لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ **الهبة تتم بالقبض الكامل۔** (مجمع الانہر ۳/ ۴۸۹)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ
۲۷/ رجب المرجب ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح
محمد اجتباء الحق غفرلہ
۲۷/ رجب المرجب ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح
سبیل احمد غفرلہ
۲۷/ رجب المرجب ۱۴۲۸ھ

وقف کے احکام

واقف کی اولاد کے لئے حقِ تولیت

سوال(۱۲۹):

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین مسئلۂ ذیل میں کہ میرے والد مرحوم نے اپنی خاص رقم سے ایک مسجد تعمیر کی اور تا دمِ حیات نگرانی فرماتے رہے اور اپنی زندگی ہی میں محلہ والوں کو مسجد کی قدرے ذمہ داری حوالے کی، یہاں تک کہ آج تک وہ سلسلہ جاری رہا، گذشتہ رمضان المبارک میں اختلاف ہوا اور مجھے معلوم ہوا کہ مسجد کی رقم اور چیزوں میں خیانت ہوئی ہے، فوراً میں نے محلہ والوں کے ساتھ مل کر مسجد کو اپنے کنٹرول میں لے لیا اور آج تک میرے ہی کنٹرول میں ہے، اور حالات سازگار ہیں، اب ایسی صورت میں پھر محلہ کے کچھ احباب چاہتے ہیں کہ میں بالکل مسجد کی ذمہ داری سے الگ ہو جاؤں جو کہ میری مرضی کے خلاف ہے، تو اُس مسجد میں والد صاحب کے بعد مجھے نگرانی کا حق پہونچتا ہے یا نہیں؟ تفصیل کے ساتھ جواب مطلوب ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداومصلیاومسلما!

بشرطِ صدقِ سوال اگر والد کی طرف سے مقرر کردہ متولی کی جانب سے خیانت ہوئی ہے تو واقف کی اولاد کو شرعاً یہ حق حاصل ہے کہ قاضی کے یہاں دعوی دائر کرکے متولی کی تولیت کو باطل کردے (۱) اور مسجد کی نگرانی واقف کی اولاد یا دوسرے

(۱) ولیس من النظر تولیۃ الخائن لانہ یخل بالمقصود... وان الناظر اذا فسق استحق العزل۔ (درمختار ۶/۵۷۸)

دیندار لوگ کرسکتے ہیں۔ (مستفاد از فتاوی محمودیہ ج/۱ص/۵۳۰)(۱)

فقط واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح الجواب صحیح حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

سبیل احمد غفرلہ احمد سعید عفی عنہ ۲۲/شوال المکرم ۱۴۲۴ھ

۲۲/شوال المکرم ۱۴۲۴ھ ۲۲/شوال المکرم ۱۴۲۴ھ

واقف کی اولاد ہی تولیت کی زیادہ حقدار ہے

سوال (۱۳۰):

مکرم جناب مفتی صاحب حفظہ اللہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

عرضِ خدمت یہ ہے کہ ترونامل میں ایک صاحب نے ایک مسجد کی تعمیر کی، اوراپنے ایک عزیز کو متولی بنایا، اور یہ صراحت کردی کہ اِس مسجد کے خادم اور متولی ہمارے ہی خاندان والے رہیں گے، وقف بورڈ کے حوالے نہیں کیا، الغرض اس کے متولی یکے بعد دیگرے تعمیر کرنے والے کے خاندان ہی سے ہوتے رہے، یہ سلسلہ ۱۹۹۰ء تک چلتا رہا، اس کے بعد وقف بورڈوالوں نے اس مسجد کو اپنے قبضہ میں لے کر ایک دوسرے شخص کو متولی بنادیا، شرعاًدریافت طلب امر یہ ہے کہ وقف بورڈوالوں کا یہ قبضہ درست ہے یا نہیں؟ وارثین کو چھوڑ کر دوسروں کو متولی بنانا کیسا ہے؟ براہِ کرم اس درخواست کو قبول فرمائیں اور شریعت کی روشنی میں واضح جواب مرحمت فرمائیں۔اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطافرمائے۔

---

(۱) وما دام احد یصلح للتولیة من اقارب الواقف لا یجعل المتولی من الاجانب وفی الشامیة ومفادہ تقدیم اولاد الواقف وان لم یکن الوقف علیهم۔(الدر مع الرد ۶/ ۶۳۷)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامدا ومصلیاو مسلما!

سوالِ مذکور میں بیان کردہ صورتِ حال صحیح، واقعی اور سچ ہونے کی صورت میں بانیٔ مسجد کی اولاد اوران کے خاندان والے ہی متولی رہیں گے، وقف بورڈ کے ذمہ داروں کا یہ فعل شرعاً درست نہیں ہے، مگر واضح رہے کہ تولیتِ مسجد کوئی دنیوی منصب اور عہدہ نہیں ہے، بلکہ خالص ایک دینی ذمہ داری ہے، لہٰذا متولیٔ مسجد کا صالح متقی اوردیندار اورامانت دار ہونا نیز ضروریاتِ مسجد کے انتظام کی مکمل اہلیت رکھنے والا ہونا ضروری ہے۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح	الجواب صحیح	حررہ العبد سید ولی اللہ غفرلہ
محمد صلاح الدین عفی عنہ	محمد مصباح اللہ عفا اللہ عنہ	۱۶/۱/۱۴۳۵ھ
۱۸/ محرم ۱۴۳۵ھ	۱۸/ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ	

وقف کی زمین فروخت کرنا جائز نہیں

سوال (۱۳۱):

بخدمتِ جناب مفتی صاحب دامت برکاتہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین مسائلِ ذیل میں کہ ایک مسجد کی وقف شدہ زمین ہائی وے میں واقع ہے، جو لگ بھگ ۳۵/ سال سے ایک غیر مسلم کی زیر نگرانی ہے، مذکورہ نگران سے (جو اِس وقت زمین پر قابض ہے) اس عرصے میں کوئی آمدنی یا کرایہ وصول نہیں ہوا، حالانکہ اس شخص نے اس زمین سے کافی آمدنی حاصل کرلی ہے، گذشتہ تین سال پہلے ٹرسٹیانِ مسجد نے اس زمین کی فروخت

کے سلسلے میں ایک قدم اٹھایا، اور یہ معاہدہ طے کیا کہ تقریباً ۱۲۰۰۰ مربع فٹ ۲۷ سینٹ (جس کی لاگت آج ۱۸/ لاکھ روپئے کے قریب ہے) مذکورہ غیر مسلم کو اجرت میں دے کر بقیہ زمین قیمتاً فروخت کی جائے، ٹرسٹیانِ مسجد نے اس معاہدہ کی نہ وقف بورڈ سے اجازت حاصل کی ہے، اور نہ ہی اراکینِ جماعت کی جانب سے ٹرسٹیانِ مسجد کو مسجد کی جملہ جائیداد میں خرید و فروخت کی پوری اجازت ہے، لہٰذا اس طرح کا فعل (اجرت یا رشوت دے کر خالی کروانا) ازروئے شریعت جائز ہے یا نہیں؟ قانونی کارروائی اور وقف بورڈ کی مدد سے مذکورہ جائیداد غیر مسلم نگران کے قبضہ سے اجرت کے بغیر بھی خالی کروائی جاسکتی ہے گو کچھ دیر ہو، مزید یہ کہ مذکورہ جائیداد کی فوری فروخت کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے، اور یہ جائیداد ایسی جگہ پر موجود ہے جو آئندہ ضرورت کے موقعہ پر نہایت اونچی قیمت پر فروخت ہو سکتی ہے، لہٰذا ان حالات میں مذکورہ نگران کو زمین کا ایک حصہ اجرت میں دے کر بقیہ حصے کو فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اطلاع دیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداومصلیاومسلما!

مذکورہ سوال کے سچ ہونے کی صورت میں مسجد کے لئے ایک مرتبہ وقف کر دینے کے بعد پھر کبھی اس کی زمین کو فروخت کرنا جائز نہیں، وقف کا مطلب شرعاً یہ ہے کہ زمین اللہ کی ملکیت ہو جائے گی، اوراس کے منافع اور فوائد مسجد، مدرسہ وغیرہ جس کے لئے بھی وقف ہے ان پر خرچ کئے جائیں گے، لہٰذا مسجد کی وقف شدہ زمین کی نہ فروخت جائز ہے نہ ہبہ و ہدیہ۔ سائل نے سوال میں غلطی کی ہے کہ ”نہ ہی اراکینِ جماعت کی جانب سے ٹرسٹیانِ مسجد کو مسجد کی جملہ جائیداد میں خرید وفروخت کی پوری اجازت ہے“ جبکہ شرعاً اراکینِ جماعت صرف اوقاف کے نگہبان اور محافظ

ہیں، اور صحیح شرعی مصرف میں خرچ کے ذمہ دار ہیں نہ کہ حق دار و مالک۔ ہاں اگر اس زمین سے فائدہ اٹھانا قطعاً ناممکن ہو تو اس کو فروخت کر کے دوسری زمین خریدی جاسکتی ہے، تاکہ اس کو وقف کر دیا جائے۔ (مستفاد از فتاویٰ محمودیہ ۱۵/۱۷۵)

ٹرسٹیانِ مسجد سے دوسری غلطی اور سنگین قسم کی غلطی ہوئی کہ ایک تو بلا ضرورت مسجد کی زمین کو فروخت کرنے کا فیصلہ کیا گیا، اور دوسری غیر مسلم کو نگہبان بنا کر مزید اس کو رشوت دینے کا فیصلہ کر لئے، یہ فعل شرعاً ناجائز ہے، پہلی فرصت میں عدالت وغیرہ کے ذریعہ اوقافِ مسجد کی حفاظت کریں۔

فاذا تم ولزم لا یملک ولا یعار ولا یرھن الیٰ قولہ لا یکون مملوکا لصاحبہ ولا یملک ای لایقبل التملیک لغیرہ بالبیع ونحوہ لاستحالۃ تملیک الخارج عن ملکہ ولا یعار ولا یرھن لاقتضاءھا الملک۔ (درِ مختار مع شامی ۶/۵۳۹ مطبوعہ دیوبند)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۱۰/ صفر المظفر ۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح

سبیل احمد غفرلہ

۱۰/ صفر المظفر ۱۴۲۶ھ

موقوفہ جائیداد کی خرید و فروخت ناجائز ہے

سوال (۱۳۲):

بخدمت محترم و مکرم مفتی صاحب مدظلہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

میری بہن نے ایک زمین مسجد کے لئے وقف کی ہے، سات آٹھ سال سے اس کی کوئی آمدنی نہیں ہے، اس لئے ذمہ دار اس جگہ کو فروخت کر کے کوئی نفع بخش

جگہ لینا چاہتے ہیں، کیا یہ درست ہے ؟ مہربانی فرما کر جواب دیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق ! حامدا و مصلیا و مسلما!

موقوفہ جائیداد کی خرید و فروخت ناجائز ہے، اس کی حفاظت کرنا لازم ہے، مسجد کی آمدنی کے لئے کوئی اور ذرائع و اسباب اختیار کریں۔ فتاوی ہندیہ میں ہے فیلزم ولا یباع ولا یوھب ولا یورث۔ (الفتاوی الہندیۃ ۲/ ۳۵۷ومستفاد از فتاوی محمودیہ ۱۴/ ۳۲۲)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد سید ولی اللہ غفرلہ
۷/ ۱۱/ ۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح
محمد مصباح اللہ عفا اللہ عنہ
۱۰/ ذیقعدہ ۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح
محمد صلاح الدین عفی عنہ
۱۰/ ذیقعدہ ۱۴۳۵ھ

موقوفہ مکان کو بدلنے کی شرط

سوال (۱۳۳):

علمائے کرام اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ ہماری مسجد سے متصل ایک شخص کا مکان ہے، اس سے متصل مسجد کا موقوفہ مکان ہے، اہلِ محلہ کے لئے پانی کی سخت ضرورت کی وجہ سے پانی تلاش کرنے پر مسجد سے متصل مکان میں جھرّا معلوم ہوا، اہلِ محلہ اس شخص سے مسجد کے موقوفہ مکان کو بدل کر مسجد کی طرف سے اس جھرّے والے حصہ کو اہلِ محلہ کے فائدہ کی خاطر بطورِ کرایہ یا بطورِ وقف یا بطورِ فروخت دینا چاہتے ہیں، کیا اس طریقے سے موقوفہ مکان کو بدل سکتے ہیں؟ براہِ کرم شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق !حامداو مصلیاو مسلما!

موقوفہ شئ کو بدلنے یا فروخت کرنے کے لئے وقف کے وقت واقف کی اجازت ضروری ہے۔وجاز شرط الاستبدال به اعلم ان الاستبدال علیٰ ثلاثة وجوه: الاول ان يشرطه الواقف لنفسه او لغيره او لنفسه ولغيره فالاستبدال فيه جائز على الصحيح وقيل اتفاقا ....الخ۔(شامی ۶/ ۵۸۳)لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر بوقتِ وقف واقف کی اجازت ہو تو پھر اس مکان کو بدلنے کی شرعاً اجازت ہوگی ورنہ نہیں۔چونکہ جھرّے والا مکان مسجد کے لئے موقوف نہیں ہے اور موقوفہ مکان کو مذکورہ شرائط نہ ہونے کی بناء پر بدل نہیں سکتے، لہٰذا حل یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی صاحبِ خیر اس جھرے والے مکان کے اتنے حصے کو خرید کر محلہ والوں کے لئے وقف کر دے۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

یکم جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح

العبد سبیل احمد غفرلہ

یکم جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ

شرعی عذر کے بغیر اوقاف کی تبدیلی جائز نہیں

سوال (۱۳۴):

بخدمتِ محترم مفتی صاحب دامت برکاتہم!

شہر کی ایک مسجد کے لئے دو مکان اور چار دکانیں وقف شدہ ہیں، ان اوقاف سے ماہانہ بطورِ کرایہ تقریباً پانچ ہزار روپئے وصول ہوتے ہیں، شہر کی ایک مشہور تنظیم

مسجد کے وقف شدہ مکان اور دو کانوں کو ملا کر اپنی خالی زمین پر ایک تعلیمی ادارہ کی عمارت تعمیر کرنا چاہتی ہے، جس کے لئے وہ مسجد کے وقف شدہ مکانات اور دکانیں طلب کر رہی ہے، اور اس کے عوض کسی بھی جگہ مکان اور دکانیں خرید کر مسجد کے نام پر وقف کر دے گی۔

کیا مسجد کے اراکین اتفاقِ رائے سے مسجد کے مذکورہ بالا اوقاف کو اس تنظیم کے حوالے کر کے اس کے بدلے میں دوسری جگہ حاصل کر سکتے ہیں؟ شرعی نقطۂ نظر سے کیا یہ عمل جائز ہے؟ اس سلسلے میں فتویٰ مطلوب ہے، مفصلاً وضاحت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامدا ومصلیا ومسلما!

صورتِ مسئولہ میں از روئے شرع مسجد کے لئے وقف شدہ ملکیت کو دوسری ملکیت کے عوض بدلنا درست نہیں ہے، وقف شدہ ملکیت کو بدلنے کی بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ ملکیت بالکلیہ اور قطعاً قابلِ انتفاع وآمدنی نہ رہے، اور مسئولہ صورت میں وقف شدہ ملکیت چونکہ قابلِ انتفاع و آمدنی ہے، لہٰذا تبدیل کرنے کی شرعاً اجازت نہیں۔ (مستفاد از فتاوی محمودیہ ج/۱۵ص/۳۰۹،۳۱۳)

والثانی ان لا یشترطه الواقف لنفسه او لغیره سواء شرط عدمها أو سکت لکن صار بحیث لا ینقطع به بالکلیة بان لا یحصل منه شیء اصلا۔ (ردالمحتار/۶/۵۸۳)

فقط واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح	الجواب صحیح	حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ
العبد سبیل احمد	العبد اجتباء الحق	۱۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ
۱۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ	۱۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ	

پرانی مسجد کی اشیاء کو بیچنے کا حکم

سوال(۱۳۵):

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے میں کہ ہمارے گاؤں کی جامع مسجد شہید کرکے نئی مسجد از سرِ نو تعمیر ہوچکی ہے، دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ پرانی مسجد کے پرانے قیمتی سامان مثلاً چھت میں سے نکالی گئی لکڑیاں (ترائی)، بجلی کے پنکھے اور اینٹ وغیرہ کو فروخت کرسکتے ہیں؟ اگر جائز ہو تو ان کی قیمت کو کیا کریں؟ مدلل ومفصل جواب سے نوازیں، عین نوازش ہوگی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداومصلیاومسلما!

صورتِ مسئولہ میں پرانی مسجد کے سامان شرعاً فروخت کرسکتے ہیں، اور فروخت شدہ سامان کی قیمت مسجد کے مصارف میں خرچ کی جائے، یعنی وہ قیمت پرانی مسجد کی جگہ جو نئی مسجد تعمیر ہوئی ہے اُس کی ضروریات میں خرچ کی جائے گی۔(۱)

(مستفاد فتاویٰ محمودیہ ۱/۴۸۰قدیمی)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۱۹/ محرم الحرام ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح

العبد اجتباء الحق غفرلہ

۱۹/ محرم الحرام ۱۴۲۸ھ

---

(۱) ونقل فی الذخیرة عن شمس الائمة الحلوانی انه سئل عن مسجد أو حوض خرب ولا یحتاج الیه لتفرق الناس عنه هل للقاضی ان یصرف اوقافه الی مسجد أو حوض اخر فقال: نعم ومثله فی البحر عن القنیة۔ (ردِمحتار ۶/۵۵۰)

متولئ مسجد کے اوصاف اور چندہ دینے والوں کی ذمہ داری

سوال(۱۳٦):

عالی جناب مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

عرضِ خدمت یہ ہے کہ ایک شخص جو ایک سودی کاروباری کے یہاں ملازمت کرتا ہے اور ایک مسجد کا متولی بھی ہے، ہم آپ سے یہ جاننا چاہتے ہیں کہ مذکورہ شخص متولی بن سکتا ہے یا نہیں؟ ازراہِ نوازش معلوم کرائیں۔ دیگر عرضِ خدمت یہ ہے کہ مسجد میں ہر جمعہ چندہ وصول کرتے ہیں، جس میں شرابی کبابی، سود خور اور سٹہ کھیلنے والے وغیرہ بھی چندہ دیتے ہیں، کیا اُن لوگوں سے پیسے وصول کرنا جائز ہے؟ براہِ کرم معلوم کرائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداومصلیاومسلما!

(۱) بصورتِ صحتِ سوال مسجد کا متولی باعمل عالم ہونا چاہیئے، اگر ایسا شخص میسر نہ ہو تو شریعت کا پابند، امانت دار، مسائلِ وقف کا جاننے والا، خوش اخلاق، رحم دل، منصف مزاج، علم دوست، علماء کا اکرام کرنے والا اور دیگر اچھے اوصاف کے حامل کو متولی ہونا چاہیئے، اہلِ محلہ ایسے ہی شخص کا انتخاب کرکے متولی بنائیں، اور جو شخص فاسق و بے عمل ہے اُس کو متولی بنانا یا زبردستی بن جانا بڑی زبردست خیانت ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب امانت نااہل اور غیر حق دار کو سپرد کی جائے تو قیامت کا انتظار کرو، لہٰذا سودی کاروباری کے ملازم کو چاہیئے کہ وہ اس ملازمت کو ترک کردے، اور حلال روزی کی فکر کرے، ویسے بھی ایک مسلمان کو سودی کاروباری کی ملازمت جائز نہیں، متولی کے لئے اور زیادہ پرہیز کرنا ضروری ہے، کیونکہ مسجد اللہ تعالیٰ کا گھر ہے، ایسے مقدس گھر کا انتظام گناہ کے ساتھ کرنا اور اس کی

ذمہ داری قبول کرنا بڑی سخت و سنگین غلطی ہے۔(۱)(مستفاد از فتاویٰ رحیمیہ ۲/ ۱۶۵ قدیمی)

(۲) دینی ضرورت کے تحت چندہ کرنا جائز ہے اور چندہ دینے والوں کی ذمہ داری ہے کہ نہایت پاکیزہ اور صاف ستھرا مال چندہ میں دیں، حرام طریقہ سے کمایا ہوا مال نہ دیں، باقی چندہ دینے والوں کی اکثریت تقریباً حلال کمانے والوں کی ہوتی ہے، لہٰذا چندہ کیا ہوا مال اور رقم حلال رہے گی۔ (مستفاد از فتاویٰ محمودیہ ۱۲/ ۲۵۴ قدیمی)(۲)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح

محمد اجتباء الحق

۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ

مسجد کی آمدنی ضروریاتِ مسجد ہی میں صرف کریں

سوال (۱۳۷):

محترم و مکرم علماءِ کرام اور مفتیانِ عظام   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے کہ مزاجِ عالی بخیر ہوں گے، ہماری مسجد کے چند اہم امور کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں، درجِ ذیل امور کا شرعی حکم بیان کریں۔

---

(۱) قال فی الاسعاف ولا یولی الا امین قادر بنفسہ او بنائبہ لان الولایۃ مقیدۃ بشرط النظر ولیس من النظر تولیۃ الخائن لانہ یخل بالمقصود وکذا تولیۃ العاجز لان المقصود لا یحصل بہ..... وینزع وجوبا لو غیر مامون او عاجزا او ظھر بہ فسق۔ (در مختار ۶/ ۵۷۸)

(۲) قال تاج الشریعۃ اما لو أنفق فی ذلک (المسجد) مالا خبیثا ومالا سببہ الخبیث والطیب فیکرہ لأن اللہ تعالیٰ لا یقبل الا الطیب فیکرہ تلویث بیتہ بما لا یقبلہ اھ شرنبلالیۃ۔ (شامی ۲/ ۴۳۱)

(۱) ہمارے قریہ میں ایک اسکول ہے، جس میں ۵۰/ طلبہ و طالبات ایک سے لے کر پانچویں کلاس تک تعلیم حاصل کرتے ہیں، جس میں بچوں کو لانے کے لئے آٹو کا خرچ ہر ماہ مسجد سے دے دیا جاتا ہے، کیا یہ درست ہے؟

(۲) مسجد کی طرف سے ایک گھنٹہ طالبات کے لئے بعد نمازِ مغرب مدرسۂ نسوان قائم کیا گیا ہے، جس میں دو معلمات کو مسجد کی طرف سے تنخواہ دی جاتی ہے، کیا یہ درست ہے؟

(۳) مسجد میں طلبہ کے لئے بعد نمازِ مغرب مکتب کا انتظام ہے، جس میں پڑھانے والے استاذ کو مسجد سے تنخواہ دی جاتی ہے، کیا یہ درست ہے؟

(۴) ۲۷ویں شب میں چائے بسکٹ، بوندی کا خرچ اور رمضان میں گنجی پکانے اور نقارہ بجانے والے اور حافظ صاحب کا وظیفہ مسجد سے ادا کیا جاتا ہے، کیا یہ درست ہے؟

(۵) ہر ماہ مستوارت کے لئے بیان کا انتظام ہے، جس میں پڑوس قریہ کی عورتیں آتی ہیں، ان کے لئے آٹو کا خرچ مسجد سے دیا جاتا ہے، یہ دینا درست ہے یا نہیں؟

(۶) قبرستان میں ایک عمارت کرایہ پر دی گئی ہے، اس کا کرایہ مسجد کے مَد میں جمع کیا جاتا ہے، کیا یہ درست ہے؟

(۷) رمضان میں گنجی (نمکین مشروب) کے لئے ۲۰۰/ کلو چاول گورنمنٹ سے اور اہلِ خیر کی جانب سے ۳۰۰/ کلو سے زائد چاول آتے ہیں، ان کو استعمال کرنے کے بعد بقیہ چاول کو فروخت کرکے مسجد کی رقم میں جمع کرلیا جاتاہسے، کیا یہ درست ہے؟

(۸) علاوہ ازیں گنجی کا چندہ اور مسجد کا چندہ ایک ساتھ جمع کیا جاتا ہے، کیا یہ درست ہے؟

(۹)اور بینک میں جمع کردہ رقم پر جو سود ملتا ہے اس کو مسجد کی رقم میں جمع کیا جارہا ہے، اُس کو الگ کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ اور اُس کو کہاں خرچ کیا جا سکتا ہے؟ براہِ کرم ان سوالات کے جوابات جلد از جلد عنایت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامدا ومصلیاو مسلما!

(۱)تا(۵) بصورتِ صدقِ سوال مسجد کی آمدنی مسجد کی ضروریات ہی میں صَرف ہونی چاہئے، مثلاً مسجد کی مرمت یا مسجد کے آلات یعنی صف، لوٹا اور لائٹ وغیرہ کی مرمت میں، اسی طرح مسجد و شعائرِ مسجد مثلاً امام و مؤذن کی تنخواہوں میں صَرف ہونی چاہئے، اور جو چیزیں سوال میں مذکور ہیں یعنی اسکول کے طلباء اور طالبات کی آمدورفت کا خرچ، معلم ومعلمات کی تنخواہ، گنجی پکانے والے اور نقارہ بجانے والے کی اجرت، حافظ کو تراویح پڑھانے کی اجرت اور استماعِ وعظ و نصیحت کے لئے مستورات کی آمدورفت کا خرچ وغیرہ ان چیزوں میں سے کوئی بھی مسجد کی ضروریات یا مصالحِ مسجد میں داخل نہیں ہے، لہٰذا ان مصارف میں مسجد کا پیسہ لگانا اور خرچ کرنا ناجائز ہے، واضح رہے کہ تراویح بلا اجرت ہونی چاہئے، تراویح پر اجرت لینے اور دینے والے دونوں گنہگار ہوں گے، اور اس میں مسجد کا پیسہ لگانا تو اور زیادہ قبیح ہے۔

(۶) قبرستان کی عمارت کا کرایہ قبرستان ہی پر صرف کیا جائے، مسجد کے مَد میں اس کو جمع نہ کیا جائے۔

(۷) گنجی کے لئے آمدہ چاول کو فروخت کرکے مسجد کے مد میں جمع کرنا درست نہیں۔

(۸) گنجی اور مسجد کا چندہ الگ الگ رکھیں، ایک کو دوسرے کے ساتھ جمع نہ

کیا جائے۔

(۹)سود کا پیسہ مسجد کی آمدنی میں جمع کرنا جائز نہیں، بینک سے ملنے والی سودی رقم کو نکال کر بلانیتِ ثواب غرباء پر صدقہ کر دیا جائے، مسجد اور مدرسہ کی تعمیر یا تنخواہوں میں سودی رقم دینا جائز نہیں۔

(۱)تا(۵)الفاضل من وقف المسجد هل یصرف الی الفقراء قیل لا یصرف وانه صحیح ولکن یشتری به مستغلا للمسجد۔(الفتاویٰ الهندیہ ۲/۴۳۱بیروت)

الذی یبدأ من ارتفاع الوقف عمارته، شرط الواقف أم لا ثم الی ما هو اقرب الی العمارة أعم للمصلحة کالامام للمسجد والمدرس للمدرسة یصرف الیهم بقدر کفایتهم ثم السرج والبسط کذلک الی آخر المصالح۔(الفتاویٰ الهندیہ ۲/۳۶۸بیروت) (ومثله فی الدر المختار مع رد المحتار ۶/۵۵۹،۵۶۱)

(۶) سئل نجم الدین فی مقبرة فیها أشجار هل یجوز صرفها الی عمارة المسجد قال نعم ان لم تکن وقفا علی وجه آخر قیل له ان تداعت حیطان المقبرة الی الخراب یصرف الیها أو الی المسجد قال الی ما هی وقف علیه۔(الفتاویٰ الهندیہ ۲/۴۳۶بیروت)

(۹) قال تاج الشریعة اما لو أنفق فی ذلک (المسجد) مالا خبیثا ومالا سببه الخبیث والطیب فیکره لأن الله تعالی لا یقبل الا الطیب فیکره تلویث بیته بما لا یقبله اه شرنبلالیة۔(شامی ۲/۴۳۱)

لأن سبیل الکسب الخبیث التصدق اذا تعذر الرد علی صاحبه۔(شامی ۹/۵۵۳)

فقط واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح	الجواب صحیح	کتبہ العبد محمد مصباح اللہ عفا اللہ عنہ
محمد صلاح الدین عفی عنہ	سید ولی اللہ غفرلہ	۲۶/ جمادی الاخریٰ ۱۴۳۵ھ
۲۶/۶/۱۴۳۵ھ	۲۶/۶/۱۴۳۵ھ	

سودی پیسے سے مسجد کے بیت الخلاء کی تعمیر

سوال(۱۳۸):

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ ایک امیر آدمی کے مالی تعاون سے مسجد میں بیت الخلاء بنوایا گیا ہے، جب ان سے پوچھا گیا کہ یہ کونسی رقم تھی، تو انھوں نے جواب دیا کہ بیت الخلاء کی تعمیر مسجد کے لئے ضروری تھی، اس میں تجارت کا روپیہ بھی دیا ہوں اور سود کا پیسہ بھی دیا ہوں۔

بیت الخلاء کی چھت پر نماز پڑھنے کے لئے نہیں، قرآن کے درس و تدریس کے لئے نہیں، صرف جماعت میں آنے والی عرضیوں کی سماعت کے لئے، کسی بھی کام میں اراکینِ جماعت سے مشورہ طلب کرنے کے لئے، مسجد کا حساب وکتاب رکھنے کے لئے ایک کمرہ یا ہال بنانا چاہتے ہیں، حل طلب سوال یہ ہے کہ بیت الخلاء کی چھت پر اس مقصد کے لئے کمرہ اور ہال کا بنانا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ واضح فرمائیے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداومصلیاومسلما!

سوال کے سچ ہونے کی صورت میں حلال وحرام مخلوط مال سے مسجد کے لئے بیت الخلاء تعمیر کرنا درست ہے، لہذا اس کے اوپر مشورہ کے لئے ایک ہال بنوانا بھی جائز ہے،(۱) لیکن صاحبِ مال پر واجب وضروری ہے کہ جتنا حرام مال لگا ہے وہ بغیر ثواب کی نیت کے غرباء میں صدقہ کردیں۔(مستفاد از فتاوی محمودیہ ۱۳۶/۵ قدیمی) واضح رہے کہ سوال میں آمیزش یعنی مخلوط ہونے کی صراحت ہے۔ لہذا اگر کل مال سود کا ہے

(۱)ولا باس بنقشه خلا محرابه بجص وماء ذهب بماله الحلال وفی الشامية قال تاج الشريعة: اما لو انفق فی ذلک ما لا خبثاً ومالا سببه الخبيث والطيب فيكره لان الله لا يقبل الا الطيب۔(در مختار ۴۳۱/۲)

تو پھر ناجائز اور حرام ہے،(۱) یہ جواب مخلوط مال سے متعلق ہے۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۲۳/ صفر المظفر/ ۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح

احمد سعید عفی عنہ

۲۳صفر المظفر/ ۱۴۲۵ھ

موقوفہ زمین کو کرایہ پر دینا

سوال(۱۳۹):

بخدمت حضرت مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ مسجد سے متصل ایک مدرسہ کی بنی بنائی عمارت ہے، جس میں عصر تا عشاء لڑکے اور لڑکیاں ناظرہ ٔقرآنِ مجید کی تعلیم حاصل کررہے ہیں، طلباء وطالبات کی تعداد زیادہ تو نہیں ہے مدرسہ کی ضرورت کے بعد اس عمارت میں کافی جگہ بچت ہے، محلہ والوں کی رائے ہے کہ اس بیکار جگہ میں مسجد کے لئے ایک آفس بنادی جائے تاکہ مسجد کا حساب وکتاب اور آمد وخرچ ایک جگہ جمع ہوجائے۔ مسجد کے بعض اراکین کہتے ہیں کہ مدرسہ کی جگہ میں آفس بنانا ٹھیک نہیں ہے، حل طلب سوال یہ ہے کہ مسجد کی ضرورت کے پیشِ نظر مسجد سے متصل ضرورت سے زائد جو جگہ ہے، کیا اس میں مسجد کے لئے آفس بنانا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ بالتفصیل واضح فرمائیے۔

---

(۱) أهدى الى رجل شيئا او اضافه ان كان غالب ماله من الحلال فلا باس الا ان يعلم بانه حرام فان كان الغالب هو الحرام ينبغي ان لا يقبل۔(الفتاوى الهندية ۵/ ۳۴۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

بر تقدیر صحتِ واقعہ صورتِ مسئولہ میں جو زمین مدرسہ کے لئے وقف ہے اُس کا مدرسہ کے کاموں میں خرچ ہونا ہی شرعاً ضروری ہے، اگر مدرسہ کی ضرورت سے زائد ہے تو مدرسہ کے اخراجات سے عمارت بنوا کر مسجد کے لئے بطورِ آفس کرایہ پر دینا جائز ہے، بلا کرایہ اس کا استعمال درست نہیں۔ **قال الفقیه ابو جعفر** علیہ الرحمۃ: **اذا لم یذکر الواقف .....اجارة الوقف، فرأى القیم ان یواجرها ویدفعها مزارعة، فما کان ادر علی الوقف وانفع للفقراء فعل۔** (فتاوی قاضی خان ج/۳ص/۳۳۲ بحوالہ فتاوی محمودیہ ج۱۵/۵۱۴)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ	الجواب صحیح	الجواب صحیح
۲۵/ محرم الحرام/ ۱۴۳۵ھ	محمد مصباح اللہ عفا اللہ عنہ	سید ولی اللہ غفرلہ
	۲۵/ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ	۲۵/ محرم ۱۴۳۵ھ

مسجد کی چیزیں ذاتی ضرورت میں استعمال کرنا

سوال (۱۴۰):

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ مسجد کے کاموں کے لئے ایک فون کی ضرورت ہے ،فون کابل جو حکومت کی طرف سے آتا ہے،اس کی کیفیت یہ ہے کہ خواہی نہ خواہی کم از کم چارج ۲۶۴/ روپئے ادا کرنا ہی پڑتا ہے ، بعض موقعوں پر مسجد کے ذمہ دار حضرات ذاتی اغراض و مقاصد کے لئے مسجد کا فون استعمال کر لیتے ہیں ، معمولی چارج سے زائد جو چارج ہو، اُس کو اپنے ذاتی

پیسے سے ادا کر دیتے ہیں، کیا ایسا کرنا شرعاً ان کے لئے درست ہے ؟ مسجد کے آفس میں لائٹ اور پنکھے لگے ہوئے ہیں، مسجد کے ذمہ دار فجر یا عصر کے بعد آفس میں بیٹھ کر قرآن کی تلاوت کرتے ہیں، کیا اِس مقصد کے لئے آفس کی لائٹ اور فین استعمال کر سکتے ہیں ؟ کیا ان چیزوں کا ذاتی مقاصد کے لئے استعمال کرنا شرعاً درست ہے ؟ بالتفصیل واضح فرمائیے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق ! حامدا ومصلیا ومسلما !

(الف) صورتِ مسئولہ میں فون مسجد سے متعلق ضروریات کے لئے لگایا گیا ہے، لہٰذا اُس کا استعمال انہی ضروریات میں ہونا چاہئے، ذاتی اغراض کے لئے مناسب نہیں ہے،(۱) اگر مسجد کی ضروریات میں فون کی ضرورت نہ پڑے یا مسجد سے متعلق کوئی ضروری کام نہ ہو تو پھر معمولی چارج بھی مسجد کی رقم سے ادا کرنا ناجائز ہو گا، کیونکہ مسجد سے متعلق چیز اگر مسجد میں استعمال نہیں ہوئی، تو وہ بے ضرورت اور بے فائدہ ہے، البتہ اگر مسجد کی ضروریات میں فون کا استعمال ہوتا ہو اور کبھی ذمہ دار لوگ اپنی ذاتی ضرورت پر استعمال کر لیتے ہوں اور اس کی رقم بھی ادا کر دیتے ہوں تو شرعاً اگرچہ جائز ہے، لیکن یہ طریقہ مناسب نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں تہمت کا اندیشہ ہے اور ذمہ دار لوگوں کے علاوہ اگر کوئی دوسرا بھی استعمال کرنا چاہے اور رقم بھی ادا کرنے

---

(۱) فاذا أراد انسان أن یدرس الکتاب بسراج المسجد ان کان السراج موضوعاً فی المسجد للصلاۃ، قیل لا بأس بہ، وان کان موضوعاً فی المسجد لا للصلاۃ بان فرغ القوم عن صلاتھم وذھبوا الی بیوتھم وبقی السراج فی المسجد، قالوا لا بأس بان یدرس بہ الی ثلث اللیل .....وفیما زاد علی ثلث اللیل، لیس لھم تأخیر الصلاۃ، فلا یکون لھم حق الدرس۔ (فتاوی قاضیخان ۲۹۹/۳ وکذا فی الفتاوی الھندیۃ ۴۲۹/۲)

کے لئے تیار ہوں تو یہ سلسلہ چل پڑے گا اور ٹیلی فون بوتھ کی شکل بن جائے گی۔

(ب) مسجد کی آفس میں چراغ اور پنکھا وغیرہ کا استعمال ذاتی اغراض کے لئے اگرچہ تلاوت ہی کیوں نہ ہو از روئے شرع جائز نہیں۔ (مستفاد از فتاویٰ محمودیہ ۲۹۶/۱۲)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۱۴/رجب المرجب ۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح

سبیل احمد غفرلہ

۱۴/رجب المرجب ۱۴۲۶ھ

اگر مسجد ڈوب جانے کا خطرہ ہو

سوال (۱۴۱):

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ ہماری بستی ویلگل پہلے ندی سے قریب تھی، (تقریباً ۳/ کلو میٹر ندی سے) وہاں پر ایک ڈیم کی تعمیر ہوئی، ڈیم کی تعمیر اس وجہ سے ہوئی کہ پانی کی قلت تھی، آس پاس کے گاؤں کو پانی کی ضرورت تھی، اس لئے ڈیم کی تعمیر ہوئی، جب ڈیم کی تعمیر ہوئی تو پانی رکنے کی وجہ سے ہماری بستی کے قریب پہنچ گیا، حکومت ہماری بستی والوں کو پیسے دے کر تین کلو میٹر آگے دوسری جگہ گاؤں منتقل کر دی جو اونچائی پر واقع ہے، اب ہم چھ سات سال سے اسی بستی میں رہتے ہیں۔ اب پرانے گاؤں میں پانی داخل ہونے کے قریب ہو گیا، اب چند مہینوں میں ڈوب جائے گا، اب مسئلہ درپیش آیا کہ اس گاؤں کی مسجد (جو ڈوبنے والی ہے) کو شہید کر دیں یا اس کو یوں ہی چھوڑ دیں یا اس کے اطراف دیوار قائم کر کے پیک کر دیں۔ اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ ڈوبنے سے پہلے تک اس مسجد کی صفائی اور دیکھ بھال کے

لئے کسی کو مقرر کریں اور اس میں ڈوبنے سے پہلے تک اذان اور نماز کی ادائیگی ضروری ہے ؟ جبکہ وہاں کوئی آدمی نہیں۔ براہِ کرم ہمارے اس مسئلہ میں توجہ فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق ! حامدا ومصلیا ومسلما!

صورتِ مسئولہ میں حکم یہ ہے کہ اگر مسجد کی عمارت اور زمین سب پانی کے نذر ہو جانے کا شدید خطرہ ہو اور دوبارہ آبادی کی کوئی امید باقی نہ ہو تو ایسی صورت میں مسجد کا ملبہ اور سامان اتار کر اس کو یا اس کی قیمت کو کسی قریبی مسجد میں دے دیا جائے یا اس کے بدلہ دوسری جگہ تعمیر کی جانے والی مسجد میں بلاعوض منتقل کیا جائے۔

ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجدا عند الامام والثانى .....وعن الثانى فينتقل الى مسجد اخر وفى الشامية ولو خرب المسجد وما حوله وتفرق الناس عنه لا يعود الى ملك الواقف عند ابى يوسف رحمه الله فيباع نقضه باذن القاضى ويصرف ثمنه الى بعض المساجد۔ (الدر مع الرد ۶/۵۴۹ ومستفاد: نظام الفتاویٰ ۴/۲۱۵،۲۱۸)

فقط واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح	الجواب صحیح	حررہ العبد محمد مصباح اللہ عفا اللہ عنہ
محمد صلاح الدین عفی عنہ	سید ولی اللہ غفرلہ	۲۰/ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ
۲۰/۴/۱۴۳۶ھ	۲۰/۴/۱۴۳۶ھ	

تنخواہ کے مستحق ہونے کا شرعی ضابطہ

سوال (۱۴۲):

بخدمت حضرت مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ !

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے میں کہ ایک مسجد کے تقریباً ۱۵ یا ۱۶/ اراکین ہیں، سب اپنی اپنی طاقت اور حیثیت کے مطابق مسجد کی بھلائی اور ترقی کے لئے محنت کرتے ہیں، انہی کے درمیان زید نام کا ایک رکن ہے جو تقریباً بیس سال سے مسلسل مسجد کا خدمت گذار ہے، دیگ کرایہ پر دینا، شادی بیاہ اور محلہ کے اندر ہونے والے اموات کی چِٹھی دینا اُس کے ذمہ ہے، اس کام کا معاوضہ بطورِ حق الخدمت مسجد سے ادا کیا جاتا ہے۔ حل طلب سوال یہ ہے کہ زید جو ایک تاجر بھی ہے اور صاحبِ نصاب بھی، کیا اُس کو مسجد کی خدمت کر کے معاوضہ لینا درست ہے؟ اتنے اراکین کے درمیان صرف زید کا تنخواہ لینا کہاں تک ازروئے شریعت درست ہے؟ اگر زید کو حق الخدمت معاوضہ مل سکتا ہے تو دوسرے اراکین کیوں اس سے محروم قرار دئے جائیں؟ براہِ کرم بالتفصیل معلوم فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

صورتِ مسئولہ میں زید نامی رکن کو من جانبِ مسجد بطورِ حق الخدمت جو معاوضہ دیا جاتا ہے، یہ معاوضہ شرعاً اسی وقت درست ہے جبکہ باضابطہ زید کو مذکورہ اشیاء کی ذمہ داری سپرد کی گئی ہو، بایں صورت کہ اگر اس کی ذمہ داری میں کچھ کمی بیشی ہوگئی یا کسی طرح کی کوتاہی ہوگئی تو مسئول اور جواب دہ ٹھہرے (۱)، بصورتِ دیگر یعنی باضابطہ تقرر نہ ہو اور کوتاہی کی صورت میں مسئول نہ ہو تو وہ معاوضہ کا ازروئے شرع

---

(۱) سئل الفقیہ ابو القاسم عن قیم مسجد جعله القاضی قیما علی غلاتها وجعل له شیئا معلوما یاخذه کل سنة حل له الاخذ ان کان مقدار اجر مثله کذا فی المحیط۔

(الفتاوی الہندیۃ ۲/ ۴۳۰ ومستفاد از فتاویٰ رحیمیہ ۵/ ۱۲۶)

ہرگز مستحق نہیں، بلکہ اور اراکین کی طرح وہ بھی ایک رکن ہوگا، البتہ باقاعدہ تقرر کے بعد وہ اپنی خدمات کا معاوضہ لے سکتا ہے، تاجر اور صاحبِ نصاب ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، دوسرے اراکین صرف رکنیت پر معاوضہ کے حق دار نہیں ہوسکتے، اس لئے کہ رکنیت اور باضابطہ خدمت دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۱۶/ جمادی الاولی ۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح

سبیل احمد غفرلہ

۱۶/ جمادی الاولی ۱۴۱۹ھ

تبلیغی چلہ لگانے پر تنخواہ کا حکم

سوال (۱۴۳):

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ ایک مسجد کے امام صاحب ہیں جو فرائضِ امامت ادا کررہے ہیں، سال میں ایک مرتبہ ۴۰/ دن جماعتِ تبلیغ میں چلے جاتے ہیں، ہر مہینہ ۳/ دن، کبھی ۱۰/ دن، کبھی باہر کی جماعتوں کے ساتھ چلے جاتے ہیں، تبلیغی مرکز سے کوئی ایک ان کی نیابت میں امامت وخطابت کرتے ہیں، اس پر محلہ والوں کو اعتراض ہے کہ ماہوار جو وظیفہ ان کو دیا جاتا ہے اس میں ان کی غیر حاضری کے ایام کا وظیفہ قطع کرلیا جائے، بعض ان کی طرف داری کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ بھی دین کی خدمت ہی تو ہے، وظیفہ کاٹ لینا درست نہیں حل طلب سوال یہ ہے کہ امام ہو یا مؤذن جتنے دن غیر حاضر ہیں، ان دنوں کی تنخواہ اُنہیں لینا درست ہے یا نہیں؟ از روئے شریعت تبلیغِ دین کی ذمہ داری امام ومؤذن پر

فرض ہے یا نہیں؟ کیا محلہ میں ہی تبلیغِ دین کی ذمہ داری ادا نہیں کرسکتے ؟ دین کی خدمت بھی ہوگی، اپنی امامت کے فرائض بھی پورے ہوں گے، بالتفصیل واضح فرمائیے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق !حامداومصلیاومسلما!

بر تقدیرِ صحتِ واقعہ اگر امام نے کمیٹی والوں کے ساتھ یہ معاہدہ کیاہے کہ جماعت میں جانے کے دوران وہ تنخواہ کا مستحق ہوگا تو اس کے لئے تنخواہ لینا جائز ہے، اگر معاہدہ نہیں ہوا تو عرفِ عام میں جتنے دنوں کی رخصت پر تنخواہ دینے کا دستور ہے، اُتنے ایام کی تنخواہ لینا درست ہے، چونکہ ہمارے عرف میں عام طور پر تھوڑے دنوں (مثلاً سال بھر میں پندرہ بیس دن تعطیل) کی تنخواہ دی جاتی ہے، زیادہ دنوں کی نہیں دی جاتی، اس لئے چلہ کی تنخواہ کے سلسلہ میں امام اور ذمہ دارانِ مسجد از سرِ نو شریعت کی روشنی میں کوئی نیا معاہدہ کرلیں تو تنخواہ لینے دینے کی شرعاً گنجائش ہوگی ورنہ نہیں۔

وفی القنیة من باب الامامة امام یترک الامامة لزیارة اقربائه فی الرساتیق اسبوعاً او نحوه او المصیبة او الاستراحة لا بأس به ومثله فی العادة والشرع اه وهذا مبنی علی القول بأن خروجه أقل من خمسة عشر یوما بلاعذر شرعی لایسقط معلومه۔(رد المحتار ۶/۶۳۰) فان کانت مشروطة لم یسقط من المعلوم شیء۔

(الأشباہ ۱/۳۳۵ومستفاد از نظام الفتاوی ۴/۱۴۳ فتاویٰ محمودیہ ۲۳/۱۹۲)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد سید ولی اللہ غفرلہ
۱۴/۶/۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح
محمد مصباح اللہ عفا اللہ عنہ
۱۴/۶/۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح
محمد صلاح الدین عفی عنہ
۱۴/۶/۱۴۳۳ھ

کیا مسجد میں چندہ مانگنا جائز ہے؟

سوال(۱۴۴):

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ آمدنی کے سلسلہ میں مسجد خود کفیل ہونے کے باوجود بالالتزام نمازِ جمعہ کے بعد لوگوں سے چندہ مانگنے کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ جب کہ بعض علماء سے سنا ہے کہ مسجد خدا سے مانگنے کی جگہ ہے، اور بندوں سے مسجد کے احاطے کے اندر مانگنا جائز نہیں ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

(۲) قربانی کی کھال کا صحیح مصرف کیا ہے؟ صدقہ کرنا، یتیم اور غریب بیوہ وغیرہ پر طعام ولباس کی شکل میں خرچ کرنا یا دینی مدرسہ کے اساتذہ کی تنخواہ دینا، ان میں افضل کہاں خرچ کرنا ہے؟ ازراہِ کرم ان دونوں مسئلے کا شرعی حکم تفصیل سے آگاہ فرمائیں۔ بینوا توجروا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامدا ومصلیا ومسلما!

(۱) اگر مسجد خود کفیل ہے، آمدنی کے دوسرے ذرائع موجود ہیں تو بالالتزام چندہ کرنا مناسب نہیں ہے، کیونکہ کوئی خاص ضرورت کے بغیر چندہ کرنے سے بعضوں کو ناگواری ہوتی ہے، اور جو شخص خوشدلی سے چندہ نہ دے، بلکہ تھوڑی بھی کراہت محسوس کرے تو اس کا مال حلال نہیں، اور دوسری خرابی یہ کہ بعض لوگ دوسروں کو دیکھ کر کم دینے کے بجائے زیادہ دے دیتے ہیں، جبکہ ان کا ارادہ کم دینے کا ہوتا ہے، لہذا بالالتزام ہر جمعہ چندہ کرنا مناسب نہیں ہے، ہاں ہنگامی اور ضروری حالات میں چندہ کرسکتے ہیں، خود رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے مسجدِ نبوی میں ہنگامی حالتوں میں چندہ

کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔(۱)

(۲) قربانی کرنے والا قربانی کی کھال اگر کسی انجمن اور مدرسہ کو دیدے تو ذمہ دارانِ انجمن اور مدرسہ پر ضروری ہے کہ اس کھال کی رقم کو ضرورت مند محتاج لوگوں پر صرف کردیں، مثلاً کسی مدرسہ کو کھال دی گئی تو اس مدرسہ کے غریب و مستحق طلباء پر کتابیں، کپڑے، رقم وغیرہ کی شکل میں خرچ کرنا ضروری ہے، خرچ کے بعد جو رقم بچ جائے وہ بھی ان غریب بچوں ہی میں تقسیم کردیں۔ اُس رقم سے تعمیرات اور مدرسین وغیرہ کی تنخواہیں یا مسجد اور مدرسہ کو رنگ وروغن کرانے وغیرہ میں صرف کرنا ناجائز ہے، الغرض غریب و مستحق طلباء کے علاوہ شرعاً اور کسی مصرف میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔ **فإن بيع اللحم أو الجلد به تصدق بثمنه۔** (درِ مختار مع شامی ج/۹ ص/۴۷۵) قربانی کی کھال یا اس کی قیمت کو آمدنی کا ذریعہ ہرگز نہ بنایا جائے، غیر مصرف میں رقم استعمال ہوگی تو جماعت کے ذمہ دار گنہ گار ہوں گے۔ (فتاوی رحیمیہ ج/۶ ص/۱۶۷)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۱۲/ ذیقعدہ ۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح

احمد سعید عفی عنہ

۱۲/ ذیقعدہ ۱۴۲۴ھ

---

(۱) عن ابی حرة الرقاشی عن عمه رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الا لا تظلموا الا لا يحل مال امرئ الا بطيب نفس منه۔(مشکوۃ ص/۲۵۵) ويحرم فيه السوال ويكره الاعطاء مطلقا وقيل ان تخطى هو الذى اقتصر عليه الشارح فى الحضر لان عليا تصدق بخاتمه فى الصلوة فمدحه الله تعالىٰ بقوله يؤتون الزكوة وهم راكعون۔(شامی ۲/ ۴۳۳)

حفاظتِ قبرستان سے متعلق چند سوالات

سوال(۱۴۵):

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے میں کہ

(۱) قبرستان کی حفاظت کی خاطر دیوار تعمیر کی گئی ہے، اور زائرین کی سہولت کے لئے بڑے سوراخ بھی بنوائے گئے ہیں، رفتہ رفتہ اس سوراخ سے لوگ تعویذ، پلید کی چیزوں کو ڈالنا شروع کر دئے ہیں، کیا قبرستان کے حفاظت کی خاطر ان سوراخوں کو بند کر سکتے ہیں؟ جبکہ بعضوں کی جانب سے سوالات کھڑے کئے جاتے ہیں۔

(۲) قبرستان کے درختوں کو کاٹنا یا فروخت شدہ درختوں کی رقم کو مسجد میں استعمال کرنا کیسا ہے؟ خاص کر جب مسجد اور قبرستان دونوں متصل اور ایک ہی انتظامیہ کے تحت ہوں۔

(۳) کلامِ مجید کے قدیم نسخوں کو جو پڑھے نہیں جاسکتے، اس سوراخ سے پھینک دیتے ہیں، جبکہ قبرستان کے قریب نالے ہیں، ان میں گر پڑنے کا احتمال ہے، اور بڑی بے ادبی لازم آتی ہے، اس لئے سوراخوں کو بند کرنا درست ہے یا نہیں؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

(۱) قبرستان کی حفاظت کی غرض سے جس طرح اس کے اطراف چہار دیواری بنانا درست ہے، اسی طرح چہار دیواری میں بنے ہوئے سوراخوں کو بند کرنا بھی درست ہے(۱)، جبکہ اُن سوراخوں کے ذریعہ لوگ مختلف قسم کی چیزیں پھینک دیتے ہوں اور

---

(۱) وقد اعتاد اهل مصر وضع الاحجار حفظا للقبور عن الاندراس والنبش ولا بأس به۔

(حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص:۶۱۱)

صورتِ مسئولہ میں چونکہ ایک نیک مقصد کے تحت بند کرنے کا ارادہ ہے، لہٰذا بلا کراہت جائز ہے۔ (مستفاد از فتاویٰ رحیمیہ ۶/۷ قدیمی)

(۲) قبرستان کے سبز (تر و تازہ) درختوں کا کاٹنا ناجائز ہے، البتہ سوکھے ہوئے درختوں کو کاٹنا درست ہے،(۱) اور اس کی قیمت قبرستان کے مصارف پر صرف کی جائے، ہاں! اگر واقفِ زمینِ قبرستان نے مسجد میں خرچ کرنے کی اجازت دی ہے تو مسجد میں بھی خرچ کی جاسکتی ہے ورنہ نہیں۔(مستفاد از فتاویٰ محمودیہ ۷/۲۳۸) انتظامیہ ایک ہونے سے احکام ایک نہیں ہوتے۔

(۳) جواب نمبر (۱) میں ملاحظہ فرمائیں۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۳/ محرم الحرام ۱۴۲۷ھ

توسیع میں قبرستان کو مسجد میں شامل کرنا

سوال (۱۴۶):

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ مسجد میں نمازیوں کے لئے جگہ کی تنگی ہے، مسجد کا جو صحن ہے اس سے قبرستان متصل ہے، قبرستان کا جو حصہ صحن سے ملا ہوا ہے وہاں کچھ نئی اور پرانی قبریں ہیں، کیا اس حصہ کو حسبِ ضرورتِ توسیع صحن میں ملاسکتے ہیں ؟ توسیعِ صحن کی غرض سے قبرستان کو مسجد

(۱) یکرہ ایضا قطع النبات الرطب والحشیش من المقبرة دون الیابس کما فی البحر و شرح المنیة۔

(شامی ۳/۱۵۵ وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص:۶۲۳، ۶۲۴)

میں شامل کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ مفصل واضح فرمایئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

اگر قبرستان کی زمین وقف ہے اور اس میں اموات کو دفن کرنے کا کام جاری ہے تو اُس زمین کو دفن سے معطل کرنا اور مسجد میں شامل کرنا جائز نہیں، کیونکہ جس کام کے لئے وہ وقف ہے اور وہ کام اس میں جاری یا ممکن ہے تو اُس وقف کو معطل کرنا ناجائز ہے، اور اگر وقف کی زمین میں دفن کرنے کو قانونی جرم قرار دے دیا جائے تو اس صورت میں قبروں کو برابر کرکے اس کو مسجد میں شامل کرلینا مباح ہے، اور اگر قبرستان کی زمین کسی کی ملک ہے، وقف نہیں تو مالک کی اجازت سے اُس کو مسجد میں شامل کرلینا جائز ہے، جبکہ قبروں میں میت مٹی ہوچکی ہو، اور میت کے باقی نہ رہنے کا غالب گمان ہو(۱)، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں قبرستان کے حصہ کو (اگر وہ وقف ہے) صحنِ مسجد میں شامل کرنا درست نہیں۔ (مستفاد از کفایت المنتہی ۱۴۰/۷)

فقط واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح	الجواب صحیح	حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ
سبیل احمد غفرلہ	احمد سعید عفی عنہ	۱۱/ذیقعدہ ۱۴۲۴ھ
۱۱/ذیقعدہ ۱۴۲۴ھ	۱۱/ذیقعدہ ۱۴۲۴ھ	

(۱) ولو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعہ والبناء علیہ.....قال فی الاحکام: لا بأس بان یقبر المسلم فی مقابر المسلم ..... وان بقی من عظامهم شیء تنبش وترفع الاثار وتتخذ مسجدا۔ (ردِ محتار ۱۳۸۱۳۹/۳)

قبرستان کے حصے کو مسجد میں شامل کرنے کا حکم

سوال(۱۴۷):

بخدمتِ گرامی قدر حضرت مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ نمازیوں کی کثرت اور سہولت کے پیشِ نظر مسجد کی توسیع کی جارہی ہے، توسیع کے سلسلہ میں حوض کے لئے جگہ ناکافی ہے، اگر قبرستان کا کچھ حصہ اس میں شامل کرلیا جائے تو بآسانی حوض بنایا جاسکتا ہے، پلان کے تحت قبرستان کا وہ حصہ جسے حوض کی تعمیر میں شامل کرنا ہے وہاں کچھ سالوں سے پرانی قبریں ہیں، اُن مدفونین کے رشتہ دار کہتے ہیں کہ ہمارے باپ دادوں کی قبریں مٹانا مناسب نہیں ہے، ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے۔

حل طلب سوال یہ ہے کہ (۱) مدفونین کے رشتہ داروں کا یہ اعتراض کہاں تک درست ہے؟ (۲) قبرستان کے حصہ کو مسجد کی ضرورت کے لئے مسجد یا حوض کی تعمیر میں شامل کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ بالتفصیل معلوم فرمایئے، ذرہ نوازی ہوگی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

مذکورہ صورت میں اگر وہ قبریں مملوکہ ہیں تو مالک کی اجازت سے اُن قبروں کو مسجد یا حوض میں شامل کرنا درست ہے، اور اگر قبروں کی زمین وقف ہے اور قبریں اتنی پرانی ہوچکی ہیں کہ میت بالکل مٹی بن گئی ہے، نیز وہاں مردوں کو دفن نہ کیا جاتا ہو تو اس کو مسجد میں شامل کرنا درست ہے، دوسری صورت یعنی قبروں کی زمین وقف اور قبریں پرانی ہونے کی صورت میں اُس حصہ کو مسجد یا حوض میں شامل کرنے سے جو لوگ روکتے ہیں اور اعتراض کرتے ہیں اُن کا روکنا اور اعتراض کرنا غلط ہے۔

ولو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیرہ وزرعہ والبناء علیہ۔

(زیلعی ۱/۲۶۱ مستفاد از فتاویٰ محمودیہ ج/۱، ص۴۸۹ قدیمی)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۲۳/رجب المرجب ۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح

سبیل احمد غفرلہ

۲۳/رجب المرجب ۱۴۱۹ھ

قبرستان کی زمین میں کرایہ کی دکانیں تعمیر کرنا

سوال (۱۴۸):

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس صورتِ حال کے جواب میں کہ شہر کی ایک مسجد سے متصل ایک نیا قبرستان بنایا گیا ہے، قبرستان کے آس پاس مکان والے قبرستان کے پاس قیام میں وحشت محسوس کرتے ہیں، ان کی وحشت دور کرنے اور ویسے بھی مسجد کی آمدنی کی قلت کی وجہ سے قبرستان کا صحیح مالی نظام مشکل معلوم ہو رہا ہے، اس لئے قبرستان ہی کی زمین میں کچھ کرایہ کے مکان بنوا کر اس کی آمدنی کو قبرستان ہی کے انتظام میں خرچ کرنا صحیح ہوگا یا نہیں؟

براہِ کرم شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر عند اللہ مشکور ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامدا ومصلیا ومسلما!

صورتِ مسئولہ میں قبرستان کی خالی زمین اگر اس درجہ میں ہو کہ نہ تو اس وقت تدفین کی ضرورت ہے، اور نہ آئندہ ضرورت متوقع ہے، نیز قبرستان کا مالی انتظام مشکل

ہو، تو اس صورت میں قبرستان کے کنارے پر کرایہ کے مکانات اور دکانیں بنوا کر ان کی آمدنی کو صرف قبرستان کے انتظام میں خرچ کرنا جائز ہے، ورنہ نہیں۔

ویبدأ من غلته بعمارته ثم ماهو اقرب لعمارته .....وکذا اذا کانت الارض سبخة لا ینبت فیها شیئ کان له ان یصلحها کما فی المحیط۔

(شامی ۶/۵۵۹ ومستفاد از نظام الفتاویٰ ۴/۲۳۸)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد سید ولی اللہ غفرلہ
۷/۷/۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح
محمد مصباح اللہ عفا اللہ عنہ
۷/رجب ۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح
محمد صلاح الدین عفی عنہ
۷/رجب ۱۴۳۶ھ

قربانی کے احکام

رات میں قربانی کرنے کا حکم

سوال(۱۴۹):

بخدمت مفتی صاحب زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے میں کہ ایامِ نحر یعنی قربانی کے دنوں میں رات میں بھی قربانی کرسکتے ہیں یا نہیں؟ ازراہِ کرم جواب عنایت فرماکر عند اللہ مشکور وممنون ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداومصلیاومسلما!

رات میں قربانی کرنا مکروہِ تنزیہی ہے، لہٰذا ضرورت ومجبوری نہ ہو تو رات میں قربانی نہ کریں، اوراگر مجبوری ہو تو جائز ہے۔(۱)(مستفاد از فتاوی محمودیہ ۱۷/ ۴۵۶ گجرات)

فقط واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح	الجواب صحیح	حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ
سبیل احمد غفرلہ	احمد سعید عفی عنہ	۸/ ذیقعدہ ۱۴۲۳ھ
۸/ ذیقعدہ ۱۴۲۳ھ	۸/ ذیقعدہ ۱۴۲۳ھ	

---

(۱) ویجوز فی نہارھا ولیلھا بعد طلوع الفجر من یوم النحر الی غروب الشمس من الیوم الثانی فی عشر الا انہ یکرہ الذبح فی اللیل۔(الفتاوی الہندیۃ ج/ ۵ ص/ ۳۶۴)

قربانی کی کھال کی رقم کا مصرف

سوال(۱۵۰):

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ قربانی کی کھالیں فروخت کرنے کے بعد وہ رقم کن جگہوں پر خرچ کی جاسکتی ہے؟ مدرسہ کی تعمیر وترقی کے سلسلہ میں خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداومصلیاومسلما!

زکوٰۃ کی رقم کی طرح کھال کی رقم میں بھی تملیک ضروری ہے،(۱) لہٰذا تعمیرات اور مدرسین کی تنخواہوں وغیرہ میں براہِ راست (شرعی تملیک کے بغیر) اس رقم کا تصرّف جائز نہیں،(۲) البتہ غریب طلبہ کی ضروریات میں خرچ کرنا درست ہے۔ یتصدق بجلدها الی قوله فان بیع اللحم او الجلد به او بدراهم تصدق بثمنه۔

(در مختار ۹/ ۴۷۵)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۲۳/ ذوقعدہ ۱۴۱۷ھ

الجواب صحیح

سبیل احمد غفرلہ

۲۴/ ذوقعدہ ۱۴۱۷ھ

---

(۱) ویشترط ان یکون الصرف تملیکا لا اباحة کما مر لا یصرف الی بناء نحو مسجد، وفی الشامیة کبناء القناطیر والسقایات واصلاح الطرقات وکری الانهار وکل ما لا تملیک فیه۔ (شامی ۳/ ۲۹۱)

(۲) ولا یعطی اجر الجزار منها، لان کلا منهما معاوضة لا نه انما یعطی الجزار بمقابلة جزره والبیع مکروه فکذا مافی معناه۔ (شامی ۹/ ۴۷۵)

چرمِ قربانی کی رقم کو تعمیرات میں لگانا جائز نہیں

سوال(۱۵۱):

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ مسجد میں یتیم لڑکیوں کا ایک پرائمری اسکول چلتا ہے، معلمات کی تنخواہ حکومت سے ملتی ہے، لیکن اسکول کی دیکھ بھال، مرمت وغیرہ کا انتظام مسجد کمیٹی کے ذمہ ہے، اتفاقاً اسکول کی چھت اچانک گر پڑی، کمیٹی کے پاس کوئی رقم نہیں تھی، فوراً مرمت ضروری بھی تھی، اس لئے قربانی کی کھالوں کی رقم سے اس کی درستگی کی گئی، بحالتِ مجبوری ایسا کیا گیا، حل طلب سوال یہ ہے کہ کیا یہ تصرف ازروئے شریعت درست ہے؟ معلوم فرمایئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداومصلیاومسلما!

حضراتِ فقہاءِ کرامؒ نے صراحت کی ہے کہ جب تک قربانی کی کھال فروخت نہ ہو اُس میں ہر طرح کا تصرف درست ہے، لیکن جب فروخت کر دی گئی تو بجز صدقہ کے کسی بھی طرح کا تصرف درست نہیں، لہٰذا صورت مسئولہ میں جو رقم تعمیر ومرمت وغیرہ میں لگی ہے اُتنی رقم کا فقراء پر صدقہ واجب وضروری ہے۔

ویتصدق بجلدھا الی قولہ فان بیع اللحم او الجلد بہ او بدراھم تصدق بثمنہ۔ (درمختار مع شامی مطبوعہ زکریا دیوبند ج/۹ ص/۴۷۵)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۲۸ / ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ

الجواب صحیح

سبیل احمد غفرلہ

۲۸ / ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ

چرمِ قربانی کا شرعی حکم

سوال (۱۵۲):

محترم المقام مفتی صاحب دامت برکاتہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

دیگر عرض یہ ہے کہ ہمارے قریہ میں ایک مسجد ہے، مسجد کے زیرِ نگرانی ایک مکتب میں صبح وشام مسجد کی طرف سے مسجد ہی کے امام صاحب لڑکوں اور لڑکیوں کو تعلیم دیتے ہیں، اور ماہانہ تنخواہ بھی مسجد ہی کی طرف سے دی جاتی ہے، مکتب کو مسجد سے جدا نہیں کیا گیا، بلکہ مسجد ہی کے نگران اُس کی نگرانی کرتے ہیں، اب ہم قربانی کے چمڑے یا پیسے مکتب کے بچوں کو کتابیں، چٹائی، فین، لائٹ اور چارپائی وغیرہ ضروریاتِ مدرسہ کے خرچ میں لانا چاہتے ہیں، کیا یہ چمڑے یا اس کے پیسے مکتب کو دینا جائز ہے؟ کیا مصارفِ زکوۃ میں یہ مکتب شامل ہو سکتا ہے؟ اگر کوئی چمڑے یا پیسے اس مدرسہ کو دے دیا تو اس کا کیا حکم ہے؟ جواب عنایت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

قربانی کی کھال جب تک مالک کے پاس رہے گی، وہ اس میں ہر طرح سے تصرف کر سکتا ہے، مثلاً مصلیٰ، ڈول، جوتے وغیرہ بنالینا، اسی طرح قربانی کی کھال کو ہدیہ میں دینا بھی درست ہے، مگر جب کھال فروخت کر دی جائے گی تو اس کی قیمت کو صدقہ کرنا واجب ہے، اور صرف اُنہیں لوگوں کو دینا ضروری ہے جو زکوۃ کے مستحق ہیں، کھال کی قیمت کو تعمیرات اور مدرسین کی تنخواہوں، چٹائی، پنکھے، لائٹ اور چارپائی وغیرہ میں براہِ راست تملیکِ شرعی کے بغیر صَرف کرنا جائز نہیں ہے، کھال کی رقم اگر نابالغ بچوں پر صرف کرنا ہو تو اُن بچوں کے والدین کا اعتبار ہو گا، اگر والدین مالدار

ہوں تو اُن بچوں پر صَرف کرنا جائز نہیں۔

ہاں! اگر وہ غریب ہوں تو اُن پر صَرف کر سکتے ہیں، بشرطیکہ وہ بچے ان چیزوں کے مالک ہوجائیں، مثلاً کتابیں لے کر بچوں کو دے دیں یا اُنہیں کپڑے سِلادیں وغیرہ، اگر کسی نے چمڑے کی رقم تملیکِ شرعی کے بغیر غیر شرعی مَصرف میں مثلاً تعمیرات، تنخواہوں اور مدرسہ کی دیگر ضروریات میں صَرف کردیا تو یہ تصرف غلط ہوا، دوبارہ صحیح تصرف کرنا ہوگا، اور تملیکِ شرعی یہ ہے کہ کسی مستحق کو قیمتِ چرم دینے کے بعد اُس کو مختارِ کل بنادیا جائے، اگر اس طرح کی تملیک کے بعد کوئی مستحق بخوشی دے دے تب اُس قیمتِ چرم کو تعمیرات وغیرہ میں صرف کر سکتے ہیں ورنہ نہیں۔(۱)

(درِ مختار مع شامی ۹/ ۴۷۵)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۹/ ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ (یومِ عرفہ)

زکوۃ اور چرمِ قربانی کی رقم سے عمارت خریدنا

سوال (۱۵۳):

محترم المقام حضرت مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین ذیل کے مسئلہ میں کہ چند دین کی فکر رکھنے والوں نے اپنے محلہ میں دینی فضا باقی رکھنے کے لئے، قوم کے نونہالوں کو

---

(۱) ویتصدق بجلدھا او یعمل منہ نحو غربال او یبدلہ بما ینتفع بہ باقیا فان بیع اللحم او الجلد تصدق بثمنہ۔(فتاوی شامی ۹/ ۴۷۵، ۴۴۴)

دینی تعلیم سے روشناس کرنے کے لئے ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی، تین سال میں عطیہ جات، رمضان کے عطیہ جات، خصوصی چندہ، زکوۃ کی رقم، عید الاضحیٰ کے موقعہ پر مشترکہ قربانی کا انتظام کرکے اس کے منافع اور چمڑے سے اس مدرسہ کے لئے عمارت خریدی گئی، جس کا پورا خرچ تخمیناً ایک لاکھ اسی ہزار روپئے ہوا، اس میں بطورِ اڈوانس ۵۰۰، ۴۷/روپئے ادا کردئے گئے، یہ مذکورہ رقم تمام رقومات سے ملی ہوئی ہے، مدرسہ کی جگہ کی خریداری کے لئے اور عطیہ جات کے لئے ٹوکن ڈالے گئے، جس کی رقم بھی ۵۰۰، ۴۷/روپئے میں مل کر ہے، باقی ہاتھ میں محفوظ رقم بیس ہزار روپئے ہے، ہمارا یہ محلہ شہر کے وسط میں موجود ہے، دن بدن مسلمانوں کی آبادی میں اضافہ ہوتا جارہا ہے، محلہ کے دونوں جانب مساجد دوری پر ہیں جو تقریباً ڈیڑھ فرلانگ پر ہیں، ذمہ داروں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس جگہ میں مدرسہ کے بجائے مسجد بنادیں اور اُسی مسجد میں صبح شام مکتبِ قرآنیہ کا نظام چلائیں، مذکورہ صورتِ حال کی بنیاد پر شریعت کی روشنی میں درجِ ذیل سوالات کے جوابات عنایت فرمائیں۔

(۱) ملی جلی تمام رقومات سے کیا مسجد یا مدرسہ کی عمارت خرید سکتے ہیں؟

(۲) مدرسہ کو کیا مسجد کی شکل میں تبدیل کرسکتے ہیں؟

(۳) تملیک کی کیا کوئی صورت ہوسکتی ہے؟ براہِ کرم تسلی بخش جواب مع مہر عطا فرماکر عند اللہ ماجور ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

(۱) اور (۲) بصورتِ صحتِ واقعہ ملی جلی رقم سے نہ مسجد کی عمارت خریدنا جائز ہے نہ ہی مدرسہ کی؛ کیونکہ زکوۃ اور قربانی کی رقم غریب طلبہ پر خرچ کرنا شرعاً ضروری

ہے،(۱)زکوۃ اور قربانی کی رقم سے تنخواہیں، تعمیرات وغیرہ نا جائز ہیں،ہاں دیگر عطیات سے یہ مقصد حاصل کرسکتے ہیں، لیکن عطیات جس مقصد کے لئے وصول کرتے ہیں اُسی مقصد میں اُنہیں صرف کرنا ضروری ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں عطیات مدرسہ کے لئے وصول کئے گئے ہیں تو مدرسہ میں خرچ کرنا ہی لازمی ہے، مسجد کے لئے جگہ خریدنا یا خرید کردہ جگہ کو مسجد سے بدلنا جائز نہیں ہے۔**فاذاتم الوقف ولزم لایملک ولا یعار ولا یرھن۔**(در مختار مع شامی ج۶/ص۵۳۹)

(۳)موجودہ دور میں تملیک ایک بے معنیٰ حقیقت ہو کر رہ گئی ہے، ہاتھ بدلی اور اِس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے کا نام تملیک بن گیا ہے جو شرعاً نا جائز ہے، اور زکوۃ اور قربانی کی رقم بے جا اور من مانی استعمال کرنے کے لئے تملیک کرلی جاتی ہے، حالانکہ تملیک کی حقیقی صورت یہ ہے کہ غریب لوگوں یا طلبہ کو سو فیصد مالک بنادیں، مالک بننے کے بعد اگر وہ اپنی خوشی سے بغیر کسی شرط و مجبوری یا دباؤ کے دیتے ہوں تو یہی تملیک ہے، صرف تلقین یعنی مشورۃً کہنے کی اجازت ہے، اِس کے علاوہ کچھ نہیں۔(۲)

(مستفاد از فتاوی محمودیہ ۲۶۷/۷)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ
۳۰/ محرم الحرام ۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح
احمد سعید عفی عنہ
۳۰/ محرم الحرام ۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح
سبیل احمد غفرلہ
۳۰/ محرم الحرام ۱۴۲۴ھ

---

(۱)ھی لغۃً تملیک جزء مال عینہ الشارع من مسلم فقیر...مع قطع المنفعۃ من کل وجہ۔(در مختار ۱۷۰/۳)

(۲)والحیلۃ فی ھٰذہ الاربعۃ فی الجواز ان یتصدق بمقدار زکوٰتہ علی فقیر ثم یامر بعد ذلک بالصرف۔(البحر الرائق ۲۴۳/۲)

حلال وحرام کے احکام

مقاماتِ مقدسہ میں موت اور دفن کی تمنا کرنا

سوال(۱۵۴):

محترم مفتی صاحب مدظلہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

انشاء اللہ المستعان ۲۲/رجب المرجب مطابق ۳۰/ستمبر کو یہ بنتِ عمر مکہ معظمہ جائے گی، آپ دعا فرمائیں کہ ہادیٔ کامل حضرت محمد ﷺ کے وسیلے مجھے بقیدِ حیات ہر سانس میں اللہ تعالیٰ ہدایت دے کہ ہر معاملہ میں چوبیس گھنٹوں کے ہر دن اور ہر رات کی زندگی میں قرآنِ مجید کے احکامات اور فضائلِ اعمال پر دن دونی اور رات چوگنی اس طرح عمل کروں کہ داعیہ دینِ اسلام بن جاؤں، آمین ثم آمین! اللہ تعالیٰ کے سامنے جب بھی میرے دونوں ہاتھ دعاؤں کے لئے اٹھتے ہیں تو میرے قلب کی گہرائیوں سے تضرع، حضورِ قلب اور خشوع وخضوع کے ساتھ میری زبان سے یہی کلمات نکلتے ہیں کہ یا اللہ میری دیرینہ آرزو ہے کہ مدینہ منورہ کی زیارت نصیب فرما کہ وہاں کی سرزمین میں دفن ہو جاؤں، میں مدینہ طیبہ کی پاکیزہ مٹی میں سو جاؤں، کیا مذکورہ دعا مانگنا جائز ہے؟ جواب عنایت فرمائیں، انشاء اللہ میں ستمبر کو عمرہ کروں گی، میرے لئے خاص دعا فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداومصلیاومسلما!

مقاماتِ مقدسہ اور انبیاءؑ، صحابہؓ اور صالحینؒ کے جوار وبازو میں دفن ہونے کی

خواہش وتمنار کھنا جائز بلکہ مستحب ہے، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ربِ ذوالجلال سے دعا کی کہ اے میرے رب میری تدفین ارضِ مقدسہ یعنی بیت المقدس کے قریب کردے ،رَبِّ اَدْنِنِیْ مِنَ الْاَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ رَمْيَةً بِحَجَرٍ (مشکوۃ شریف ص ۵۰۸) ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ ففيه استحباب الموت والدفن فی الفاضلة والمواطن المبارکة والقرب من مدافن ارباب الديانة ۔ (مرقاۃ المفاتیح ج۱۱ص۲۱) یعنی نیک ومتبرک مقامات میں مرنے اور دفن ہونے کی خواہش رکھنا مستحب ہے، دعااس طرح کی جائے کہ اے اللہ جب بھی میری موت مقدر ہے ارضِ مقدسہ (مکة المکرمہ، مدینۃ المنورۃ) میں مرنے کی توفیق وسعادت نصیب فرمااور وہیں مجھے دفن ہونے کی سعادت بھی نصیب فرما۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۹رجب المرجب ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح

سبیل احمد غفرلہ

۹رجب المرجب ۱۴۲۳ھ

”مولانا“ کا معنی قابلِ احترام شخصیت کے بھی ہے

سوال(۱۵۵):

حضرت مفتی صاحب مد ظلہ ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضراتِ علماءِ کرام کو جب انفرادی طور پر نام لیا جاتا ہے تو بعض کو مولوی اور بعض کو مولانا کہا جاتا ہے، اِس کے کیا معنی ہیں ؟ آیا دونوں کے ایک ہی معنی ہیں یا جدا جدا؟ وضاحت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداومصلیاومسلما!

دراصل مولوی یامولاناوغیرہ ''مولا'' سے نکلے ہوئے الفاظ ہیں، اور لفظِ مولا کے عربی زبان میں بیس سے زائد معانی ہیں؛ مثلاً دوست، مددگار، آقا، آزاد کردہ غلام وغیرہ، اور جس طرح ایک عالم کو مولوی کہہ کر پکارتے ہیں اسی طرح بلاکراہت مولانا کہنا بھی جائز ہے، اور حقیقی کارساز تو اللہ تعالیٰ ہی ہے، اور قرآنِ مجید میں ''هُوَ مَوْلَانَا'' (سورۂ توبہ:۵۱) کہہ کر اللہ تعالیٰ ہی کو پکارا گیا ہے، مگر علمائے دین کو جو مولانا کہا جاتا ہے قطعاً وہ معنی مراد نہیں لیا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے شایانِ شان ہے، اور خود قرآن میں لفظِ مولا کو غیرِ خدا کے لیے استعمال کیا گیا ہے وَهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلَاهُ (اور وہ بھاری ہے اپنے صاحب یعنی مالک پر)(سورۂ نحل:۷۶)، یہاں ''مولی'' غیرِ خدا مالک اور آقا کے لئے مراد لیا گیا ہے، لہٰذا عالم کے لئے مولانا کا استعمال محترم اور قابلِ عظمت شخصیت وغیرہ کے معنی میں بغیر کسی تردد کے جائز ہے۔(۱)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ
۵/ربیع الاوّل ۱۴۲۰ھ

الجواب صحیح
سبیل احمد غفرلہ
۵/ربیع الاوّل ۱۴۲۰ھ

---

(۱) باب مناقب زید بن حارثۃ رضی اللہ عنہ مولی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وقال البراء عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انت اخونا ومولانا، وفی الحاشیۃ: لفظ المولی یطلق علی المالک والمعتق والسید والمحب۔ (بخاری شریف ۵۲۸/۱ مع حاشیتہ)
المولیٰ یقع علی جماعۃ کثیر کالرب والمالک والسید والناصر والمعتق والمحب والجار..... واکثرھا قد جاءت فی الاحادیث فیضاف کل واحد الی مایقتضیہ الحدیث۔ (مرقاۃ المفاتیح ۲۴۷/۱۱ بیروت)

گھٹنا ستر میں داخل ہے

سوال(۱۵۶):

بخدمت حضرت مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں اسکول کے اسٹوڈنٹس کھیل کے لئے گھٹنوں سے اوپر ہاف پینٹ پہن سکتے ہیں یا نہیں؟ شرعی حکم کیاہے؟ بیان فرمایئے۔ جزاکم اللہ!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

صورتِ مسئولہ میں مردوں کے لئے ناف سے گھٹنہ تک ستر ہے۔ لہٰذا ناف سے گھٹنہ تک کا حصہ چھپانا ضروری ہے، اسکول کے نابالغ بچوں کو بھی تربیت کی خاطر گھٹنے ڈھانکنے کا حکم دیا جائے گا۔ والرابع ستر عورته ووجوبه عام ولو فی الخلوة اذا کان خارج الصلوة یجب الستر بحضرة الناس اجماعا وفی الخلوة علی الصحیح۔ (ردالمحتار ۲/۷۵)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۲۸/ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح

العبد سبیل احمد غفرلہ

۲۸/ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۷ھ

---

(۱) فالرکبة عورة لا السرة وفی الشامیة لروایة الدارقطنی ماتحت السرة الی الرکبة عورة۔

(الدر المختار مع ردالمحتار ۹/۵۲۶)

گھر میں رہتے ہوئے سر ڈھانکنے کا حکم

سوال(۱۵۷):

محترم مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ سے ایک فتویٰ طلب کرنا ہے، وہ یہ کہ کیا عورت کے لئے ہمیشہ سر پر دوپٹہ اوڑھنا ضروری ہے؟ یعنی کیا گھر میں رہتے وقت بھی سر ڈھانکنا ضروری ہے؟ حالانکہ حدیث میں ہے کہ جس گھر میں عورت ننگے سر رہتی ہے، رحمت کے فرشتے اس میں داخل نہیں ہوتے، ذرا تفصیل سے یہ بات معلوم کرائیے، کیونکہ آج کل جوان عورتیں سر پر دوپٹہ اوڑھنا معیوب سمجھتی ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ عورت کا شرعی لباس کیا ہے؟ یعنی وہ کونسا لباس پہن سکتی ہے جس سے ستر ڈھک جائے اور شریعت کے موافق مقصد حاصل ہو جائے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداومصلیاومسلما!

(۱)ستر کے اعضاء مختلف عورتوں کے حق میں مختلف ہیں، اجنبی عورت کا تمام بدن ستر ہے، اور جو عورتیں محارم ہیں (یعنی جن سے نکاح حرام ہے) مثلاً والدہ، بہن، بیٹی، خالہ وغیرہ ان کے لئے کچھ چھوٹ ہے، مثلاً سر اور پنڈلی وغیرہ ستر میں داخل نہیں۔ گھر میں رہتے ہوئے نظر پڑ جانے سے کچھ حرج نہیں۔ ومن محارمہ وامۃ غیرہ الی الوجہ والرأس۔(مجمع الأنہر ج/۴ ص/۴۰۰) البتہ ان کے لئے سر ڈھانکنا مستحب ہے، ضروری نہیں۔

(۲)عورت کے لئے شرعی لباس کرتہ اور شلوار ہیں، سر ڈھانکنے کے لئے اوڑھنی کا اضافہ کرلیا جائے، ساڑھی وغیرہ کا استعمال غیروں کا شعار ہونے کی وجہ

سے ناپسندیدہ ہے۔(۱)

فقط واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح
سبیل احمد غفرلہ
۱۱/ربیع الاوّل ۱۴۲۰ھ

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ
۱۱/ربیع الاوّل ۱۴۲۰ھ

آدمی اپنی لے پالک بچی سے پردہ کرے

سوال(۱۵۸):

بخدمت حضرت مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

وَدھسالیہ رجسٹرڈ چیریٹیبل ٹرسٹ سے تین ماہ کی ایک لڑکی کو میں اور میرے شوہر دونوں پرورش کی غرض سے اپنے ساتھ لے آئے، اور ہم دونوں نے اُس بچی کی پرورش کی اور اُس کو اسلام میں لاکر اُس کا نام فاطمہ سمرہ رکھا، پھر ہم دونوں نااتفاقی کی وجہ سے جدا ہونے پر راضی ہوگئے، اور جماعت میں عرضی پیش کردی، لہٰذا اگر جدائی

(۱)فان الاسلام لم یقصره علی نوع دون نوع ولم یقرر للانسان نوعا خاصا .....وانما وضع مجموعة من المبادئ والقواعد الاساسية یجب علی المسلم ان یحتفظ بها فی أمر لباسه.....فکل لباس ینکشف معه جزء من عورة الرجل والمرأة لا تقرره الشریعة الاسلامیة مهما کان جمیلا او موافقا لدور الازیاء،وکذلک اللباس الرقیق او اللاصق بالجسم الذی یحکی للناظر شکل حصة من الجسم الذی یجب ستره فهو فی حکم ما سبق فی الحرمة وعدم الجواز۔(تکملۂ فتح الملہم ۴/ ۸۷،۸۸)قال الملا علی القاری: ای من تشبه نفسه بالکفار مثلا فی اللباس او بالفجار او باهل التصوف الصلحاء الابرار فهو منهم۔(مرقاۃ المفاتیح ۸/ ۲۵۵)

ہو جائے تو بچی کی پرورش کا کیا حکم ہے ؟ از روئے شریعت جواب عنایت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق ! حامداو مصلیاو مسلما!

صدقِ سوال کی صورت میں چونکہ یہ منہ بولی اورلے پالک بیٹی ہے، لہٰذا منہ بولی بچی ماں کے پاس رہے گی، کیونکہ بچی کی بلوغت کے بعد منہ بولا باپ بچی سے پردہ کرے گا، بچی کو دیکھنا اُس کے لئے جائز نہ ہو گا، بلکہ حقیقی باپ اور حقیقی بچی نہ ہونے کی وجہ سے باپ کا اس سے نکاح بھی درست ہو گا، لہذا بچی کو منہ بولی ماں کے حوالہ کیا جائے گا۔ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَاءَ كُمْ اَبْنَاءَ كُمْ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِى السَّبِيْلَ۔ (سورۂ احزاب ر۴)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۲۲ر شعبان المعظم ۱۴۲۲ھ

عدت میں کن لوگوں سے پردہ ہے

سوال (۱۵۹):

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ میں ایک بیوہ عورت ہوں، فی الوقت ایامِ عدت میں ہوں، چونکہ میری رشتہ داری کا حلقہ وسیع ہے، دوست واحباب ہر طرح کے لوگ جن سے میرے شوہر کے تعلقات تھے سب ملاقات کے لئے حاضر ہوتے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ مجھے کن لوگوں سے پردہ کرنا ضروری ہے ؟ ایک تو میرے داماد ہیں، دوسرے میرے بھائی بہن کے داماد ہیں، ایک

طرف میرے مرحوم شوہر کے بھائی بہن کے داماد بھی ہیں، میرے نواسے اور پوتے بھی ہیں، مرحوم شوہر کے بھائی اور بہن کے نواسے پوتے بھی ہیں، خالہ زاد اور عم زاد بھائیاں بھی ہیں جو دونوں طرف سے (میرے اور میرے شوہر سے) متعلق ہیں، اسی طرح بیٹے یا بیٹی کے داماد ہیں، ایک بیوہ عورت پر جو عدت گذار رہی ہے اِس حالت میں کس کس سے پردہ ضروری ہے؟ دوسرا حل طلب سوال یہ ہے کہ عدت کب سے شروع ہو کر کتنے دن پر ختم ہوتی ہے؟ قمری مہینوں کے حساب سے ہے یا انگریزی تاریخ کے مطابق؟ یہ بھی واضح فرمایئے، ذرہ نوازی ہو گی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامدا ومصلیا ومسلما!

(ا)صورتِ مسئولہ میں جن لوگوں سے شرعاً پردہ ضروری ہے اور جن سے پردہ نہیں ہے ان لوگوں کی تفصیل مندرجۂ ذیل ہے:

۱۔ اپنے داماد سے پردہ نہیں ہے۔

۲۔ آپ کے بھائی اور بہن کے داماد سے پردہ ہے۔

۳۔ شوہر کے بھائی اور بہن کے داماد سے پردہ ہے۔

۴۔ آپ کے نواسے اور پوتے سے پردہ نہیں ہے۔

۵۔ شوہر کے بھائی اور بہن کے نواسے اور پوتے سے پردہ ہے اگر وہ بالغ ہوں۔

۶۔ خالہ زاد و عم زاد بھائیوں سے پردہ ہے خواہ دونوں طرف سے ہوں یا ایک طرف سے ہوں۔

۷۔ بیٹے یا بیٹی کے داماد سے پردہ نہیں ہے۔

نوٹ: جن لوگوں سے پردہ کرنا ہے اور جن سے نہیں یہ عدت کے ساتھ

خاص نہیں ہے، بلکہ پوری زندگی کے ساتھ خاص ہے، صرف عدت کے ساتھ خاص سمجھ کر پردہ کرنا اور بعد میں بے پردہ ہو جانا شرعاً ناجائز اور جہالت ہے۔(۱)

(۲)عدت کا حساب قمری مہینے کے اعتبار سے ہے، انگریزی مہینے سے نہیں، اگر چاند کی پہلی تاریخ میں وفات ہوئی ہے تو قمری مہینے کے حساب سے عدت مکمل کریں گے یعنی چار مہینے دس دن، اور اگر چاند کی پہلی تاریخ میں وفات نہیں ہوئی بلکہ درمیان یا کسی اور تاریخ میں ہوئی ہو تو مکمل ایک سو تیس دن عدت گذاری جائے گی۔ (کذا فی کتب الفقہ) (۲)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۲۰/ جمادی الاولی ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح

سبیل احمد غفرلہ

۲۰/ جمادی الاولی ۱۴۲۳ھ

---

(۱)قال اللہ تعالیٰ و لایبدین زینتهن الا لبعولتهن او أبائهن او أباء بعولتهن او ابنائهن او ابناء بعولتهن او اخوانهن او بنی اخوانهن او بنی اخواتهن۔(سورۂ نور: ۳۱)وینظر من محرمه هی من لا یحل له نكاحها ابداً بنسب او سبب الی الرأس والوجه والصدر والعضدان امن شهوته والا لا،لاالی الظهر والبطن والفخذ...ومن الأجنبية الی وجهها وكفيها فقط ... فان خاف الشهوة امتنع نظره الی وجهها...وكذا تنظر المرأةمن الرجل كنظر الرجل للرجل(درِ مختار ج/۹ ص/۵۲۷)

(۲)والعدة للموت اربعة اشهر بالاهلةلو فی الغرة كما مر وعشرة من الايام۔(در مختار ج/۵ ص/۱۸۸) فاذا وجبت العدة بالشهور فی الطلاق او فی الوفاة فان اتفق ذلک فی غرة اشهر اعتبرت الاشهر بالاهلةوان نقص العدد من ثلاثين يوما وان اتفق ذلک فی خلال الشهر فعند ابی حنيفة.....وفی الوفاة يعتبر مأةوثلاثون يوما۔(الفتاوی التاتار خانیۃ ج/۵ ص/۲۳۱)

عدت میں کن لوگوں سے ملنا جائز ہے

سوال(۱۶۰):

محترم ومکرم مفتی صاحب مدظلہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

دیگر گذارش یہ ہے کہ آپ سے ایک مسئلہ دریافت کرنا ہے کہ حالتِ عدت میں کن کن لوگوں سے ملنا جائز ہے؟ براہِ مہربانی جواب عطا فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداومصلیاومسلما!

پردہ کے مسئلے میں حالتِ عدت اور غیر حالتِ عدت میں کوئی فرق نہیں ہے، جن لوگوں سے شرعاً نکاح حرام ہے اُن کو دیکھنا جائز ہے اور جن لوگوں سے شرعاً نکاح درست ہے اُن سے ملنا اور اُنہیں دیکھنا ناجائز ہے۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۲۲ر محرم الحرام ۱۴۲۳ھ

کیا ساس داماد سے پردہ کرے گی؟

سوال(۱۶۱):

محترم مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

عرض یہ ہے کہ آپ سے ایک مسئلہ دریافت کرنا ہے، وہ یہ ہے کہ عدت کی حالت میں ساس کو اپنے داماد سے پردہ کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ براہِ کرم مسئلہ کی وضاحت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

داماد اور ساس کے درمیان شرعاً پردہ ضروری نہیں ہے، اس لئے کہ عقدِ نکاح ہوتے ہی داماد پر ساس سے نکاح کرنا ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتا ہے، جیسا کہ ارشادِ باری ہے: **حُرِّمَتْ عَلَیْکُمْ اُمَّهَاتُکُمْ اِلیٰ قولِہ تعَالیٰ وَ اُمَّهَاتُ نِسَاءِ کُمْ**۔(سورۂ نساء:۲۳) لہٰذا دورانِ عدت بھی پردہ ضروری نہیں، ایک دوسرے آپس میں چہرہ دیکھ سکتے ہیں، مگر خوفِ فتنہ ہو تو دیکھنا ممنوع ہے۔(۱)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد سا محمد صلاح الدین عفی عنہ

۲۱ر شوال المکرم ۱۴۲۱ھ

سوتیلی ماں سے پردہ نہیں ہے

سوال(۱۶۲):

بخدمت حضرت مفتی صاحب مدظلہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

عرضِ خدمت یہ ہے کہ جنابہ رابعہ بی صاحبہ میری سوتیلی ماں ہیں اور باحیات ہیں مگر علیل ہیں۔ میری سوتیلی ماں کے بھائی کے دو بیٹے ہیں، وہ مجھے اپنی سوتیلی ماں کی خدمت کرنے سے روکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم ان سے (والدہ) سے پردہ کرو، تمہیں پردہ کرنا چاہئے، اب کیا میں اپنی سوتیلی ماں سے پردہ کروں اور ان کی خدمت نہ کروں؟

---

(۱) والصهرة الشابة قال في القنية ماتت عن زوج وام فلهما ان يسكنا في دار واحدة اذا لم يخافا الفتنة، وان كان الصهرة شابة فللجيران ان يمنعوها منه اذا خافوا عليهما الفتنة۔(الدر مع الرد۹/ ۵۳۰)

امید ہے کہ تفصیلی جواب سے آگاہ فرمائیں گے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

صورتِ مسئولہ میں سوتیلی ماں یعنی باپ کی بیوی سے شرعاً کوئی پردہ نہیں ہے، کیونکہ اُن سے نکاح حرام ہے، قرآنِ مجید میں صاف موجود ہے وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ یعنی باپ کی بیویوں سے تم نکاح نہ کرو۔ لہٰذا سوتیلی ماں کی خدمت ضرور کرنی چاہئے جو دارین کی سعادت ہے۔ ولا بامرأة ابیه واجداده ۔(ہدایہ ۳۰۸/۲)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۲۲/ شوال المکرم ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح

سبیل احمد غفرلہ

۲۳/ شوال المکرم ۱۴۲۷ھ

اجنبیہ کے ساتھ خلوت اور بلاضرورت گفتگو حرام ہے

سوال(۱۶۳):

بخدمتِ گرامی مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام مسئلہ میں کہ زید ایک مکتب میں صدر مدرس کی حیثیت سے ایک عرصۂ دراز سے خدمت کررہاہے، صبح شام کا مکتب ہے، نابالغ بچے اور بچیاں دونوں قرآنی تعلیم حاصل کرتے ہیں، بچیوں کی تعلیم وتربیت کے لئے دو استانیاں بھی کام کرتی ہیں، ان کے لئے الگ درس گاہ ہے، مکتب میں کل تین کمرے ہیں، دولڑکیوں کے لئے اور ایک لڑکوں کے لئے۔ مکتب میں تعلیمی اوقات ختم ہونے

کے بعد اور سارے بچے اپنے اپنے گھر چلے جانے کے بعد مکتب میں دونوں استانیوں سے کبھی کبھی مدرسے کے تعلق سے اور بچوں کی تعلیم وتربیت کے بارے میں تھوڑی دیر زید اُن دونوں استانیوں سے بات چیت کرتا ہے، دراں حالیکہ مکتب کا دروازہ بند رہتا ہے، دروازہ کا بند کرنا اور ان دونوں استانیوں سے بات چیت کرنا ازروئے شرع کیسا ہے؟ دوسری بات اگر اندر ایک ہی ٹیچر اور زید ہو تو کیا حکم ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

اجنبیہ عورت کے ساتھ تنہائی اختیار کرنا، دیکھنا اور شرعی ضرورت کے بغیر بات چیت کرنا سب حرام ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "لَا یَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا كَانَ ثَالِثَهُمَا الشَّيْطَانُ" کہ کوئی آدمی کسی اجنبی عورت کے ساتھ علیحدہ نہیں ہوتا مگر اُن کا تیسرا شیطان ہوتا ہے۔(مشکوۃ ص ۲۶۹) اور آپ کا ارشادِ گرامی ہے "لَعَنَ اللہُ النَّاظِرَ وَ الْمَنْظُوْرَ اِلَیْهِ" اللہ تعالیٰ نے دیکھنے والے پر اور (وہ اجنبیہ عورت) جس کی طرف دیکھا گیا ہے دونوں پر لعنت کی ہے۔(مشکوۃ ص ۲۷۰) لہٰذا زید کا یہ عمل انتہائی نازیبا اور بوجہِ استاذ ہونے کے اور بھی برا ہے، اور شرافتِ انسانی کے بھی خلاف ہے، اُن کو اِس سے باز آنا ضروری ہے۔ وفی الاشباہ: الخلوۃ بالاجنبیة حرام... ولایکلم الاجنبیة۔ (شامی مع الدر ۹/ ۵۲۹، ۵۳۰)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد مصباح اللہ عفااللہ عنہ
۱۸/ ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ

الجواب صحیح
سید ولی اللہ غفرلہ
۱۸/ ۱۱/ ۱۴۳۴ھ

الجواب صحیح
محمد صلاح الدین عفی عنہ
۱۸/ ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ

شدید عذر کی بناء پر لڑکی کے بال کم کروانا

سوال (۱۶۴):

محترم مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

میں اِس سے پہلے چند مسئلے پوچھ چکی ہوں، جن کا آپ نے تسلی بخش جواب دیا ہے، اِس بار بھی دو سوال پوچھ رہی ہوں، امید کہ جواب جلد از جلد عنایت فرمائیں گے۔

(۱) کسی لڑکی کے بال بہت زیادہ اور گھنے ہیں، جس کی وجہ سے اُسے نہانے یا سر دھونے سے ہر وقت گردن میں درد ہو جاتا ہے، ایسے عذر کے موقع پر کیا اس لڑکی کے لئے بالوں کو کاٹ کر چھوٹا کر دینا درست ہے؟

(۲) آنکھوں میں دوائی ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداومصلیاومسلما!

(۱) صورتِ مسئولہ میں اگر واقعی درد اور تکلیف ہوتی ہو تو بقدرِ ضرورت مجبوراً سر منڈانے کی اجازت ہے اور بالوں کو کم کروانا بھی درست ہے،(۱) لیکن تشبہ بالرجال یعنی مردوں کی مشابہت اور فیشن کے لئے ایسا کرنا ناجائز اور حرام ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۲/۲۴۱)

(۲) آنکھوں میں دوا ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، دوا ڈال سکتے ہیں۔(۲)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۱۸/ شوال ۱۴۲۱ھ

---

(۱) ولو حلقت المرأة رأسها فان فعلت لوجع اصابها لا بأس به۔ (الفتاوی الہندیہ ۵/۴۳۸)

(۲) ولو اقطر شيئا من الدواء في عينه لا يفطر صومه عندنا وان وجد طعمه في حلقه۔ (الفتاوی الہندیہ ۱/۲۲۴)

بچی کو غیر باپ کی طرف منسوب کرنا

سوال(۱۶۵):

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ ایک نو مولود بچی بنام حواما جس کی عمر صرف ۴۵/ دن تھی، اس کی ماں کے انتقال کی وجہ سے زید اسے اپنی زیرِ پرورش لے لیا، پیدائشی رجسٹر ہو یا اسکول، اور تمام سرٹیفیکٹ میں حواما بنتِ زید کے نام سے ہی درج ہے، آج تک حواما اپنے آپ کو زید کی بیٹی ہی سمجھتی ہے، بچی کے سرپرست زید کو حکومت کے قانون کے مطابق اختیارات کی تحریری سند بھی دیئے ہیں، حواما اب عاقلہ اور بالغہ ہوچکی ہے، مستقبل قریب میں اس کی شادی بھی مقرر ہوچکی ہے، حل طلب سوال یہ ہے کہ زید اُس بچی کو اپنی طرف منسوب کرتے ہوئے حواما بنتِ زید دفترِ نکاح میں درج کرنا اور رقعہ میں چھپوانا چاہتا ہے، کیا ایسا کرنا از روئے شریعت درست ہے؟ یا اُس کے حقیقی باپ کا نام ہی درج کرنا ضروری ہے؟ نکاح کے دفتر میں یا رقعہ میں زید کا نام کس طریقہ سے لکھ سکتے ہیں؟ مفصل معلوم فرمایئے، ذرہ نوازی ہوگی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامدا ومصلیا ومسلما!

صدقِ سوال کی صورت میں اگر حواما زید کی پرورش میں آنے کے بعد زید کی اہلیہ سے دودھ پی لی تھی، یعنی زید کی بیوی نے حواما کو دودھ پلایا تھا تو حواما زید کی رضاعی بیٹی ہوئی اور زید اس کا رضاعی باپ ہوا، لہٰذا حواما کو زید کی بیٹی کہنے میں اور لکھنے میں کوئی حرج نہیں، اور اگر ایسی بات نہ ہوئی ہو یعنی زید کی اہلیہ سے حواما نے دودھ نہ پیا ہو تو شرعاً حواما کو حواما بنتِ زید کہنا اور لکھنا ناجائز ہے، سورۃ الاحزاب میں حضورِ اقدس ﷺ

کے غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا قصہ مذکور ہے، شروع اسلام میں حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے زید بن حارثہ کو آزاد کر کے اپنا منہ بولا بیٹا بنالیا تھا، چنانچہ دستور کے موافق لوگ اُنہیں زید بن محمد کہہ کر پکارنے لگے، مگر جب سورۃ الاحزاب کی آیتِ کریمہ نازل ہوئی اور سختی کے ساتھ حقیقی باپ کے سوادوسرے کی طرف نسبت کرنے کو منع کر دیا گیا تو لوگ پھر زید بن حارثہ ہی کہنے لگے !باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "اور تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا (سچ مچ کا) بیٹا نہیں بنادیا ،یہ صرف تمہارے منہ سے کہنے کی بات ہے.... الی قولہ تعالیٰ..... تم اپنے لے پالکوں کو ان کے (حقیقی) باپ کی طرف نسبت کر کے پکارو، یہی پورا انصاف اور راستی کی بات ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک "۔(سورۂ احزاب آیت نمبر ۴/۵)۔اسی طرح حدیثِ شریف میں اپنے باپ کے علاوہ کسی اور شخص کی طرف اپنی نسبت کرنے کو حرام قرار دیا گیا، اور جان بوجھ کر ایسا کرنے والے پر جنت حرام ہونے کی سخت وعید بیان کی گئی ہے۔(بحوالہ فتاوی محمودیہ ج/۱۴ص/ ۴۱۸)(۱) لہٰذا رضاعی باپ بھی نہ ہونے کی صورت میں دفترِ نکاح اور رقعہ میں حوا ما بنتِ زید لکھوانا شرعاً نا جائز ہے، ایسی صورت میں سرپرست یا ذمہ دار وغیرہ لکھنے کی گنجائش ہے۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۷/ ذوالحجہ ۱۴۲۲ھ

---

(۱) وعن سعد بن مالک رضی اللہ عنہ قال سمعتہ اذنای و وعاہ قلبی من محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہ قال من ادعی الی غیر ابیہ وھو یعلم انہ غیر ابیہ فالجنۃ علیہ حرام۔(ابوداؤد ۲/ ۶۹۷) ویعلم من الاٰیۃ انہ لا یجوز انتساب الشخص الی غیر ابیہ وعد ذلک بعضھم من الکبائر۔(روح المعانی ۱۱/ ۱۴۹)

گوبر گیس کے چولہے کا استعمال جائز ہے

سوال(۱۶۶):

محترم ومکرم مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

عرضِ خدمت یہ ہے کہ گوبر گیس کے چولہے کا استعمال مکروہ ہے یا نہیں؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

گوبر گیس کے چولہے کا استعمال درست ہے اور بلا کراہت جائز ہے۔(۱)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۲۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح

سبیل احمد غفرلہ

۲۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ

بیڑی، سگریٹ پینا مکروہ ہے

سوال(۱۶۷):

حضرت مفتی صاحب مد ظلہ! السلام علیکم

کیا شریعتِ اسلام میں بیڑی، سگریٹ اور اس سے مشابہ چیزیں استعمال کر سکتے ہیں؟ ذرا تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں۔

---

(۱) ویطهر زیت تنجس بجعله صابونا به یفتی ثم اعلم ان العلة عند محمد هی التغیر و انقلاب الحقیقة و انه یفتی به للبلوی کما علم مما مر و مقتضاه عدم اختصاص ذلک الحکم بالصابون، فیدخل فیه کل ما کان فیه تغیر و انقلاب حقیقة و کان فیه بلویٰ عامة۔ (ردِ محتار علی الدر المختار ۱/۵۱۹)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق !حامداو مصلیاو مسلما!

بیڑی، سگریٹ بلاضرورت (شوقیہ) پینا مکروہ ہے، کیونکہ اس سے منہ بدبودار ہوجاتا ہے، اسی وجہ سے کچی پیاز اور کچا لہسن کھانے کے بعد منہ کو اچھی طرح صاف کئے بغیر مسجد میں جانا اور نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ بیڑی، سگریٹ وغیرہ کے استعمال سے منھ میں ایک قسم کی بدبو پیدا ہوجاتی ہے جو طبعًا بھی ناپسندیدہ ہے، لہذا ان چیزوں سے پرہیز کرنا بہتر بلکہ ضروری ہے۔(۱)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۲۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ

الکحل ملی ہوئی چیزوں کا حکم

سوال(۱۶۸):

محترم مفتی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں آپ سے ایک مسئلہ پوچھنا چاہتی ہوں، براہِ کرم ازروئے شریعت جواب سے مطلع فرمائیں، آیورویدک پریکلی ہیٹ پاؤڈر Prickly heat powder کے

(۱)ومن اکل مایتاذی بہ: ای برائحتہ کثوم وبصل ویؤخذ منہ انہ لو تأذی من رائحۃ الدخان المشھور لہ منعھامن شربہ۔(الدر المختار مع رد المحتار ۴/۳۸۸) قال الشرنبلالی: وعلی ھذا البدعۃ التی ظھرت الان وھو الدخان اذاشربہ فی لزوم الکفارۃ، قلت فیفھم منہ حکم النبات الذی شاع فی زماننا المسمی بالتتن فتنبہ، وقد کرھہ الشیخ العمادی الحاقالہ بالثوم والبصل فتدبر۔(مراقی الفلاح ص/۲۶۵)

۱۵۰/ گرام والے پیک میں 0.7ml/ الکحل ملا ہوا ہے، اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ براہِ کرم جواب جلد دیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق حامداو مصلیاو مسلما!

ایسے پاؤڈروں میں استعمال ہونے والے الکحل عموماً شراب سے بنے ہوئے نہیں ہوتے ہیں، اس لئے دواء اور علاج کے طور پر الکحل ملے ہوئے پاؤڈروں کا استعمال درست ہے۔(۱)

فقط واللہ اعلم بالصواب
حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ
۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ

ٹی وی پر نشر ہونے والے دینی پروگرام سننا

سوال(۱۶۹):

محترم ومکرم حضرت مفتی صاحب السلام علیکم!

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس بارے میں کہ صبح ۶:۴۰ سے ۷:۴۰ تک پاکستان ٹی وی میں قرآنِ شریف تغنی کے ساتھ پڑھتے ہیں، اس پروگرام کو سننا اور دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟ معلوم کرائیں۔

---

(۱) وان معظم الكحول التي تستعمل في الادوية والعطر وغيرها لا تتخذ من العنب او التمر ...... وحينئذ هناک فسحة في الأخذ بقول ابی حنيفة۔(تکملہ فتح الملہم ۳/۶۰۸) ولا يحرم استعمالها للتداوی أو لأغراض۔(تکملہ فتح الملہم ۳/۶۰۸)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداً ومصلیاً ومسلماً!

ٹی وی کی ایجاد اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کی ایک گہری سازش ہے، مسلمانوں کی شان یہی ہے کہ حتی الامکان پرہیز کریں، اور جہاں تک قراءت اور ترجمہ کی بات ہے وہ ریڈیو کے ذریعہ سے بھی سن سکتے ہیں، اسی وجہ سے حضراتِ علمائے کرام ٹی وی سے حج کی فلم وغیرہ دیکھنے کو سخت منع کرتے ہیں، کیونکہ رفتہ رفتہ بھکنے کا خطرہ موجود ہے۔

قولہ تعالیٰ وَاِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا۔(سورۃ البقرۃ:۲۱۹)(۱)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

یکم شعبان المعظم ۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح

سبیل احمد غفرلہ

یکم شعبان المعظم ۱۴۱۹ھ

کرکٹ کھیلنا مکروہ ہے

سوال(۱۷۰):

کیا شریعتِ اسلامیہ میں کرکٹ(Cricket) کھیلنا جائز ہے؟ بعض علماءِ کرام کا کہنا ہے کہ مکروہ ہے، اگر مکروہ ہے تو اس کی وجہ کیا ہے؟ دیگر کونسا کھیل جائز ہے؟ وضاحت سے تحریر فرمائیں۔

---

(۱)قال ابن مسعود: صوت اللھو والغناء ینبت النفاق فی القلب کما ینبت الماء النبات، قلت: وفی البزازیة: استماع صوت الملاھی کضرب قصب ونحوہ حرام لقولہ علیہ السلام "استماع الملاھی معصیة والجلوس علیھا فسق"۔(در مختار ۹/۵۰۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق، حامداو مصلیاو مسلما!

صورتِ مسئولہ میں کرکٹ کھیلنا مکروہ ہے، اس کے مکروہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جو بھی اُس کھیل کا شوقین ہوتا ہے، وہ اعمال سے حتی کہ نماز جیسی اہم عبادت سے بھی غافل ہو جاتا ہے، سرکارِ دو عالم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کا فرمانِ عالی ہے کہ ہر وہ کھیل جو ذکر اللہ سے غافل کردے وہ (حکماً) جوا ہے۔ (مستفاد از امداد الفتاویٰ ۴/ ۲۴۲،۲۵۶)

اور اس زمانہ میں تو اس کھیل کی وجہ سے بہت سی خرابیاں پیدا ہو چکی ہیں، دیوانگی وجنون کی حد تک اس کھیل کا شوق رہتا ہے، اس لئے اس سے بچنا ضروری ہے، اور جو کھیل اس طرح کا نہ ہو صحت وتندرستی کے لئے اس کو کھیلنے میں کوئی حرج نہیں۔(۱)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۱۸/ رجب المرجب ۱۴۲۱ھ

مجلسِ مشاعرہ کے مفاسد

سوال (۱۷۱):

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اسلام کی روشنی میں کہ مرد اور عورت ایک مقام پر جمع ہو کر ناجائز اور گندے الفاظ استعمال کر کے اشعار پیش کرتے ہیں، کیا یہ بات جائز ہے؟

---

(۱) وکرہ تحریما اللعب بالنرد وکذا الشطرنج وانما کرہ لان من اشتغل بہ ذھب عناؤہ الدنیوی وجاءہ العناء الاخروی، فھو حرام و کبیرۃ عندنا وفی اباحتہ اعانۃ الشیطان علی الاسلام وأباحہ الشافعی وابویوسف وھذا اذا لم یقامر ولم یداوم ولم یخل بالواجب والا فحرام بالاجماع۔ (شامی ۹/ ۵۶۵،۵۶۶)

مجھے امید ہے کہ مفصل ومدلل جواب دے کر شکریہ کا موقع عطا کریں گے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداومصلیاومسلما!

سوال کے سچ ہونے کی صورت میں ایسا مشاعرہ قطعاً ناجائز وحرام ہے، قرآنِ مجید نے صاف ارشاد فرمایا ہے کہ وَالشُّعَرَاءُ یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ۝ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ۔ (شعراء:۲۲۴،۲۲۵) یعنی گمراہ لوگ شعراء کی پیروی کرتے ہیں، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں، وہ ایسی بات کہتے ہیں جو خود نہیں کرتے؛ الغرض سوال میں مذکورہ مشاعرہ بھی قرآنِ مجید کی ان آیات کا مصداق ہے، اور اس میں بہت سے مفاسد اور خرابیاں جمع ہیں، مثلاً مردوں اور عورتوں کا بے پردگی کے ساتھ اختلاط، عورت کا اپنا کلام سنانا، حالانکہ عورت کی آواز کا بھی پردہ ہے، ویڈیو اور فوٹو کھینچنا اور قہقہے لگانا، جبکہ اللہ کے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے زور سے ہنسنے سے منع فرمایا ہے، کسی کو اوپر اٹھانا یعنی بیجا تعریف کرکے خوش کرنا، اور کسی کی توہین کرکے رسوا کرنا، بہر حال ایسی کئی برائیاں موجود ہیں جن سے بچنا ہر صاحبِ ایمان کو ضروری ہے، یہ سچ ہے کہ اللہ کے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اشعار سنے ہیں اور اشعار کہے بھی ہیں، لیکن موجودہ دور کے مشاعروں سے اس کا کوئی واسطہ نہیں، وہ اشعار تو فکرِ آخرت، خوفِ خدا، تقوی وغیرہ سے متعلق تھے، اور یہ مشاعرے خالص خواہشاتِ نفسانی کی تکمیل اور دنیا کمائی کا ذریعہ ہیں، لہٰذا سمجھا کر ایسے مشاعرے کو بند کرادینا چاہئے۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۲۸/رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ

تراویح کی اجرت، انشورنس اور پی ایف کا شرعی حکم

سوال(۱۷۲):

(۱) ہم نے رمضان میں حافظ صاحب کو مقرر کیا ہے، حافظ صاحب کی کوئی مانگ نہیں ہے، ختمِ رمضان کے بعد حافظ صاحب کو پورے گاوں والے مل کر یا چند مخصوص آدمی تھوڑی رقم تحفہ کے طور پر دیتے ہیں، کیا حافظ صاحب یہ رقم لے سکتے ہیں ؟ اگر کوئی صاحب ان کو درمیان میں کچھ رقم بطورِ تحفہ یا تراویح کے بعد ادا کریں تو کیا یہ رقم حافظ صاحب لے سکتے ہیں ؟ اگر چند حفاظ کو ایصالِ ثواب کے لئے بلوایا جائے اور وہ مطالبہ کریں کہ ہمیں چند روپے دئے جائیں تو کیا اُن حفاظ کو یہ رقم دے سکتے ہیں یا بغیر کسی مطالبہ کے تحفۃً کچھ رقم ان کو دے سکتے ہیں ؟ اگر ان کو کھانا کھلا دیں تو کھانا کھا سکتے ہیں یا نہیں ؟

(۲) زید کی دکان میں چوری ہو گئی، یا شاٹ سرکیوٹ (Short circuit) کی وجہ سے اس کا مال جل گیا، اگر وہ انشورنس کرواتا تو اُس کو تھوڑی بہت مدد مل جاتی، ایسی ناگہانی مصیبتوں سے بچنے کے لئے انشورنس کروانا جائز ہے یا نہیں ؟ زید کے پاس آٹو یا لاری ہے، جس کا (اور ڈرائیور کا بھی) قانوناً انشورنس کروانا لازمی ہے، زید نے ان کا انشورنس کروایا، انشورنس کروانے کے لئے انشورنس کمپنی والوں نے ایک خاص رقم مقرر کی ہے، انشورنس کرانے کی ایک مدت کے بعد حامد کو ایک مقررہ رقم ایک مدت تک دی جاتی ہے، کیا حامد یہ رقم لے سکتا ہے ؟ جبکہ اس کی اہل وعیال کا دارومدار اُس رقم پر ہے۔

(۳) ایکسیڈنٹ (Accident) ہونے کے بعد ہاتھ، پیر وغیرہ اعضاء کٹ جاتے ہیں یا جان چلی جاتی ہے، کیا ایسی صورت میں کورٹ یا عدالت کے ذریعہ انشورنس کی رقم لینا جائز ہے ؟

(۴) زید ڈگری یافتہ ہے، اس کی عمر زیادہ ہونے کی وجہ سے گورنمنٹ میں کام نہیں مل رہا ہے، اس کو انشورنس کمپنی میں کام مل رہا ہے، لوگوں کو انشورنس کروانے کے لئے محنت کرنی پڑتی ہے، انشورنس کروانے کے بعد اس کو ایک مقررہ مدت کے لئے ایک مقررہ رقم دی جاتی ہے، تو وہ اس کو اجرت کے طور پر لے سکتا ہے یا نہیں؟

(۵) کیا بینک میں نوکری کر سکتے ہیں یا نہیں، کیونکہ بینک میں جو بھی کاروبار ہوتا ہے وہ سودی ہوتا ہے، اِس صورت میں نوکری کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(٦) زید گورنمنٹ یا پرائیویٹ کمپنی میں کام کر رہا ہے، اُس سے ماہانہ ایک رقم پی۔ ایف کے نام پر کاٹی جاتی ہے، اور وہی رقم ریٹائرمنٹ (۵۸/سال) عمر کے بعد دوگنی دی جاتی ہے، مثلاً پچاس ہزار روپئے ہو تو ایک لاکھ روپئے، کیا اس رقم کو لیا جا سکتا ہے؟ اگر اسی رقم کو درمیان میں یعنی پانچ یا دس سال کے بعد ضرورت پر لینا ہو تو جمع شدہ روپیوں میں سے اسّی فیصد رقم دی جاتی ہے، دو یا تین فیصد سود کے ساتھ ایک مدت کے بعد اُس کو واپس کرنا ہوگا، کیا یہ رقم لے کر سود کے ساتھ واپس کرنا جائز ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامدا ومصلیا ومسلما!

(۱) (الف) تراویح میں قرآنِ پاک سنانے کی اجرت لینا جائز نہیں (۱)، اور اگر پہلے باقاعدہ اجرت طے نہ کی گئی ہو پھر بھی عرف کے موافق امام کے ذہن میں ہوتا ہے کہ مجھے کچھ ملے گا اور نمازیوں کے ذہن میں بھی ہے کہ امام کو کچھ دیا جائے گا، تو المعروف کالمشروط (جو چیز مشہور ہے وہ شرط لگانے کی طرح ہے) کے تحت یہ صورت

(۱) ولا تشتروا بایاتی ثمنا قلیلا۔ (سورۂ بقرہ: ۴۱) عن بریدۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من قرأ القرآن یتأکل بہ الناس جاءیوم القیامۃ ووجہہ عظم لیس علیہ لحم۔ (مشکوۃ: ۱۹۳)

بھی یعنی حافظ صاحب کی مانگ کے بغیر جماعت یا مخصوص لوگ یا کسی ایک شخص کی طرف سے کچھ دینا جائز نہیں۔(مستفاد از فتاویٰ محمودیہ ۱۳/ ۸۲)

(ب)ایصالِ ثواب پر اجرت کا مطالبہ ناجائز ہے،(۱) لینے والا اور دینے والا دونوں گنہگار ہوں گے، اور میت کو کوئی ثواب بھی نہیں پہنچے گا، اسی طرح المعروف کالمشروط کے قاعدہ سے بغیر مطالبہ کے کچھ دینا بھی اجرت ہی کے حکم میں ہے، ایسے ہی کھانا کھلانا، چائے پیش کرنا صورۃً معاوضہ ہے، اس سے بھی پرہیز کرنا بہتر ہے۔

(مستفاد از فتاویٰ محمودیہ ۱۲، ۶، ۴/ ۲۴، ۱۳۷، ۲۵۶)

(۲) موجودہ حالات مسلمانوں کے لئے پریشان کن اور بے حد خطرناک ہونے کے پیشِ نظر علمائے کرام نے دکان، مکان، گاڑی اور فیکٹری وغیرہ کے انشورنس کرانے کی اجازت دی ہے، لہٰذا قانونی ضرورت و مجبوری کے وقت گنجائش ہے، لیکن حادثہ کی صورت میں جمع کردہ رقم سے زائد واجب التصدق ہے، اور بحالتِ مجبوری کچھ اپنے کام میں لے آنے پر مجبور ہو جائے تو خوشحال ہونے پر اسے بھی خیرات کردے۔(۲)

(مستفاد از فتاویٰ رحیمیہ ۶/ ۱۳۲، واحسن الفتاویٰ ۷/ ۲۵)

(۳) تیسرا سوال واضح نہیں، پوری تفصیل لکھیں یعنی یہ رقم حکومت اور عدالت دیتی ہے یا انشورنس کمپنی اور اگر حکومت وعدالت کے فیصلے پر انشورنس کمپنی دیتی ہو تو اس کی تفصیل کیا ہے پوری بات لکھیں۔

(۴اور۵) انشورنس کمپنی میں ملازمت کرنا جائز نہیں ہے، اسی طرح بینک میں بھی ملازمت جائز نہیں، رسول اللہ ﷺ نے سود لینے اور دینے والے اور سودی

---

(۱) ان کل طاعۃ یختص بھا المسلم فالاستئجار علیھا باطل۔(مجمع الأنہر ۳/ ۵۳۳)

(۲) الضرورات تبیح المحظورات۔(الأشباہ والنظائر ۱/ ۳۰۷)

معاملہ لکھنے والے اوراس کے گواہوں پر لعنت فرمائی ہے، اور فرمایا کہ یہ سب لوگ (اصل) گناہ میں برابر کے شریک ہیں،(۱) اس سے ثابت ہوا کہ گناہوں کے کام میں امداد کرنااوراس میں کسی قسم کا حصہ لینا ناجائز اور گناہ ہے۔(مستفاد از فتاویٰ رحیمیہ ۲/ ۱۹۴)

(۲)(الف) پراویڈنٹ فنڈ کے نام سے جو رقم جمع ہے، اور ریٹائرڈ ہونے پر اضافہ کے ساتھ ملتی ہے، یہ شرعاً جائز ہے، اس کو سود نہیں کہا جائے گا، کیونکہ یہ اضافہ ہمارے قبضہ اور ملکیت سے پہلے ہوا ہے۔(مستفاد از احسن الفتاویٰ ۷/ ۵۰)

(ب) پراویڈنٹ فنڈ میں سے بطورِ قرض کچھ رقم لینا اور سود کے ساتھ لوٹانا ناجائز وحرام ہے۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۳۰/ محرم الحرام ۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح

احمد سعید عفی عنہ

۸/ ۲/ ۱۴۲۴ھ

واستو کی شرعی حیثیت

سوال(۱۷۳):

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین مندرجۂ ذیل مسئلہ میں کہ زید نے گھر خریدا، گھر واستو شاستر کے مطابق نہ ہونے پر توڑ کر از سرِ نو تعمیر کرنا جائز ہے یا نہیں؟ دنیا وآخرت کو سامنے رکھ کر ہمیں کیسا عمل کرنا چاہیئے؟

---

(۱)عن جابر قال لعن رسول اللہ ﷺ اکل الربوا و موکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء۔(مشکوۃ:۲۴۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامدا ومصلیا ومسلما!

صورتِ مسئولہ میں واستو شاستر کا حقیقت وشریعت سے قطعاً کوئی تعلق نہیں، واستو سراسر وہم پرستی ہے اور وہم پرستی کی اسلام نے جڑ کاٹ دی ہے، حدیثِ شریف میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ لَا عَدْوَی وَلَا طِیَرَۃَ وَلَا ھَامَۃَ وَلَا صَفَرَ۔ (مشکوۃ شریف:۳۹۱) یعنی بیماری لگنے، بدشگونی لینے اور کھوپڑی کے گھومنے اور ماہِ صفر کے منحوس ہونے کا عقیدہ اسلام میں نہیں ہے، لہٰذا واستو کی بنیاد پر مکان توڑنا قطعاً ناجائز اور حرام ہے اور یہ فضول خرچی واسراف کے ساتھ ساتھ عقیدے کے بگاڑ کا بھی سبب بنے گا جو کبیرہ گناہ ہے، ہر مسلمان کو اس سے بچنا بے حد ضروری ہے۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۲۶/ جمادی الاولی/ ۱۴۲۵ھ

رسمِ سالگرہ کی حقیقت

سوال (۱۷۴):

محترم ومکرم مفتی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گذارش یہ ہے کہ جیسا کہ آج کل رسم ورواج بہت زیادہ ہوگئے ہیں، ان میں سے ایک رسم یومِ پیدائش (Birth day) کے نام سے منائی جاتی ہے، جس میں جس کی پیدائشی تاریخ ہو اُس کے ہاتھ سے کیک (Cake) کٹوا کر خوشی منائی جاتی ہے جو آج کے اکثر مسلمانوں میں پائی جاتی ہے، اکثر دوست واحباب بھی ہمیں اس رسم میں

شرکت کی دعوت دیتے ہیں، اگر شریک نہیں ہوئے تو مٹھائی وغیرہ گھر دے کر بھیج دیتے ہیں، لہذا خیال ہوا کہ حضرتِ والا سے اس رسم کے جائز یا ناجائز ہونے کی وضاحت کرالیں، امید ہے کہ اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں گے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداومصلیا!

(۱) یومِ پیدائش کی رسم منجملہ دیگر رسوماتِ ممنوعہ کے ایک ممنوع اور ناجائز رسم ہے، اگر یومِ پیدائش فی الواقع کوئی اہم چیز ہوتی تو تاجدارِ مکہ، مدنی آقا حضورِ اقدس ﷺ ضرور اپنی یومِ پیدائش کی رسم مناتے اور صحابہ کو حکم فرماتے، لیکن قرآن وحدیث کے ذخیرے اور تاریخ وسیرت کی کتابیں ہمارے سامنے موجود ہیں، کہیں بھی اِس رسم کا ثبوت موجود نہیں ہے، ورنہ حضور ﷺ سے بڑھ کر کون معصوم اور مقدس ہو سکتا ہے، پوری کائنات میں آپ سب سے زیادہ مستحق تھے کہ آپ کی یومِ پیدائش کی رسم منائی جائے، مگر آپ نے نہ کبھی یہ رسم ادا کی اور نہ ہی اس کا حکم فرمایا، لہذا یہ رسم ناجائز اور منع ہے، جس میں حسبِ حیثیت بلکہ حیثیت سے بڑھ کر فضول خرچی اور اسراف کا گناہ ہوتا ہے، بعض جگہوں میں لوگ قرض لے کر یہ رسم ادا کرتے ہیں، پھر اس کی ادائیگی شاید ہی ہو پاتی ہے اور بعض جگہوں میں سودی قرضوں سے اِس رسم کو پورا کرتے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذلک! حالانکہ وقت ایک بیش بہا نعمت اور عطیہ ہے، سالگرہ کے موقعہ پر افسوس اور ماتم کرنا چاہئے کہ ہماری اتنی زندگی اطاعت میں گذری یا غفلت میں؟؟ بقولِ شیخ سعدیؒ

چہل سال عمرِ عزیزت گذشت　　مزاجِ تو از حالِ طفلی نہ گشت

اپنی پیاری عمر کے چالیس سال گذر گئے مگر بچپن کا مزاج اب تک نہیں بدلا،

اور برابر لاپرواہی اور غفلت جاری ہے، کسی نے کیا ہی خوب کہا "گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں" ان باتوں کو ذہن میں رکھ کر رسومات سے باز آئیں، اور آئندہ کی چندروزہ زندگی اطاعتِ خدا اور رسول میں گذارنے کی کوشش کریں۔

(۲) سالگرہ کی رسم میں شرکت ناجائز ہے، اور شرعاً ان رسومات میں شرکت کا کوئی ثبوت نہیں ہے، اور سالگرہ کی مٹھائی اولاً واپس کردیں بصورتِ دیگر غریبوں میں تقسیم کردیں مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ۔ (مشکوۃ شریف ص ۲۷)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۲۵/ ذیقعدہ ۱۴۲۱ھ

منت کا بکرا غریب کی شادی میں دینا

سوال (۱۷۵):

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) ایک شخص نے ایک بکرا صدقہ کرنے کی نیت کی ہے، کیا زندہ صدقہ کی بکری کو غریب لڑکی کی شادی میں دے سکتے ہیں؟

(۲) جو صاحب یہ صدقہ دیتے ہیں کیا وہ اُس دعوت میں شریک ہوسکتے ہیں؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداً و مصلیاً و مسلماً!

صورتِ مسئولہ میں صدقہ کا بکرا غریب لڑکی کو دینا شرعاً جائز ہے، بشرطیکہ وہ زکوۃ کی مستحق ہو، اور صدقہ کا بکرا دے کر اُس کو مالک بنادیا جائے، اگر اس کے ہاتھ

دے کر مالک نہ بنایا جائے، بلکہ براہِ راست خود ہی اس کی شادی میں بکرا لے جا کر یا اس کو ذبح کر کے اس کا گوشت باورچی کے حوالہ کر دے تو یہ ناجائز ہے، اور اس طرح کرنے سے صدقہ ادا نہیں ہوگا، لہٰذا لڑکی یا اس کے سرپرستوں میں سے کسی کو صدقہ کا بکرا دے کر مالک بنا دینا ضروری ہے، اور جس کو بھی دیا جائے اُس کا محتاج اور مستحقِ زکوۃ ہونا شرعاً ضروری ہے، اُس کو مالک اور بااختیار بنا دینے کے بعد اگر وہ اپنے اختیار سے ضیافت میں اُس بکرا کو استعمال کرے تو ازروئے شرع درست ہے، اور صدقہ دینے والے کا بھی اس میں شرکت کرنا اور اس میں سے کھانا جائز ہے۔(۱)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۱۴/ ذیقعدہ ۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح

سبیل احمد غفرلہ

۱۴/ ذیقعدہ ۱۴۲۶ھ

خدامِ دین کی شانِ استغنائیت

سوال(۱۷۶):

بخدمت مفتی صاحب دامت برکاتہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام اس مسئلہ میں کہ مسجد کے مؤذنین، اماموں اور

(۱) وعن عائشة رضي الله عنها قالت ..... ودخل رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم والبرمة تفور بلحم فقرب اليه خبز وادم من ادم البيت فقال الم ار برمة فيها لحم قالوا بلى ولكن ذلك لحم تصدق به على بريرة وانت لا تأكل الصدقة قال هو عليها صدقة ولنا هدية ـ متفق عليه (مشكوة ۱۶۱/۱) الا اذا دفع الزكوة الى الفقير لا يتم الدفع مالم يقبضها او يقبضها للفقير من له ولاية عليه نحو الأب ـ (الفتاوى الهندية ۱/۲۰۹)

مدرسہ اور مکاتب کے اساتذہ کا ایک ٹرسٹ قائم کیا گیا ہے،اس ٹرسٹ کا مقصد حکومت کی جانب سے عطا کردہ سہولتیں حاصل کرنا،اور دیگر ضروریات کا حکومت سے مطالبہ کرنا،مسجد اور مدرسہ اور مکاتب میں خدمت انجام دینے والوں کو P.F، E.S.I مفت دواخانہ کا مطالبہ کرنا،مسجد اور مدرسہ کے تمام خادموں کو حکومت کے ذریعہ طے کردہ پنشن کی رقم کا مطالبہ کرنا،مسجد اور مدرسہ کے خادموں کو حکومت کے ذریعہ زمین اور زمین کا مفت پٹہ (رجسٹری) بنا کر دینے کا مطالبہ کرنا،سند یافتہ عالموں کو حکومت کے مسلم اسکولوں میں استاذ کی حیثیت سے داخل کرنا ہے؛اسی طرح صوبائی حکومت کے ذریعہ ایک پنشن شناختی کارڈ دیا گیا ہے، جس میں چند سہولتیں درج کی گئی ہیں:مثلاً بچوں کی تعلیم کے لئے اسکالر شپ،رقم اور شادی بیاہ کی اخراجات کی رقم اور آنکھ کے لئے عینک خریدنے کی رقم،حاملہ کے لئے (زچگی کی رقم) اور کفن دفن کی رقم جن کے پاس یہ شناختی کارڈ موجود ہے،ان کے لئے مذکورہ رقومات اور سائیکل حکومت کے ذریعہ دی جائے گی،اسی طریقہ کی سہولتیں درج کی گئی ہیں،تو کیا یہ سہولتیں حاصل کرسکتے ہیں؟ براہِ کرم تفصیلی جواب عنایت فرمائیں،عین نوازش ہوگی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق!حامداومصلیاومسلما!

صورتِ مسئولہ میں مسئلۂ شرعیہ یہ ہے کہ منصبِ امامت اسی طرح منصبِ درس وتدریس وغیرہ حضورِ اقدس ﷺ کی وراثت اور نیابت ہے،جیسا کہ مشہور حدیث ہے اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ وَاِنَّ الْاَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوْا دِيْنَارًا وَلاَ دِرْهَمًا۔(ترمذی،ابوداؤد بحوالۂ مشکوۃ ص؍۳۴) لہٰذا وارثینِ انبیاءِ کرام کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے اندر زہد و تقویٰ، صبر و توکل اور قناعت جیسی پاکیزہ صفات وعادات پیدا کرکے دین وملت کی خدمت

میں پوری یکسوئی وللّٰہیت اور شانِ استغنائیت کے ساتھ مشغول اور منہمک رہیں، اللہ تعالیٰ ان کی دنیا کی جملہ ضروریات بہتر طریقے سے پوری فرماتے رہیں گے، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے مَنْ جَعَلَ الْهُمُوْمَ هَمًّا وَاحِدًا اٰخِرَتَهٗ كَفَاهُ اللّٰهُ هَمَّ دُنْيَاهُ وَمَنْ تَشَعَّبَتْ بِهِ الْهُمُوْمُ اَحْوَالُ الدُّنْيَا لَمْ يُبَالِ اللّٰهُ فِيْ أَيِّ اَوْدِيَتِهَا هَلَكَ ۔(مشکوۃ ص ر ۳۷)

فقط واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح
محمد مصباح اللہ عفا اللہ عنہ
۹ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ
۹ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ

خودکشی سنگین جرم ہے

سوال(۱۷۷):

محترم حضرت مفتی صاحب! السلام علیکم

دیگر عرض یہ ہے کہ میرے بھائی کو آٹھ سال سے دماغی خلل کی بیماری تھی اور اب تک بھی علاج جاری تھا، کبھی کبھی آدھی رات میں گھر سے نکل کر باہر چلا جاتا تھا اور ریلوے پلیٹ فارم پر جاکر بیٹھ جاتا تھا، دو تین بار اسی طرح ہوا، مگر کل گذشتہ رات گھر سے غائب رہا، ہم لوگ ساری جگہ تلاش کرتے رہے مگر نہیں ملا، اور دوسرے دن صبح خبر ملی کہ ریلوے اسٹیشن پر ایک لاش ہے، جاکر دیکھنے سے معلوم ہوا کہ وہ میرا بھائی ہی ہے، اب جاننا یہ ہے کہ اسلام میں اُس کی موت کا کیا حکم ہے؟

میرا بھائی نماز کا پابند تھا، ایک وقت کی نماز بھی فوت نہیں ہوئی تھی، رمضان کے روزے رکھے، پرہیز گار تھا، مرنے سے ایک دن پہلے بھی وہ قرآن کی سی ڈی

طلب کر رہا تھا، مرنے کے بعد جب اس کی المارئی کا جائزہ لیا گیا تو پوری کی پوری دینی ومذہبی کتابیں اور سی ڈی ملیں، اسی لئے یہ معلوم کرنا بے حد ضروری سمجھتا ہوں، براہِ کرم تفصیل سے معلوم کرائیے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق !حامداومصلیاومسلما!

بصورتِ صدقِ سوال آپ کے بھائی کی خودکشی کی موت قابلِ افسوس ہے، خودکشی ایک سنگین جرم اور کبیرہ گناہ ہے، حدیث میں بڑی وعید بیان ہوئی ہے، البتہ آپ کے بھائی دماغی خلل کے شکار تھے، اس لئے اُن کی موت پر خودکشی کا حکم لگانا مشکل ہے، آیا جان بوجھ کر ایسا کیا تھا یا خودکشی بھی بے اختیار دماغی خلل سے واقع ہوئی، اس لئے اِس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں، خودکشی کی وجہ سے مرحوم کے حق میں بہت زیادہ دعائے مغفرت کی ضرورت ہے، جان حقوق اللہ میں سے ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات سے انشاء اللہ قوی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کی مغفرت فرماکر انہیں درجاتِ عالیہ نصیب فرمائیں گے۔(۱)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۱؍ ذیقعدہ ۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح

سبیل احمد غفرلہ

۱؍ ذیقعدہ ۱۴۳۰ھ

---

(۱) ومن قتل نفسه ولو عمداً يغسل ويصلى عليه به يفتى وان كان اعظم وزراً من قاتل غيره۔

(الدر المختار ۳؍۱۰۸)

لائف انشورنس اور حکومت کی امداد

سوال(۱۷۸):

بخدمت حضرت مفتی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

L.I.C(Life Insurance Corporation)کی جو پریمیم(Premium) یعنی ماہانہ یاسال میں دوچار مرتبہ مقرر کردہ رقم جمع کرنے سے ۱۰، ۱۵، ۲۰/سال کے بعد جمع شدہ رقم سود(Interest) کے ساتھ ملتی ہے، اُس کے بارے میں شرعی حکم بتلائیں۔دوسری بات یہ ہے کہ صوبائی اسمبلی الیکشن کے موقع پر جیت ہونے کی صورت میں ایک پارٹی نے عوام کے لئے بہت کچھ کرنے کا وعدہ کیا تھا، اور اس میں یہ بھی تھا کہ ڈگری حاصل کردہ طالبہ کوشادی بیاہ کے وقت نقدروپیہ ۵۰،۰۰۰ اور ۴/گرام سونے کا سکہ اور بارہویں جماعت میں پاس ہونے والی کو نقدروپیہ ۲۵،۰۰۰ اور ۴/گرام سونے کا سکہ مفت دیاجائے گا، یہ ہم مسلمانوں کے لئے جائز ہے یانہیں؟ شرعی حکم معلوم کرائیے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداومصلیاومسلما!

(۱) لائف انشورنس حرام اور ناجائز ہے، اس میں تین طریقہ سے حرمت پائی جاتی ہے: ۱۔اس میں جمع شدہ رقم پر جوزائد رقم ملتی ہے وہ خالص سود ہے، کیونکہ وہ زائد رقم کسی مال کے عوض نہیں ہے، ۲۔یہ اپنی شکل اور صورت کے اعتبار سے جوا ہے، اس لئے کہ پالیسی ہولڈر کب انتقال کر جائے گا اور کتنی رقم ملے گی معلوم نہیں ہے، اور اِس میں جہالت ہے، اسی طرح اگر کسی مجبوری سے رقم جمع کرنے کا سلسلہ بند ہو جائے تو پچھلی رقم کمپنی ضبط کرلیتی ہے، اِسی کو شریعت میں جوا اور قمار کہا جاتا ہے، ۳۔اس انشورنس میں جان اور اعضاء کے مقابلہ میں زیادہ مال حاصل ہوتا ہے جو شرعاً

ناجائز ہے، کیونکہ جان اور انسانی اعضاء شریعت میں مالِ متقوم نہیں ہیں، خلاصہ یہ کہ لائف انشورنس بہت ساری خرابیوں کا مجموعہ ہونے کی بناء پر ناجائز ہے۔

(مستفاد از فتاوی محمودیہ ۱۶/۳۸۹ وایضاح النوادر ص/۱۳۳)

(۲) حکومت کی طرف سے مقرر شدہ انعام شرعاً جائز ہے اور مسلمانوں کو اس اسکیم سے فائدہ اٹھانے میں کوئی مضائقہ نہیں جب کہ اُس کو جھوٹ بول کر حاصل نہ کیا گیا ہو۔ لا شک فی جواز التأمین التعاونی علی البر۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۴۴۲)

فقط واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح	الجواب صحیح	حررہ العبد محمد مصباح اللہ عفا اللہ عنہ
محمد صلاح الدین عفی عنہ	سید ولی اللہ غفرلہ	۴/ جمادی الاخری ۱۴۳۳ھ
۴/ جمادی الاخری ۱۴۳۳ھ	۴/ جمادی الاخری ۱۴۳۳ھ	

میراث کے احکام

میت کی طرف سے نماز کا فدیہ

سوال(۱۷۹):

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ عظام اس مسئلہ میں کہ زید کا انتقال ہوگیا، اس کے ذمہ پندرہ نمازیں باقی رہ گئیں، اب اس کے فدیہ کی کیا صورت ہے؟(۱) کیا اس کے مال میں سے ورثاء کی تقسیم سے پہلے فدیۂ نماز نکال دیا جانا چاہئے یا ثلثِ مال سے؟(۲)اگر مقدارِ فدیہ زیادہ ہو اور میت کی رقم کم ہو تو فدیہ ادا کرنے کی کیا شکل ہوگی؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامدا ومصلیا ومسلما!

(۱)صورتِ مسئولہ میں مرحوم زید نے اگر فوت شدہ نمازوں کے فدیہ کی وصیت کی ہے تو وارثین پر وصیت کو پورا کرنا واجب ہے، اور یہ وصیت ترکہ کے تہائی مال سے پوری کی جائے گی، وصیت نہ کرنے کی صورت میں میت کی طرف سے فدیہ دینا ضروری نہیں، البتہ مستحب ہے۔ اگر فدیہ تہائی مال سے زیادہ ہو تو تمام وارثین کی رضامندی پر تہائی سے زیادہ میں بھی دیا جاسکتا ہے۔ ولو مات وعليه صلوات فائتة وأوصى بالكفارة يعطى لكل صلوة نصف صاع من بر وكذا حكم الوتر من ثلث ماله۔

(در مختار مع شامی ج/۲ ص/۵۳۲ مطبوعہ زکریا دیوبند)

(۲)اگر واقعۃً فدیہ کی مقدار زیادہ اور میت کی رقم کم ہو تو وارث اگر اپنی

طرف سے بطورِ احسان دینا چاہے تو امید ہے کہ مرحوم کی گرفت نہ ہو گی، بصورتِ دیگر یعنی وارثین بھی نادار اور مفلس ہوں اور فدیہ ادا کرنے کی بالکل سکت نہ ہو تو کہیں سے کچھ پیسہ قرض لے کر فقیر کو دیدے، پھر فقیر لوٹادے، اسی طرح کرتا رہے یہاں تک کہ فدیہ مکمل ہو جائے تو اس حیلہ سے بھی امید ہے کہ مواخذہ نہ ہو گا۔(۱)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ
۲۲/ربیع الاوّل ۱۴۲۰ھ

الجواب صحیح
سبیل احمد غفرلہ
۲۲/ربیع الاوّل ۱۴۲۰ھ

موت سے پہلے ترکہ کی تقسیم جائز نہیں

سوال(۱۸۰):

حضراتِ علمائے کرام کی خدمت میں سلامِ مسنون!

ذیل کے مسئلہ میں جواب مطلوب ہے، قمر النساء قریب المرگ ہیں، یعنی ایسے لاعلاج مرض کے اندر مبتلا ہیں، جس کو طبی اصطلاح میں ”کومہ“ (Coma) کہا جاتا ہے، جس میں انہیں ہوش وحواس بھی نہیں ہے، اب ان کا ایک ذاتی مکان ہے، ان کے شوہر عرصۂ دراز پہلے ہی انتقال کر چکے۔ ان کے وارثین میں اب ۳/ لڑکے اور ۷/ لڑکیاں ہیں، اب اُس مکان کو فروخت کرکے ہر ایک اپنا حصہ لینا چاہتے ہیں اور اپنی ضروریات

---

(۱) وان لم یف ما اوصی بہ عما علیہ یدفع ذلک المقدار للفقیر فیسقط عن المیت بقدرہ ثم یھبہ الفقیر للولی ویقبضہ........ وھکذا حتی یسقط ما کان علی المیت۔

(نور الایضاح ص/۱۰۶ او مثلہ فی الدر المختار مع رد المحتار ۲/ ۵۳۴)

کو پورا کرنا چاہتے ہیں تو کیا شرعاً ایسا کیا جا سکتا ہے؟ اگر اس کی اجازت ہے تو اس مکان کی قیمت ان کی اولادوں کے درمیان کس طرح سے تقسیم ہو گی؟ لڑکے کو دو حصے اور لڑکی کو ایک حصہ کے طور پر تقسیم کیا جائے گا یا سب کو مساوی طور پر؟ مہربانی فرما کر جواب دے کر عند اللہ ماجور ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

صدقِ سوال کی صورت میں مسماۃ قمر النساء خواہ کتنی ہی لا علاج مریضہ ہو لیکن موت سے پہلے ترکہ کی تقسیم جائز نہیں، زندگی میں ہرگز یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ وہ بیماری کونسی ہے جس میں مریض دنیا سے رخصت ہو جائے گا، کیونکہ بدن میں جب تک سانس ہے صحت کی امید ہے، خواہ کتنا ہی مرض شدید ہو، لہذا موت سے پہلے کسی کی میراث و جائیداد کی تقسیم جائز نہیں ہے۔ (مستفاد از مفید الوارثین) وھل ارث الحی من الحی ام من المیت المعتمد الثانی۔ (رد محتار ج/۱۰ ص/۴۹۳)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۹/ ذیقعدہ ۱۴۲۰ھ

وراثت سے متعلق چند متفرق سوالات

سوال (۱۸۱):

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) زید کے باپ کا انتقال ہوا، اپنی وراثت میں ایک گھر چھوڑے، چونکہ

دوسرے وارث نہیں تھے، اس لئے وہ گھر زید کو مل گیا، زید کی کچھ اولاد ہیں، سوال یہ ہے کہ کیا زید کی زندگی میں ہی اُس کی اولاد کو اُس گھر میں حصہ مانگنے کا حق حاصل ہے؟

(۲) زید اپنی اولاد کو جب وہ پیدا ہوئی اچھے نام رکھے، ان کی اچھی تربیت کی، جب عمر کو پہنچ گئے تو اُن کی شادی بھی کرادی، لڑکوں کی شادی کراتے وقت وہ لوگ کمانے لگے تھے، اور خود اپنے اہل وعیال کے اخراجات برداشت کرنے کے قابل ہوگئے، سوال یہ ہے کہ مزید ان کی اولاد کے کچھ حقوق زید کے ذمہ واجب ہیں یا اولاد کے پورے حقوق ادا ہوگئے؟

(۳) زید کا ایک بیٹا اپنے باپ کو خوش کرنے کے بہانے سے اپنی بیوی کو زید کے سامنے تین طلاق دینے کا فیصلہ ظاہر کرتا ہے، حالانکہ زید کو وہ بات بالکل پسند نہیں، زید کا خیال ہے کہ ایک عورت کو بلا شرعی عذر کے تین طلاق دینا بہت بڑا جرم ہے، ایسا نہ ہونے کے لئے زید بہت کچھ کر رہا ہے، پھر اگر کسی وقت موقعہ پاکر زید کا مذکورہ بیٹا اپنی بیوی کو زید کے سامنے تین طلاق دے دے، تو کیا زید ایسی صورت میں شریعت اور اہلِ جماعت کی نظر میں مجرم نہیں ہوگا؟

(۴) زید کا ایک بیٹا اپنی بیوی بچوں کو زید کے گھر میں لاکر رکھنے کا خیال ظاہر کرتا ہے، حالانکہ وہ اس سے پہلے چار سال سے اپنے اہل وعیال کے ساتھ الگ گھر میں تھا، زید کو اپنے اس بیٹے، بہو اور بچوں کو اپنے گھر میں رکھنے کی سہولت نہیں ہے، تو کیا ایسی صورت میں زید کو اپنے بیٹے کے خیال کے خلاف کرنا شرعاً جرم ہے؟

(۵) زید کا بیٹا زید سے دس ہزار روپئے کا مطالبہ کرتا ہے، اور نہ دینے پر زید کے گناہ گار ہونے کا خیال ظاہر کرتا ہے، کیا یہ خیال شرعاً صحیح ہے؟

(۶) باپ کی میراث حاصل کرنے کی غرض سے یا کسی دوسری غرض سے

کوئی بیٹا اپنے باپ کو قتل کر دیا تو ایسی صورت میں اُس بیٹے کو اپنے باپ کی میراث سے کچھ حصہ شرعاً ملے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

(۱) کسی بھی وارث کو اپنے مورث سے اُس کی زندگی میں حصہ مانگنے کا شرعاً حق نہیں ہے، مورث کی زندگی تک مورث ہی اپنی جائیداد وغیرہ کا مالک ہے۔(۱)

(۲) باپ کے ذمہ اولاد کے حقوق ہیں، اولاد کی پیدائش پر اچھے نام رکھے، اچھی تربیت کرے، تعلیم وتربیت پر کڑی نگرانی رکھے، اور بالغ ہونے تک ان کے خورد ونوش کا انتظام کرے، بالغ ہونے کے بعد دیندار لڑکی یا لڑکے سے شادی کرے،(۲) اِن حقوق کی ادائیگی کے بعد باپ بری الذمہ ہو جاتا ہے، آگے دیگر حقوق باپ پر عائد نہیں ہوتے۔

(۳) شریعتِ اسلامیہ میں جائز امور میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ عمل طلاق ہے، اور بیک وقت تین طلاق دینا تو نہایت سنگین جرم اور شریعت کا مذاق ہے(۳)، اس لئے ایسے فعل سے احتیاط ضروری ہے، اب اگر کوئی حدِ شرع سے آگے بڑھ کر اس طرح کی حرکت کرتا ہے تو اس کا گناہ بھی وہی بھگتے گا۔

---

(۱) وهل ارث الحی من الحی أم من المیت المعتمد الثانی۔ (ردِ مختار ج/۱۰ ص/۴۹۳) کل یتصرف فی ملکه کیف شاء۔ (شرح المجلۃ للأتاسی ۴/۱۳۲ بحوالہ فتاویٰ عثمانی ۳/۴۳۹)

(۲) عن أبی سعید رضی اللہ عنہ و ابن عباس رضی اللہ عنہ قالا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من ولد له ولد فلیحسن اسمه و ادبه فاذا بلغ فلیزوجه فان بلغ ولم یزوجه فاصاب اثما فانما اثمه علی ابیه۔ (شعب الایمان للبیہقی بحوالہ معارف الحدیث ۶/۴۲)

(۳) وطلاق البدعة ان یطلقها ثلثا بکلمة واحدة او ثلثا فی طهر واحد فاذا فعل ذلک وقع الطلاق وکان عاصیا۔ (ہدایہ ۲/۳۵۵)

قرآنِ مجید کا صاف اعلان ہے ”ولَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْریٰ“ (سورۂ فاطر:۱۸) اور خالق کو ناراض کر کے مخلوق کو راضی کرنا حرام ہے۔

(۴) شرعاً زید کے ذمہ کوئی ضروری نہیں کہ اپنے مکان میں اپنی بالغ و شادی شدہ اولاد کو رکھے، اور اس سلسلے میں زید با اختیار ہے، سہولت ہو تو رکھے ورنہ انکار کر دے۔(۱)

(۵) زید پر شرعاً لازم نہیں کہ اپنی اولاد کی ہر خواہش پوری کرے، اگر اولاد گنہگار ہو گی تو اپنی دنیا و آخرت کی تباہی اپنے ہاتھ سے کرے گی، لہذا ان مسئلوں میں باپ اپنی صوابدید پر عمل کرے۔

(۶) قتل کی وجہ سے حقِ وراثت ساقط ہو جاتا ہے، لہذا قاتل وارث کوئی بھی ہو اپنے مورث کا شرعاً وارث نہیں ہو گا۔ ” ویمنع الارث الرق و القتل کمامر“۔

(ملتقی الابحر ۴/۴۹۷)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۲۶/ محرم الحرام ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح

سبیل احمد غفرلہ

۲۶/ محرم الحرام ۱۴۲۱ھ

پی ایف اور امدادی رقم کے حقدار

سوال (۱۸۲):

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ تین سال

(۱) والغلام اذا عقل و استغنی برأیہ لیس للاب ضمہ الی نفسہ.....ولا نفقہ علیہ الا ان یتبرع۔

(الدر مع الرد ۵/۲۷۱)

قبل سعید احمد صاحب کا انتقال ہو گیا، انہوں نے اپنے وارثین میں بیوی، ماں باپ، ایک لڑکا اور ایک لڑکی چھوڑے، پس سعید احمد صاحب کا مالِ متروک مذکورہ وارثین میں کس طرح تقسیم ہو گا؟

(۲) سعید احمد صاحب کی عقل میں کچھ فتور تھا، ایسے وقت میں بعضوں نے اُنہیں جان سے مار کر ختم کر دیا، چونکہ مرحوم ایک چمڑے کے کارخانے میں ملازم تھے، اور قتل ہونے کی وجہ سے حکومت کی طرف سے کچھ رقم آئی، پھر مرحوم کی پس انداز پی۔ ایف کی رقم جمع تھی، وہ رقم بھی آئی، علاوہ ازیں اب ماہانہ ۷۷۴/ روپئے بیوی کو بطورِ پنشن آنا شروع ہوا ہے، تینوں قسم کے پیسے بیوی ہی کے نام آئے ہیں، سعید کے والدین اس میں حصہ چاہتے ہیں، اور اُس میں اپنا حق جتاتے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ بیوی کو نامنی (Nominee) بنانے کے سبب سے وہ ساری رقمیں بیوی ہی کے لئے ہوں گی یا تمام ورثاء کا اس میں حق ہے؟

(۳) مرحوم کا لڑکا (پانچ سالہ) اور ایک لڑکی (نو سالہ) ہے، اب تک دونوں ماں ہی کے پاس تھے، اور ماں اپنی میکے میں رہتی ہے، بچے ماں کے پاس ہی رہنا چاہتے ہیں، ماں بھی بچوں کو اپنے ہی پاس رکھنا چاہتی ہے، دادا بچوں کا حق یعنی پیسے لے لے کر جبراً ان بچوں کو اپنے ہاں پرورش کے لئے لے جانا چاہتے ہیں، جبکہ بچوں کی دادی خود بیمار ہے، بستر پر ہے، علاج جاری ہے، دوسرے اُن کی خدمت کرتے ہیں، ایسی صورت میں بچے کہاں رہیں؟ اگر ماں کے ہاں رہنا ہو تو کیا دادا سے بچوں کا نان ونفقہ بچوں کی ماں طلب کر سکتی ہے؟

(۴) جب پس انداز رقم (P.F) آئی، تو مرحوم کے والد نے اس میں سے ۷۰۰/ روپئے پوسٹ مارٹم اور کفن دفن کا خرچ لے لیا، حقیقت میں وہ خرچ کس کے

ذمہ ہے؟اُن کا اس طرح لینا درست ہے یا نہیں؟براہِ کرم شریعت کی روشنی میں مکمل ومفصل جواب عنایت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق!حامداومصلیاومسلما!

(۱) مذکورہ سوالات کے صدق کی صورت میں مرحوم سعید احمد صاحب کی میراث کے کل بہتر (۷۲)حصے ہوں گے، جن میں سے نو(۹)حصے بیوی کو، چوبیس (۲۴)حصے ماں باپ کو(ہر ایک کو بارہ حصے)اور لڑکا کو چھبیس (۲۶)حصے اور لڑکی کو تیرہ(۱۳)حصے۔

(۲)مرحوم کے نام پر جو(P.F) ہے،اس میں موجودہ تمام وارثین کا حق ہے، شرعی قبضہ سے پہلے صرف نامنی کر دینے سے بیوی حقدار نہیں ہو جائے گی، لہذا دیگر وارثین کی طرح بیوی بھی وارث ہو گی۔

قتل ہو جانے کی وجہ سے حکومت کی جانب سے ملی ہوئی رقم کو دینے والے نہ توشرعی دیت کے طور سے دیتے ہیں اور نہ حکمِ وراثت کے تحت دیتے ہیں، بلکہ مرنے والے کے بیوی بچوں کے لئے اوران لوگوں کے لئے جن کی عیال داری اور نان ونفقہ کی ذمہ داری مرنے والے پر تھی،ان کو بطورِ امداد اور تعاون ملتی ہے،لہذا میت کے وارثین میں سے جن کے نام جاری کرے وہی اُس رقم کے حق دار ہوں گے۔

(فتاوی نظامیہ ۱/۲۹۸ومستفاد از:احکامِ میت ص/۱۴۸،۱۴۷)

پنشن کی رقم کا حکم یہ ہے کہ کمپنی یا حکومت میت کے وارثین میں سے جس کے نام جاری کرے وہی اس کا حق دار ہو گا،اوراگر وہ سب کے لئے آئی ہو توسب پر مساوی طورپر تقسیم ہو گی۔

(۳) لڑکا سات سال اور لڑکی نو سال تک ماں کے پاس رہے گی، اور پرورش کا خرچ دادا کے ذمہ واجب ہے، جب لڑکا سات برس کا ہو جائے اور لڑکی نو سال کی ہو جائے تو باپ کے بعد دادا کو حق اور اختیار حاصل ہے کہ اپنے پوتوں و پوتیوں کو اپنی پرورش میں لے لے۔(۱)

(۴) کفن دفن کا خرچ میت کے ترکہ سے پورا کیا جائے۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۱۹/ صفر المظفر ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح

سبیل احمد غفرلہ

۱۹/ صفر المظفر ۱۴۲۱ھ

ماں کے سامنے بیٹے کی وفات

سوال (۱۸۳):

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ زید کی شادی ہو کر ۱۰/ سال کا عرصہ ہوا، اس کی دو اولاد ہیں۔ ایک لڑکا اور ایک لڑکی، گذر بسر کے لئے پلاسٹک چیزیں بنانے کی ایک مشین تھی، جس پر زید اور ان کے والد دونوں ہی کام کرتے تھے۔ ۳/ سال قبل زید کا اچانک انتقال ہو گیا، زید کی بیوی نے اپنے سسر صاحب سے وہ مشین طلب کی تا کہ ذریعۂ معاش حاصل ہو۔

---

(۱) والحاضنة اما او غیرها احق به ای بالغلام حتی یستغنی عن النساءوقدر بسبع وبه یفتی لانه الغالب....والام والجدة احق بالصغیرة حتی تحیض ای تبلغ وغیرهما احق بها حتی تشتهی وعن محمدان الحکم فی الام والجدة کذلک وبه یفتیٰ لکثرة الفساد (الدر مع الرد ۵/ ۲۶۷، ۲۶۸)

سسر صاحب نے کہا میرے ذمہ دو لاکھ روپئے قرض ہیں، وہ ادا کر کے مشین لے جاؤ، بہو نے اپنے تمام زیورات فروخت کر کے ایک لاکھ روپئے ادا کر دیئے اور مشین اپنے قبضہ میں کرلی، بقیہ روپیوں کے لئے بعد میں ادا کرنے کا دستاویز نامہ لکھ کر دے دیا۔

اب ایک سال قبل زید کے والد بھی وفات پاگئے، ان کا داماد یعنی زید کا بہنوئی زید کی بیوہ عورت سے ان روپیوں کے لئے بار بار تقاضا کرتا ہے، جبکہ وہ بیوہ اس قرض کی ادائیگی سے مجبور ہے، ایک بیوہ اور لاچار عورت سے قرض کی وصولی کے لئے جبر کرنا کیسا ہے؟ از روئے شریعت کیا معاف ہو سکتا ہے یا اس میں تخفیف کی جاسکتی ہے؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ زید اپنی ماں کی حیات میں انتقال کر گیا، وہ مکان جس میں وہ رہتا تھا وہ اُس کی ماں کے نام پر رجسٹرڈ ہے، زید کے انتقال کے بعد ماں کے مکان میں زید کی اولاد کو کیا حصہ مل سکتا ہے؟ یا زید کی بیوہ عورت کو اس مکان میں کوئی حق پہونچتا ہے؟ اور بہو کا سامانِ جہیز بھی سسرال کے قبضہ میں ہے، اس پر کس کا حق ہے؟ معلوم فرمایئے، ذرہ نوازی ہوگی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

(۱) صدقِ سوال کی صورت میں زید کی بہنوئی کا زید کی بیوی سے اس طرح قرض کا مطالبہ کرنا شرعاً مناسب نہیں ہے، صحیح مسلم شریف میں موجود ہے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ارشاد فرماتے تھے کہ جس بندہ نے کسی غریب تنگدست کو مہلت دی یا (اپنا مطالبہ کل یا جز) معاف کر دیا تو اللہ تعالی قیامت کے دن کی تکلیفوں اور پریشانیوں سے اُس بندہ کو

نجات عطا فرمائے گا۔(معارف الحدیث ۷/۸۸) (۱) مسلم شریف کی ایک اور روایت میں ہے کہ جو بندہ کسی غریب تنگدست کو مہلت دیدے یا مطالبہ کا کل یا جز معاف کردے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو اپنے سایۂ رحمت میں لے گا۔(معارف الحدیث ۷/ ۸۹) (۲)اور صورتِ مذکورہ میں تو زید کی بیوی باضابطہ قرضدار نہیں ہے، بس ایک معاہدہ کے تحت اپنے ذمہ دو لاکھ روپۓ دینے کا وعدہ کرلیا ہے اور جبکہ زید کی بیوی خود بھی زید کے ترکہ کی وارث ہوتی ہے، بایں وجوہ مابقیہ کو معاف ہی کر دینا چاہئے۔

(۲)زید کا انتقال چونکہ ماں کی حیات میں ہوا ہے، اس لئے وہ وراثت سے محروم ہو گا، باقی زید کی اولاد کو دادی کی میراث مل سکتی ہے یا نہیں تو تفصیل اس میں یوں ہے کہ اگر زید کی والدہ کی اولادِ نرینہ علاوہ زید کے اور بھی ہو تو دادی کی میراث سے پوتے یا پوتیاں سب محروم ہوں گے، اگر اولادِ نرینہ نہ ہو تو کل وارثین کی فہرست لکھ کر جواب حاصل کرلیں۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۱۴/ربیع الاوّل ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح

سبیل احمد غفرلہ

۱۴/ربیع الاوّل ۱۴۲۱ھ

---

(۱) عن ابی قتادۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من سرہ أن ینجیہ اللہ من کرب یوم القیامۃ فلینفس عن معسر او یضع عنہ وقال ایضاً:من أنظر عن معسر أو وضع عنہ انجاہ اللہ من کرب یوم القیامۃرواہ مسلم۔(مشکوۃ ص/۲۵۱)

(۲)عن ابی الیسر قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول لمن انظر معسراًأوضع عنہ اظلہ اللہ فی ظلہ رواہ مسلم۔

(مشکوۃ(ص/۲۵۱)

موروثی زمین کی تقسیم کا طریقہ

سوال (۱۸۴):

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے میں کہ باپ کی کمائی ہوئی یعنی ساڑھے سات ایکر زمین ہے، باپ کا انتقال ہو گیا، باپ کے تین لڑکے، تین لڑکیاں اور بیوی ہیں، ان میں بیوی اور تین لڑکیوں کو حصہ دے دیا گیا، صرف اس میں تین لڑکوں کا حصہ ہے، سوال یہ ہے کہ اُس زمین میں بڑے، درمیانی اور چھوٹے بھائی کے لئے کس طرف سے حصہ ہوگا؟ شریعت کے مطابق جواب مطلوب ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداومصلیاومسلما!

سب سے پہلے زمین کا نقشہ کاغذ پر اتارے، پھر پیمائش کرکے جتنے حصہ دار ہیں، زمین کو اتنے حصوں میں تقسیم کرے، اگر ممکن ہو تو ہر ایک کا حصہ راستہ اور کنواں کے ساتھ الگ کر دے، اس کے بعد متعین کر دیں کہ یہ پہلا حصہ ہے، اور یہ دوسرا ہے اور اس کے بعد والا تیسرا حصہ ہے، پھر قرعہ اندازی کریں، اب جس شخص کا نام پہلے نکلے اس کو پہلا حصہ اور جس کا دوسری مرتبہ نکلے اس کو دوسرا حصہ دے دیں، اور تیسرا حصہ بہر حال تیسرے کا ہے۔ (ملخص از ہدایہ ۴/۴۰۰ قدیمی)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۵/ شعبان المعظم ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح

سبیل احمد غفرلہ

۶/ شعبان المعظم ۱۴۲۱ھ

---

(۱) وینبغی للقاسم ان یصور مایقسمه ویعدله ویذرعه لیعرف قدره ویقوم البناء (باقی اگلے صفحے پر)

ٹرک حادثہ کے انشورنس کی رقم

سوال(۱۸۵):

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ حکومت کی طرف سے پابندی ہے کہ جو بھی موٹر گاڑی، اسکوٹر اور لاری وغیرہ جو قوتِ برقی سے چلتے ہیں، اُن کو اِنشور کرانا ضروری ہے، انشورنس دو طرح کا ہوتا ہے، ایک کامل (Full Insurance) اور ایک تیسری پارٹی انشورنس (Third Party Insurance)؛ کامل انشورنس کرنے پر گاڑی، گاڑی چلانے والا اور سامنے والا جس کسی کو بھی نقصان پہونچے تو انشورنس کمپنی عدالت (حکومت) جتنی رقم کا فیصلہ کرے ادا کرتی ہے، تیسری پارٹی کے انشورنس میں صرف سامنے والا جو حادثہ میں مبتلا ہو کر نقصان اٹھاتا ہے اُس نقصان کے عوض عدالت کی طے کردہ رقم انشورنس کمپنی سے حاصل کرتا ہے۔

زید کا ایک لاری سے حادثہ ہوا، اس کی وجہ سے وہ وفات پاگئے، اب ان کے ورثہ کو اختیار ہے کہ وہ انشورنس کمپنی پر مقدمہ دائر کرے، عدالت جو رقم مقرر کرتی ہے اس رقم کو انشورنس کمپنی زید کے ورثہ میں تقسیم کردے گی، اس قسم کے انشورنس میں زید کا کوئی حصہ نہیں، نہ وہ لاری والے کو اِنشور کرنے پر مجبور کیا، نہ خود ایسے حادثہ پر اپنے ورثہ کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے کچھ رقم حکومت یا انشورنس کمپنی کو ادا کیا، اوپر ذکر کردہ نظام صرف حکومت کی طرف سے عائد کردہ ہے، پس سوال اینکہ زید کے ورثہ کو زید کے انتقال پر جو رقم عدالت مقرر کرتی ہے، انشورنس کمپنی سے حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(پچھلے صفحے کا مابقیہ) ویفرز کل نصیب عن الباقی بطریقه وشربه ثم یلقب نصیبا بالاول والذی یلیه بالثانی والثالث علی هذا ثم یخرج القرعة۔ (ہدایہ: ۴/۴۰۰ قدیمی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامدا ومصلیا ومسلما!

صدقِ سوال کی صورت میں حکومت یا عدالت کی طرف سے طے کردہ رقم محض ایک امداد وتعاون کی رقم ہے، جو حادثہ کے شکار شدہ شخص کی بیوی بچوں اور ان لوگوں کے لئے جن کی عیال داری ونان ونفقہ کی ذمہ داری مرنے والے پر تھی، اُن کو بطورِ امداد و تعاون ملتی ہے۔ (مستفاد از فتاوی نظامیہ ج۱/ص۲۹۸) لہذا اگر سوال میں ذکر کردہ صورت تک ہی بات محدود ہے تو وہ رقم لینے کی گنجائش ہے۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۳۰/رجب المرجب ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح

سبیل احمد غفرلہ

۳۰/رجب المرجب ۱۴۲۳ھ

موروثہ مکان کو کم دام پر خریدنا

سوال(۱۸۶):

محترم مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

ہمارے والد صاحب کو انتقال ہوئے ۱۸/سال ہو گئے اور ابھی ہماری والدہ محترمہ کا پانچ مہینہ قبل انتقال ہو گیا، ہم جس گھر میں رہتے ہیں وہ ہماری والدہ کے نام پر ہے، ان کی چھ اولاد ہیں: تین لڑکے، تین لڑکیاں؛ سب شادی شدہ ہیں، تینوں لڑکیاں شادی کے بعد اُن کے سسرال میں ہیں، باقی تین بھائی اسی گھر میں ایک ساتھ ہیں، والدہ صاحبہ کی وصیت تھی کہ اُن کے انتقال کے بعد گھر دوسرے باہر والوں کو فروخت

مت کرنا اور کوئی ایک لڑکا ذمہ لے کر دوسرے حصہ داروں کو حصہ دے دینا تو میں (بڑا لڑکا) مرحومہ کے پاس اس کا وعدہ کیا تھا مگر اب دوسرے بھائی بہن گھر فروخت کر کے ہمارا حصہ دیدو کہتے ہیں، لہذا اس کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ معلوم کرائیں۔ بھائی بہنوں کی بات مان کر گھر اگر باہر والوں کے پاس فروخت کر دیں تو کیا یہ وعدہ خلافی ہے؟ اور اگر فروخت ہی کرنا ہے تو باہر والوں کے لئے ایک دام اور گھر والوں کے لئے ایک دام یعنی کیا اس میں کمی بیشی ہو سکتی ہے؟ براہِ کرم جواب دیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

صورتِ مسئولہ میں اس وصیت کو پورا کرنے کے لئے تمام وارثین کی رضامندی ضروری ہے، کوئی ایک وارث بھی راضی نہ ہو تو اس وصیت کو پورا نہیں کیا جائے گا، اور نہ قیامت میں اُس کے متعلق سوال ہو گا نہ باز پرس ہو گی، لہذا پورے وارثین بیک زبان راضی ہوں تو کوئی ایک لڑکا ذمہ لے کر وہ گھر خود اٹھا لے اور باقی وارثین کو شرعی حصہ دیدے، پھر فروخت کرنے کے لئے بازاری یعنی اس وقت اس مکان کی کیا قیمت ہے اُسی قیمت میں فروخت کرنا ضروری ہے، اُس میں وارث اور غیر وارث کا کوئی فرق نہیں، وارث اپنے لئے کم دام تجویز کرتا ہے تو یہ وارثوں کی حق تلفی ہے اور شرعاًنا جائز اور کبیرہ گناہ ہے۔ (کذا فی کتب الفرائض)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ
۲۷/ رجب ۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح
احمد سعید عفی عنہ
۲۷/ رجب ۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح
سبیل احمد غفرلہ
۲۷/ رجب ۱۴۲۴ھ

وصیت کسے کہتے ہیں؟

سوال(۱۸۷):

محترم و مکرم مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ ایک صاحب نے اپنی خالہ زاد بہن سے (جو باحیات ہیں) یہ وصیت کی کہ میرے مکان کا حصہ بھی تمہیں لکھ دیتا ہوں، مگر لکھے نہیں، پھر اُن صاحب کا وصال ہو گیا، اس وصیت کے وقت رشتہ دار حاضر تھے، سب کو اس کا علم ہے، اب اُس مکان کے حصہ کے متعلق شرعی حکم معلوم کرنا ہے کہ کیا مرحوم کی وصیت کے مطابق خالہ زاد بہن کو مکان کا حصہ ملے گا؟ براہِ کرم شریعت کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداومصلیاومسلما!

شریعت کی اصطلاح میں وصیت یہ ہے کہ جو باتیں میت کے ذمہ واجب نہیں تھیں، اس نے مرض الموت میں بطورِ احسان ان کو لازم کرلیا یا مرض الموت یا اس سے پہلے کوئی معاملہ کرکے یوں کہا کہ میرے مرنے کے بعد اُس کو نافذ کیا جائے۔ (مستفاد از مفید الوارثین:۷۹) **الوصیۃ فی الشرع تملیک مضاف الی ما بعد الموت یعنی بطریق التبرع سواء کان عیناً أو منفعۃ۔**

(مجمع الأنہر ج/۴ ص/۴۱۷ وکذا فی الدر المختار ج/۱۰ ص/۳۳۵)

مذکورہ فقہی تعریف کی روشنی میں شخصِ مذکور کا یہ جملہ وصیت میں داخل نہیں ہے، بس اتنا کہا جاسکتا ہے کہ اُنہوں نے اپنے ارادے کا اظہار کیا اور اس کی تکمیل نہیں کی، لہٰذا شخصِ مذکور کے وارثین اگر برضا و رغبت وہ گھر آپ کو عطا کرتے

ہیں تو اخلاقی بات ہے، ورنہ از روئے شرع کوئی چیز لازم وضروری نہیں ہے۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ
۷/شعبان ۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح
احمد سعید عفی عنہ
۷/شعبان ۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح
سبیل احمد غفرلہ
۷/شعبان ۱۴۲۴ھ

جائیداد کی مرمت کا خرچ ترکہ میں شامل ہوگا یا نہیں؟

سوال(۱۸۸):

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ زید اور ہندہ کا آپس میں زوجیت کا تعلق ہے، اب زید کی ۴/ اولاد ہیں، جن کے نام یہ ہیں: ۱۔ ساجدہ ۲۔ حامدہ ۳۔ حمید ۴۔ جاوید؛ جائیداد ایک دکان، دو مکان ہیں، اپنی زندگی میں زید نے ایک دوکان اپنی بیوی ہندہ کے نام لکھ دیا تھا، دو مکان کسی کے نام ہبہ نہیں کیا تھا۔ زید کا انتقال گذشتہ ۲۲/ سال قبل ہو گیا تھا، ان کی بیوی ہندہ کا انتقال ۲۵/ دن قبل ہوا ہے والدین کی زندگی میں شادی شدہ حمید مع اہل وعیال اور جاوید جن کی شادی نہیں ہوئی تھی، یہ دونوں اپنے والدین کے ساتھ ہی رہتے تھے، ۱۵/ سال کے بعد حمید اپنا خاص مکان بناکر علیحدہ ہو گئے، اب رہے جاوید یہ اپنی والدہ ہندہ کو ساتھ لے کر اسی گھر میں رہ کر والدہ اور گھر کی نگرانی کرتے ہوئے آئے۔ ہندہ کے نام جو دکان زید نے ہبہ کر دیا تھا، اس دکان میں حمید بھائی بھی کچھ تجارت گذشتہ ۱۵/ سال سے کر رہے تھے، حمید کے علیحدہ ہو جانے کے بعد جاوید اسی دکان کو اپنی رقم لگا کر چلانے لگے، اچانک والدہ ہندہ کا بھی ۲۵/ دن قبل انتقال ہو گیا، اب تقسیمِ ترکہ کی باری آئی تو حمید بھائی کا کہنا ہے

کہ جاوید ہی دکان سے گذشتہ ۱۵؍سال سے نفع اٹھاتے آرہے تھے، اُس کا کرایہ جاوید کو ہی دینا پڑے گا، جبکہ حمید بھی اس گھر میں رہتے ہوئے اسی والدہ کی دکان سے تجارت کرتے ۱۵؍سال سے فائدہ اٹھاتے آرہے تھے، اُس وقت کرایہ کی بات نہیں آئی تھی، جاوید کے رہنے پر کرایہ کی بات آتی ہے تو یہ بات کہاں تک درست ہے؟ یہ کیسے انصاف کی بات ہے؟ اسی طرح ضرورت پڑنے پر مکان کی مرمت حمید اور جاوید دونوں نے مل کر کی ہے تو اُس مرمت کے اخراجات کس کے ذمہ ہیں؟ کون کس کو دے؟ اِس کی تفصیل بھی بتلائیں۔ اب ترکہ کی بات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے پوری جائیداد کی تقسیم کا ایک جدول، حقوقِ وارثین بتلاتے ہوئے شرعی حیثیت سے تفصیلی جواب مطلوب ہے، عین نوازش ہوگی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

بر تقدیرِ صحتِ واقعہ وعدمِ موانعِ ارث (مثلاً کفر و قتل) وبعد ادائے حقوقِ متقدمہ علی الارث (مثلاً تجہیز و تکفین وادائے قرض از کل مال ووصیت از تہائی مال) دو مورث اعلیٰ زید اور ہندہ کی میراث وجائیداد کے کل چھ (۶) حصے شرعاً ہوں گے، جس میں دولڑکوں کو دو دو حصے اور دو لڑکیوں کو ایک ایک حصہ از روئے شرع ملے گا،(۱) لہٰذا مذکورہ وارثین دومکان اور ایک دکان کو موجودہ بازاری قیمت کے حساب سے فروخت کر کے اُس کی قیمت یاجائیداد ہی آپس میں تقسیم کرلیں۔ زید نے دکان اپنی بیوی کے نام پر ہبہ کر دیا تھا، اور بیوی ہندہ بہت دنوں تک زندہ رہی ہیں، لہٰذا دکان میں زید کے ترکہ کا سوال ہی نہیں ہوتا، ہندہ کی حیات میں ہندہ کی دکان سے جو کچھ فائدہ

---

(۱) واذا اختلط البنون والبنات عصب البنون البنات۔ (الفتاوی الہندیہ ۴۹۸/۶)

اٹھایا گیا (خواہ حمید نے اٹھایا ہو یا جاوید نے) وہ ہندہ کی طرف سے تبرع واحسان سمجھا جائے گا، مگر یہ کہ ہندہ کی طرف سے قرض کے طور پر دکان دی گئی ہو اور اس پر گواہ بھی ہوں، یا حمید اور جاوید کی طرف سے قرض کے طور پر دینے کا اقرار ہو تو وہ قرض واجب الاداء ہو کر ترکہ میں شامل ہو گا ورنہ نہیں۔(۱) اسی طرح دکان، مکان کی مرمت میں دونوں بھائیوں کی طرف سے جو اخراجات ہوئے وہ بھی تبرع واحسان سمجھا جائے گا، اور مرمت کا خرچ ترکہ میں شامل نہیں کیا جائے گا۔ (کذا فی کتب الفقہ والفرائض)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۱۴/رجب المرجب ۱۴۲۷ھ

مفقود (گم شدہ آدمی) کے مال کا حکم

سوال (۱۸۹):

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ عبد الرحمٰن صاحب کی ایک بیٹی بنام حواما اور ایک بیٹا جیلانی ہے، جیلانی ۷/سال کی عمر ہی میں گھر سے فرار ہو گیا، آج تک لاپتہ ہے، عبد الرحمٰن صاحب اور ان کی بیوی دونوں کے انتقال کے بعد اب بہن حواما بھی وفات پاچکی ہے، جیلانی کے حصہ کی رقم بینک میں جمع شدہ ہے۔ حل طلب سوال یہ ہے مفقود الخبر اور لاپتہ جیلانی کے حصہ کی جو رقم بینک میں جمع شدہ ہے، اس رقم کے کل وارثین یہ ہیں: ۱۔ جیلانی کی ۵/ پھوپھیاں، ۲۔ ایک مرحوم پھوپھی کی اولاد ۳۔ مرحوم چچاؤں کی اولاد ۴۔ بہن حواما مرحومہ کے ۴/ لڑکے،

---

(۱) ویقدم دین الصحۃ ہو ما کان ثابتا بالبینۃ مطلقا أو بالاقرار فی حال الصحۃ۔ (الدر مع الرد ۱۰/ ۴۹۵)

ان میں سے ہر ایک کو ازروئے شریعت کیا حق مل سکتا ہے؟ معلوم فرمائیے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

بصورتِ صدقِ سوال وصحتِ واقعہ جیلانی کی رقم شرعاً تقسیم نہیں ہو سکتی، بلکہ امانۃً رکھی جائے گی، اور اُس کے آنے کا انتظار کیا جائے گا، اگر وہ آجائے تو اپنے مال پر قابض ہو جائے گا، ورنہ جس وقت اس کی عمر نوے (۹۰) برس کی ہو جائے (یعنی جس تاریخ سے پیدا ہوا تھا اُس دن سے شمار کر کے نوے برس گذر جائیں) اس وقت شرعاً اس کی موت کا حکم لگائیں گے، (۱) لہٰذا صورتِ مسئولہ میں جیلانی کی رقم امانۃً ہی رکھی جائے گی اور کوئی وارث نہیں ہو گا۔ (مستفاد از مفید الوارثین ص/۳۰۱)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۱۰/ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ

علاج کا خرچ مرحوم کے ترکہ سے لیا جائے گا یا نہیں؟

سوال (۱۹۰):

بخدمت حضرت مفتی صاحب زید مجدہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

---

(۱) ولا یستحق ما اوصی لہ اذا مات الموصی بل یوقف قسطہ الی موت أقرانہ فی بلدہ وفی الشامیۃ ھذا لیس خاصا بالوصیۃ بل ھو حکمہ العام فی جمیع احکامہ من قسمۃ المیراث وبینونۃ زوجتہ وغیر ذلک .....وقیل یقدر بتسعین سنۃ بتقدیم التاء من حین ولادتہ واختارہ فی الکنز وھو الأرفق ھدایۃ وعلیہ الفتویٰ۔ (شامی مع الدر ۶/۴۶۱، ۴۶۲)

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ زید کی شادی زینب سے ہوکر تقریباً ۸/سال کا عرصہ ہوا، ان کی کوئی اولاد نہیں، زینب پیٹ کی بیماری میں ۳/سال مبتلا رہی، زید نے اپنی بیوی کے زیورات فروخت کرکے اس کا علاج کیا مگر بے فائدہ، زینب دنیا سے چل بسی۔ حل طلب سوال یہ ہے کہ زینب کو شادی کے موقعہ پر دیئے گئے زیورات اُس کے علاج و معالجہ پر خرچ ہونے کے بعد بھی کچھ باقی رہ گئے ہیں، یہ زیورات ماں کی طرف سے ڈالے ہوئے بھی ہیں اور شوہر زید کی طرف سے ڈالے ہوئے بھی، جو زیورات باقی ہیں وہ زینب کی ماں کے پاس ہیں، مرحومہ کے والدین سوال کرتے ہیں کہ ان زیورات کو فروخت کرنے کی کیا ضرورت تھی، اور تقاضا کرتے ہیں کہ وہ تمام زیورات لاکر پیش کرو، وہ ہماری بچی کا حق ہے۔ ازروئے شریعت یہ واضح فرمایئے کہ مرحومہ کے زیورات میں شوہر زید کو بھی حق پہنچتا ہے یا نہیں؟ شوہر کو اس مرحومہ بیوی کے زیورات کا کتنا حق مل سکتا ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

برتقدیرِ صحتِ واقعہ تمام زیورات عورت کے ہوں گے (شوہر کی طرف سے دیئے گئے زیورات بھی عرف وماحول کی بناء پر)۔(۱) شوہر پر بیوی کا نان ونفقہ واجب ہے لیکن علاج و معالجہ شرعاً واجب نہیں ہے (البتہ بیوی کا علاج کرانا اخلاقی کام ہے)(۲)، لہٰذا شوہر نے عورت کے جو زیورات علاج میں خرچ کئے اگر وہ بطورِ قرضہ ہے جبکہ قرض

---

(۱) قال فی الفتح والذی یجب اعتبارہ فی دیارنا أن جمیع ماذکر .... لأن المتعارف فی ذلک کلہ ان یرسلہ ھدیۃ۔ (ردِ مختار ۴/ ۳۰۳) (۲) کما لا یلزمہ مداواتھا وفی الشامیۃ ای اتیانہ لھا بدواء المرض ولا اجرۃ الطبیب ولا الفصد ولا الحجامۃ۔ (الدر المختار مع رد المختار ۵/ ۲۸۵)

پر اقرار یا ثبوت بھی ہو تو شوہر پر اُن زیورات کی ادائیگی ضروری ہے، ورنہ یعنی شوہر کی جانب سے قرض کے طور پر لینے کا اقرار یا اس پر کوئی ثبوت نہ ہو تو واجب الاداء نہیں ہے۔(۱) چونکہ مرحومہ لاولد تھی، اس لئے بیوی کے کل مال سے شوہر کو نصف یعنی آدھا مال ملے گا۔ (کذا فی الفتاوی المحمودیہ ۸۰/۵)

فقط واللہ اعلم بالصواب
حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ
۱۹/ شوال المکرم ۱۴۲۷ھ

وراثت جبری حق ہے

سوال(۱۹۱):

حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

عرضِ خدمت یہ ہے کہ اِس سے قبل دو فتوے آپ حضرات کی طرف سے آئے ہوئے ہیں، اب اسی مرحوم شخص سے متعلق دو چار باتیں معلوم کرنی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ مرحوم کی اہلیہ کے جو حصے ہیں، اگر وہ مرحوم کے رشتہ دار یا غیر رشتہ دار میں نکاح کرلیں تو کیا پھر بھی اُن کو وہ حصہ ملے گا؟ جواب مرحمت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداومصلیاومسلما!

وراثت اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر شدہ حق ہے، شریعت نے جو حصہ جس

---

(۱) ثم تقدم دیونه التی لها مطالب من جهة العباد ویقدم دین الصحة وفی الشامیة هو ما کان ثابتا بالبینة مطلقا او بالاقرار فی حالة الصحة ط۔ (الدر المختار مع رد المحتار ۴۹۵/۱۰)

وارث کا متعین کر دیا ہے وہ اس کو ضرور پہنچے گا، لہٰذا مرحوم کی اہلیہ کا دوسرے سے نکاح ہو یا نہ ہو بہر صورت ان کا حصہ از روئے شرع اُن کو مل کر ہی رہے گا۔ **الارث جبری لا یسقط بالاسقاط۔** (شامی ۱۱/۶۷۸)

فقط واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح
محمد صلاح الدین عفی عنہ
۱۴/ ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ

الجواب صحیح
سید ولی اللہ غفرلہ
۱۴/ ۱۱/ ۱۴۳۴ھ

کتبہ العبد محمد مصباح اللہ عفا اللہ عنہ
۱۴/ ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ

پی۔ایف میں وراثت جاری ہو گی

سوال (۱۹۲):

محترم حضرت مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

براہِ مہربانی درجِ ذیل مسئلہ کا از روئے شریعت جواب عنایت فرمائیں۔

(۱) راقمِ سطور کی دو بہنیں ہیں، چند ہفتوں پہلے راقم کے چھوٹے بھائی جناب محمد عطاء اللہ صاحب رحلت کر گئے، مرحوم کی کوئی بھی اولاد نہیں ہے، صرف ان کی زوجہ زینب ہیں، زوجہ زینب کے زیورات جس کی لاگت 1,50,000 روپئے ہے۔ (جس میں زینب کے اپنے زیورات کی رقم مبلغ 1,15,000 روپئے اور دیگر زیورات جس کو مرحوم عطاء اللہ نے اپنی زندگی میں اپنی بیوی کو دئے تھے، جس کی لاگت 35,000 روپئے شامل ہیں) بطورِ امانت راقم کے قبضہ میں موجود ہیں۔

(۲) مرحوم کے نام پر اویڈنٹ فنڈ کے مد سے ایک رقم آفس سے حاصل ہونے والی ہے، مرحوم نے اس رقم کے لئے اپنی بیوی کو Nominee بنایا ہے۔

(۳) کمپنی کےSettlement کی رقم بھی حاصل ہونے والی ہے،اُس کے لئے کسی کونامنی(Nominee) نہیں بنایا گیاہے۔اب سوال یہ ہے کہ ان رقومات کو کن کن لوگوں کے مابین کس طرح تقسیم کیا جائے اور ہر ایک کو کتنا حصہ ملنا چاہئے اور ان رقوم میں سے کیا کیا اخراجات نکالے جائیں؟مفصل طور پر بتائیں۔جزاک اللہ خیراً

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق!حامداومصلیاومسلما!

برتقدیرِ صحتِ واقعہ وعدمِ موانعِ ارث (مثلاً کفر و قتل) وبعد ادائے حقوقِ متقدمہ علی الارث (مثلاً تجہیز و تکفین وادائیگیٔ قرض از کل مال ونفاذِ وصیت از تہائی مال)مرحوم عطاء اللہ صاحب کی میراث کے کل سولہ حصے ہوں گے،چار حصے ان کی بیوی زینب کے،چھ حصے بھائی کے اور تین تین حصے دوبہن کے شرعاًہوں گے۔

(۱)زینب کے زیورات اور شوہر کی طرف سے دئے ہوئے زیورات میں وراثت جاری نہیں ہوگی،کیونکہ وہ زیورات زینب کے ہیں،اُنہی کے حوالہ کرناضروری ہے۔(۱)

(۲) پراویڈنٹ فنڈ میں وراثت جاری ہوگی،اس مد سے جو رقم بھی آئے گی وہ میراث کے قاعدے پر تقسیم ہوگی،جو اوپر مذکور ہے، کسی کو نامزد کرنے سے وہ نامزد نہیں ہوتا۔ (مستفاد از فتاویٰ محمودیہ ۲۰/ ۲۴۱)(۲)

(۳) کمپنی سے سٹیل مینٹ کے نام سے جو رقم حاصل ہونے والی ہے وہ بھی

---

(۱)ولو وھب لامرأته لا کعکسه۔(تنویر مع الدر۸/ ۵۱۲)

(۲)کما ان اعیان المتوفی المتروکةعنه مشترکة بین ورثته علی حسب حصصھم کذلک یکون الدین الذی لہ فی ذمة آخر مشترکا بینھم علی قدر حصصھم۔

(شرح المجلۃ لسلیم رستم باز ۱/ ۶۱۰ رقم المادۃ:۱۰۹۲ بحوالہ فتاوی محمودیہ ۲۰/ ۲۴۴)

مرحوم کی میراث اور ترکہ میں داخل ہوگی اور اوپر ذکر کردہ طریقے پر اس کی تقسیم ہوگی۔(۱)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ

۱۳/ جمادی الاولی ۱۴۳۲ھ

میت کی پنشن کے حق داروں کی تفصیل

سوال (۱۹۳):

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین مندرجۂ ذیل مسئلہ میں کہ میرے بھائی جناب عبد الاحد صاحب انتقال کر گئے ،ان کے ترکہ میں ایک مکان موجود ہے،وارثین میں والدہ، بیوی، تین لڑکے اور تین لڑکیاں موجود ہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ بھائی صاحب مرحوم کی ماہانہ پانچ سو روپئے پنشن آتی ہے، جس کے لئے بینک میں ہزار روپئے بطورِ ڈپازٹ موجود ہیں اور اب انتقال کی سرٹیفیکٹ دینے پر دس یاپندرہ ہزار روپئے اُس پنشن آفس سے آئیں گے، تواُس میں بھی ان وارثین کا حق ہے یانہیں ؟ اگر ہے توکس کو کتنا حصہ ملتاہے ؟ معلوم کرائیں، جزاکم اللہ خیراً۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق !حامداومصلیاومسلما!

بر تقدیرِ صحتِ واقعہ وعدمِ موانعِ ارث (مثلاً کفر و قتل)وبعد ادائے حقوقِ

---

(۱)المدرس لو مات او عزل فی اثناء السنة قبل مجئی الغلة وظهورها من الارض ،یعطی بقدر ما باشر ، ویصیر میراثاًعنه کالاجیر اذامات فی اثناءالمدة۔(ردالمحتار ۶/ ۶۵۱)

متقدمہ علی الارث (مثلاً تجہیز و تکفین، ادائیگیٔ قرض از کل مال و نفاذِ وصیت از تہائی مال) مرحوم عبدالاحد صاحب کی میراث کے کل دو سو سولہ حصے ہوں گے، جن میں سے ستائیس حصے مرحوم کی بیوی کے، چھتیس حصے والدہ کے، ایک سو دو حصے تین لڑکوں کے (ہر ایک لڑکے کو چونتیس حصے)، تین لڑکیوں کو اکیاون حصے (ہر ایک کو سترہ حصے) شرعاً ملیں گے، پنشن کمپنی یا حکومت کی طرف سے ایک انعام ہے وہ جس کے نام آئے وہی اس کا حقدار ہے، البتہ اگر سبھی وارثوں کے نام آئے تو سبھی وارثین اُس کے حقدار ہوں گے۔(۱)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمد صلاح الدین عفی عنہ
۲۹/ محرم الحرام ۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح
العبد اجتباء الحق
یکم صفر المظفر ۱۴۳۰ھ

میت کی پنشن کا حقدار کون ہے؟

سوال (۱۹۴):

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین زیرِ سوال کے جواب میں کہ جناب نواب صاحب کا انتقال ہو چکا، ان کی دو بیویاں ہیں، پہلی بیوی سے ایک لڑکا اور دو لڑکیاں ہیں، اور دوسری بیوی سے اُن کی کوئی اولاد نہیں ہے، البتہ اس دوسری بیوی

(۱) لان الترکۃ فی الاصطلاح ماترکہ المیت من الاموال صافیا عن تعلق حق الغیر بعین من الاموال کما فی شروح السراجیۃ۔ (ردالمحتار مع الدر ۱۰/ ۴۹۳ وکذا فی الفتاویٰ المحمودیۃ ۲۰/ ۴۰۴)

کے پاس اس کے پہلے شوہر کا ایک لڑکا ہے، اور مرحوم شعبۂ ریلوے کے ریٹائرڈ ہیں، اب ان کی پنشن، پی۔ ایف، وغیرہ آنے والے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ مرحوم کے انتقال کے بعد ان آنے والی رقم میں اس دوسری بیوی کا اور اس کے لڑکے کا (جو دوسرے شوہر سے ہے) بھی حصہ ہوگا یا نہیں؟ اگر ہے تو کس کو کتنا ملے گا؟ براہِ کرم شریعت کی روشنی میں جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداومصلیاومسلما!

برتقدیرِ صحتِ واقعہ صورتِ مسئولہ میں حقوقِ متقدمہ علی الارث یعنی تجہیز و تکفین وادائیگئ قرض از کل مال ونفاذِ وصیت از ثلثِ مال کے بعد نواب خان صاحب مرحوم کی پی۔ ایف کی رقم اور دوسرے اموال و جائیداد کے بتیس (۳۲) حصے کئے جائیں گے، جن میں سے دو حصے پہلی بیوی کو اور دو حصے دوسری بیوی کو، چودہ حصے لڑکے کو اور سات سات حصے دونوں لڑکیوں کو ملیں گے، دوسری بیوی کا وہ لڑکا جو اس کے پہلے شوہر سے ہے اس کو شرعاً وراثت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

اور پنشن چونکہ مرحوم کی تنخواہ کا جزء نہیں ہے، بلکہ حکومت کی طرف سے ایک انعام ہے،(۱) لہذا اس میں تفصیل یہ ہوگی کہ جو رقم پنشن کی مرحوم کی زندگی میں ان کے قبضہ میں آگئی اور وہ اب موجود ہو تو اس میں وراثت جاری ہوگی اور مذکورہ بالا طریقے پر وارثین آپس میں تقسیم کرلیں اور جو رقم قبضہ میں نہیں آئی، مرحوم اس کے مالک نہیں ہوئے، لہذا اس میں وراثت جاری نہیں ہوگی، بلکہ وہ حکومت کے قانون

---

(۱) لان التركة فى الاصطلاح ماتركه الميت من الاموال صافيا عن تعلق حق الغير بعين من الاموال كما فى شروح السراجية۔ (ردالمحتار مع الدر ۱۰/ ۴۹۳ وکذا فی الفتاویٰ المحمودیۃ ۲۰/ ۴۰۴)

کے مطابق جس کے لئے جاری کی گئی ہو صرف اسی کو ملے گی، دوسرے وارثین کا اس میں کوئی حق نہیں ہے۔(مستفاد از احسن الفتاویٰ ۹/ ۳۰۱)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد سید ولی اللہ غفرلہ

۱۳/ ۲/ ۱۴۳۶ھ

نیز مورث کی موت کے بعد حکومت وغیرہ کی جانب سے جو رقم کسی وارث کے نام پر جاری کی گئی ہے، اگر دوسرا وارث اپنا حق ثابت کرکے اس امداد میں شریک ہونا چاہے تو اس کی شرعاً گنجائش ہے، مثلاً کسی میت کی دو بیویاں ہوں اور کسی ایک ہی کو امداد ملے تو دوسری کے لئے اپنا حقِ زوجیت ثابت کرکے امداد حاصل کرنا جائز ہے۔

الجواب صحیح

محمد صلاح الدین عفی عنہ

۱۳/ صفر ۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح

محمد مصباح اللہ عفا اللہ عنہ

۱۳/ صفر ۱۴۳۶ھ

گم شدہ آدمی کے مالِ وراثت کی تقسیم کا وقت

سوال (۱۹۵):

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ فاطمہ بی کے تین لڑکے حامد، افضل، اکرم اور تین لڑکیاں حمیدہ، جمیلہ، زینب ہیں۔ فاطمہ بی نے اپنی زندگی میں اپنا مکان آدھا حصہ بیٹے حامد کو اور آدھا مکان بیٹی حمیدہ کو دے دیا، حمیدہ کے بچے اپنی ماں کی زندگی میں وفات پاگئے، ایک لڑکا بچپن سے لاپتہ ہوگیا، واضح

فرمائیے کہ مرحومہ حمیدہ کے گم شدہ لڑکے کے حصے کو کیا کرنا چاہئے؟

حامد نے اپنی زندگی میں کہا تھا کہ مکان کا ایک حصہ مسجد کے لئے ہے، مگر تحریراً کوئی ثبوت نہیں، ایک لاکھ روپئے مسجد کے متولی صاحب کے پاس بطورِ امانت دے رکھے تھے، اُن روپیوں کو کیا وقف کر دینا ہے یا واپس لے کر مرحوم کے وارثین میں تقسیم کر دینا ہے؟ واضح فرمائیے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

بر تقدیرِ صحتِ سوال مرحومہ حمیدہ صاحبہ کے مفقود (گمشدہ) لڑکے کے مال کو محفوظ رکھ کر مفقود کی عمر نوے (۹۰) سال پورے ہونے تک انتظار کیا جائے گا، پھر کسی طرح کی کوئی خبر نہ ملنے کی صورت میں اُن کا مال اُس وقت موجود وارثین کے درمیان تقسیم کیا جائے گا، اور مرحوم حامد صاحب کے مکان کا ایک حصہ یا وہ مال جو متولی کے پاس امانت کے طور پر محفوظ ہے سب میراث میں داخل ہے، وقف شمار نہیں ہو گا، وقف کے صحیح ہونے کے لئے شہادتِ شرعیہ کی ضرورت ہے، اگر متولی صاحب وقف ہونے کا دعویٰ کریں تو اُن کے ذمہ شہادتِ شرعیہ پیش کرنا ہو گا، بغیر اس کے وقف شرعاً معتبر نہیں ہے، یا وارثین اس مال کے وقف ہونے کا اقرار کریں تو وقف شمار ہو گا ورنہ نہیں۔

ولا یستحق ما اوصی له اذا مات الموصی بل یوقف قسطه الی موت أقرانه فی بلده وفی الشامیة هذا لیس خاصا بالوصیة بل هو حکمه العام فی جمیع احکامه من قسمة المیراث وبینونة زوجته وغیر ذلک.....وقیل یقدر بتسعین سنة بتقدیم التاء من حین ولادته واختاره فی الکنز وهو الارفق هدایة وعلیه الفتویٰ۔

(شامی مع الدر ۶/ ۴۶۱، ۴۶۲)

جاء رجل الی قاضی بلدة وقال انی کنت امینا للقاضی الذی کان قبلک ھنا وفی یده صدقة کانت لرجل یقال فلان بن فلان وقفھا علی قوم معلومین سماھم قبل قوله اذا لم تکن للواقف ورثة ولم یعلم من امر ھذه الصدقة غیر ما اقر به ھذا الرجل وان کانت له ورثة فقالوا ھو میراث بیننا ولیس بوقف فالقول قولھم ویکون میراثا بینھم۔(الفتاوی الہندیۃ ۲/۴۱۵ بیروت)

ذکر فی الخانیة والاسعاف ادعی علی رجل فی یده ضیعة انھا وقف... قالوا لیس للقاضی ذلک لان القاضی انما یقضی بالحجة والحجة انما ھی البینة أو الاقرار۔(شامی ۶/۲۲۶، الفتاوی الہندیۃ ۲/۴۱۷)

فقط واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح	الجواب صحیح	حررہ العبد محمد مصباح اللہ عفا اللہ عنہ
محمد صلاح الدین عفی عنہ	سید ولی اللہ غفرلہ	۱۵/ ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ
۱۵/ ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ	۱۵/ ۱۱/ ۱۴۳۴ھ	

وصیت کا انکار اور مالِ وراثت پر قبضہ

سوال (۱۹۶):

بخدمت حضرت مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ سے دو مسئلے کا حل معلوم کرنا ہے۔

(۱) ایک بیٹی اپنے ماں باپ کی حیات میں انتقال کر گئی، وہ شادی شدہ اور تین بیٹیوں کی ماں تھیں، باپ کا انتقال ہو چکا ہے، باپ کو گذرے ہوئے بھی پورے چودہ برس ہو گئے، اب جائیداد کا مسئلہ یہ ہے کہ باپ نے اپنے بیٹے یعنی مرحومہ کے بھائی

سے یہ وصیت کی کہ مرحومہ کی بیٹیوں کو دو ایکڑ زمین کھیت میں سے لکھ دو، اس بھائی نے باپ کے گذرنے کے دو دن بعد یہ بات دو یا تین لوگوں کو سنادی، لیکن وہ بھائی اب چودہ سال بعد اس بات کا انکار کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں، اس مسئلہ کا کیا حکم ہے ؟ براہِ مہربانی شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

(۲) ہم تین بھائی اور تین بہنیں ہیں، والد کا چمڑے کا کارخانہ ہے، والد کے انتقال ہوئے چودہ سال ہوگئے، کارخانہ کو بھائی چلارہے ہیں، کارخانہ کا جو نفع ہے، وہ صرف تینوں بھائیوں کے استعمال میں ہے، ہم تینوں بہنوں کو کچھ بھی نہیں دئے، پوچھنے پر بھائیوں کا کہنا ہے کہ وہ اتنی رقم نہیں دے سکتے، اب ہم کو وہ چودہ سال کی رقم لینا ہے یا معاف کردینا ہے ؟ شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق ! حامداومصلیاومسلما!

(۱) بر تقدیرِ صحتِ واقعہ وصدقِ سوال جب باپ کی وصیت کا وارث بیٹے نے اقرار کیا ہے، اور اُس کے اقرار پر شرعی گواہ (دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں) موجود ہیں، تو اس وصیت کو ایک تہائی مال تک پورا کرنا لازم وضروری ہے، اور بیٹے کا اس سے انکار کرنا یا یاد نہ ہونے کا بہانہ بنانا جائز نہیں ہے۔

واذا اقرا الوارث ان اباه اوصی بالثلث لفلان وشهد الشهود انه اوصی بالثلث لاخر فان الثلث كله للمشهود له۔ (الفتاویٰ التاتارخانیۃ ۱۹/ ۴۷۷) **ثم تنفذ وصیاه من ثلث مایبقی بعدالكفن والدین۔** (الفتاویٰ الھندیۃ ۶/ ۴۹۷)

(۲) انتقال کے فوراً بعد وراثت کی تقسیم ضروری ہے وارثوں کے درمیان شرعی تقسیم کیے بغیر کسی ایک وارث یا چند وارثوں کا مال پر قبضہ کرلینا اور دوسرے وارثوں کو خاص

طور پر بہنوں کو وراثت سے محروم کرنا ناجائز اور حرام ہے،(۱) اور دوسروں کے ساتھ ظلم اور زیادتی ہے، لہذا آپ تمام بہنوں کو اپنے وراثت کا حصہ اور چودہ سال کا نفع لینا شرعاً جائز ہے، اور آپ کے بھائیوں پر لازم ہے کہ پہلی فرصت میں جلد از جلد وراثت کو یعنی چمڑے کے کارخانے کو شریعت کے مطابق تقسیم کر دیں اور بہنوں کو اُن کا پورا پورا حصہ دیں، ورنہ عند اللہ سخت گناہ ہو گا۔

نوٹ: کس کو کتنا حصہ ملے گا، تمام وارثین کی تفصیل بتا کر معلوم کر سکتے ہیں۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح	الجواب صحیح	حررہ العبد سید ولی اللہ غفرلہ
محمد صلاح الدین عفی عنہ	محمد مصباح اللہ عفا اللہ عنہ	۱۵/۱۱/۱۴۳۳ھ
۱۷/۱۱/۱۴۳۳ھ	۱۷/ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ	

زندگی میں جائیداد تقسیم کرنا

سوال (۱۹۷):

محترم مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مجھے ایک اہم مسئلہ درپیش آگیا ہے، میرے نام پر ایک گھر ہے اور میرے چار بچے دو لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں، میری حیات ہی میں میں گھر کا بٹوارا کر دینا چاہتی ہوں، لیکن میرا بیٹا عبد الرحمن اِس کے خلاف ہے، وہ بٹوارا کرنے نہیں دے رہا ہے، مہربانی فرما کر آپ اِس مسئلہ کا حل بتائیں۔

---

(۱) وھی ضربان شرکۃ ملک وھی ان یملک متعدد ..... بأرث او بیع ... وکل من شرکاء الملک اجنبی فی الامتناع عن تصرف مضر فی مال صاحبہ۔ (الدر المختار مع الرد ۶/۴۶۶، ۴۶۷)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

اپنی زندگی میں آپ اپنے مکان کی پوری طرح مالک ہیں، اگر مذکورہ مکان اولاد کے درمیان اپنی زندگی میں تقسیم کردینا چاہتی ہیں تو آپ کو اِس کا پورا اختیار حاصل ہے، مگر تقسیم کرنے میں برابری کا لحاظ کرنا ضروری ہے، بغیر کسی شرعی وجہ کے کسی کو کم کسی کو زیادہ حصہ دینا جائز نہیں ہے،(۱) آپ کے بڑے لڑکے کا منع کرنا درست نہیں ہے۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد سید ولی اللہ غفرلہ

۱۶/ذی الحجۃ ۱۴۳۲ھ

الجواب صحیح

محمد صلاح الدین عفی عنہ

۱۴۳۲/۱۲/۱۷ھ

وارثین کا ایک وارث کو مال ہبہ کرنا

سوال(۱۹۸):

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے میں کہ چار سگے بھائی اور ایک بہن ہیں، جن میں سے احمد حسین انتقال کرگئے، ان کی وفات سے پہلے فیاض حسین بھی وفات پاگئے۔ دوسرے دو بھائی محمد حسین اور عارف حسین اور ایک بہن

---

(۱) ولو وھب رجل شیئا لاولادہ فی الصحۃ واراد تفضیل البعض علی البعض ......روی المعلی عن ابی یوسف علیہ الرحمۃ انہ لا بأس بہ اذا لم یقصد بہ الاضرار وان قصد بہ الاضرار سوی بینھم وھو المختار۔

(الفتاوی الہندیۃ ۴/ ۳۴۳ وکذا فی الدر المختار ۸/ ۵۰۱)

شہناز بیگم بقیدِ حیات ہیں، مرحوم احمد حسین صاحب کی بیوی وحیدہ اور ان کی ایک کنواری لڑکی بنام گلناز ہیں، مرحوم کا ایک مکان ہے، مرحوم کے بھائی بہن سب یہی چاہتے ہیں کہ مرحوم احمد حسین کا مکان اُن کی بیوی کے نام کر دیا جائے، حل طلب سوال یہ ہے کہ کہ شوہرِ مرحوم کا مکان اس کے بھائی اور بہن کی دلی مرضی کے ساتھ مرحوم کی بیوی کو دے دینا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ بالتفصیل واضح فرمایئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامدا ومصلیا ومسلما!

بصورتِ صدقِ سوال مرحوم احمد حسین صاحب کے جملہ بھائی بہن اور اسی طرح مرحوم کی بیٹی گلناز سب مل کر دلی رضامندی کے ساتھ اپنے حقوق کو چھوڑ کر مرحوم کی بیوی وحیدہ کے نام گھر رجسٹر کر کے اُن کے قبضہ میں دیدیں تو درست ہے، اگر کسی ایک کی بھی رضامندی نہ ہو تو پھر جائز نہیں، اسی طرح یعنی صرف رجسٹر کئے بغیر اور قبضہ دلائے بغیر زبانی ہبہ کر دیا تو وہ معتبر نہیں۔(۱) (کذا فی کتب الفقہ)

نوٹ: فقط واللہ اعلم بالصواب

بشرطیکہ وارثین میں کوئی نابالغ نہ ہو حررہ العبد محمد مصباح اللہ عفا اللہ عنہ

۱۹/ محرم الحرام ۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح	الجواب صحیح
محمد صلاح الدین عفی عنہ	سید ولی اللہ عفی عنہ
۲۰/ محرم الحرام/ ۱۴۳۳ھ	۱۹/۱/ ۱۴۳۳ھ

---

(۱) وشرائط صحتها في الواهب العقل والبلوغ والملك فلا تصح هبة صغير ورقيق وتتم الهبة بالقبض الكامل فيشترط القبض قبل الموت۔ (الدر المختار مع رد المحتار ۸/ ۴۸۹)

بسببِ خدمت وراثت کا حق دار ہونا

سوال(۱۹۹):

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے میں کہ میری والدہ کا انتقال ہو کر ایک سال کا عرصہ گذر گیا اور میری والدہ کا ترکہ ایک مکان ہے اور ہم سب کل پانچ وارث ہیں، تین لڑکیاں اور دو لڑکے۔ میرے ایک بھائی کا میری والدہ کی حیات ہی میں پانچ سال قبل انتقال ہو گیا اور وارثین میں بیوی، دو لڑکے اور ایک لڑکی چھوڑے، اور ایک بھائی غیر شادی شدہ دماغی مریض ہیں، میں ہی ان کی ہر طرح کی خدمت اور دیکھ بھال کر رہی ہوں اور والدہ کی خدمت بھی میں ہی کر رہی تھی۔

اب یہ مسئلہ دریافت کرنا ہے کہ میری والدہ کا جو مکان ہے اس میں کن کن کا حصہ ہے ؟ اور کتنا حصہ ہر ایک کو ملے گا ؟ اور مرحوم بھائی کا اس میں حصہ ہے یا نہیں؟ اور بیمار بھائی کا حصہ کس کو ملے گا جب کہ ان کی خدمت میں ہی کر رہی ہوں۔ براہِ کرم شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداو مصلیاو مسلما!

بر تقدیرِ صحتِ واقعہ صورتِ مسئولہ میں حقوقِ متقدمہ علی الارث یعنی تجہیز وتکفین واداۓ قرض از کل مال ونفاذِ وصیت از ثلثِ مال کی ادائیگی کے بعد آپ کی والدہ مرحومہ کی جائیداد کے کل پانچ حصے ہوں گے، جن میں سے ایک ایک حصہ تین بیٹیوں کو اور دو حصہ اس بیٹے کو ملے گا جو دماغی اعتبار سے مریض ہے، البتہ اس معذور بھائی کے حصہ کی حفاظت کرنا اور پوری احتیاط اور خوفِ خدا کے ساتھ اس کی ضروریات اور علاج ومعالجہ میں خرچ کرنا شرعاً جائز ہے، بھائی کی جسمانی خدمت کی وجہ سے اس

کے حصے سے خدمت کرنے والی بہن کو کوئی زائد حصہ نہیں پہونچتا ہے، ہاں! یہ بہت بڑا کارِ ثواب ہے، اس لئے اپنے بھائی کی خدمت خوشی سے کرنی چاہئے، جو بھائی والدہ کی زندگی میں ہی انتقال کر گئے ان کے وارثین کو ماں کی وراثت سے شرعاً کوئی حصہ نہیں ہے، الا یہ کہ تمام وارثین اپنی مکمل رضامندی کے ساتھ کچھ حصہ ان کو دیدیں تو شرعاً درست ہے۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے: **وان کان الاب قدمات وترک اموالاً وترک اولاداً صغاراً کانت نفقة الاولاد من انصبائهم وکذا کل من یکون وارثاً فنفقته فی نصیبه۔** (الفتاویٰ الہندیہ ۱/ ۵۸۵)

فقط واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح	الجواب صحیح	حررہ العبد سید ولی اللہ غفرلہ
محمد صلاح الدین عفی عنہ	محمد مصباح اللہ عفا اللہ عنہ	۲۶/ ۷/ ۱۴۳۶ھ
۲۶/ رجب ۱۴۳۶ھ	۲۶/ رجب المرجب ۱۴۳۶ھ	

غلط وارث سرٹیفکیٹ تیار کروانا

سوال (۲۰۰):

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین درجِ ذیل مسئلہ کے جواب میں کہ مرحوم عبد اللہ کی دو بیویاں تھیں، اور دونوں انتقال کر گئیں، اب دوسری بیوی کی اولاد نے وارث سرٹیفکیٹ کے لئے مسجد میں درخواست دی، اور ذمہ دارانِ مسجد نے وارث سرٹیفکیٹ میں اس بات کی صراحت کر دی کہ یہ دوسری بیوی کی طرف سے وارث ہیں، تو اب یہ وارثین اس بات پر مصر ہیں کہ دوسری بیوی کی صراحت نہ کریں، کیونکہ پہلی بیوی اور ان کی اولاد بھی انتقال کر چکی ہے، اب صرف ان کی اولاد

کی اولاد باحیات ہے، آپ صرف اتنا لکھ کر دیں کہ یہ مرحوم کی بیوی کے وارثین ہیں، دوسری بیوی کا لفظ نہ لکھیں، جبکہ محلے کی مسجدوں سے تحصیل داروں کا وارث سرٹیفکیٹ لینے کا مقصد ہی صحیح اور مکمل معلومات حاصل کرنا ہوتا ہے کہ کتنی بیویاں ہیں اور کتنی اولاد ہیں، بس دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اہلِ مسجد کا دوسری بیوی کی صراحت کے بغیر وارث سرٹیفکیٹ دینا جائز ہے یا نہیں؟ جواب دے کر عند اللہ ماجور ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! حامداومصلیاومسلما!

صورتِ مسئولہ میں ذمہ دارانِ مسجد کا یہ صراحت کرنا کہ یہ دوسری بیوی کی طرف سے وارث ہیں شرعاً صحیح اور برحق ہے، اور وارثین کا مطالبہ اور اصرار اس بات پر کہ دوسری بیوی کی صراحت نہ کریں ناجائز ہے، اور حق والوں کا حق مارنا ہے، لہٰذا ذمہ دارانِ مسجد کا دوسری بیوی کی صراحت کئے بغیر سرٹیفکیٹ دینا شرعاً درست نہیں ہے، الا یہ کہ مذکورہ وارثین اس بات پر شرعی ثبوت پیش کردیں کہ پہلی بیوی اور اس کی اولاد وغیرہ شوہر کے انتقال سے پہلے ہی وفات پاگئے، تو اس صورت میں دوسری بیوی کی صراحت کئے بغیر دے سکتے ہیں۔

قال اللہ تعالیٰ: ولاتکتموا الشھادۃ ومن یکتمھا فانہ اثم قلبہ۔ (سورۂ بقرہ: ۲۸۳)

فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد سید ولی اللہ غفرلہ

۲/۵/۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح

محمد صلاح الدین عفی عنہ

۲/۵/۱۴۳۶ھ

ترمیمات

(۱) ٹینک میں جانور گر جائے تو احتیاطاً تین دن کی نمازیں لوٹانا بہتر ہے۔
ترمیم : چونکہ جانور گل پھٹ گیا ہے اس لئے تین دن کی نماز لوٹانا ضروری ہے۔
(صفحہ نمبر:۵۲)

(۲) سجدہ میں سر رکھ کر دعا مانگنا جائز ہے۔
ترمیم : سجدہ میں دعا مانگنا درست تو ہے، مگر اس کی عادت نہ بنائی جائے اور سنت نہ سمجھا جائے۔ (صفحہ نمبر:۶۰)
(۳) فیشن مقصود نہ ہو تب بھی تھوڑا سا بال کاٹنا بھی جائز نہیں۔
ترمیم : شرعی ضرورت کے بغیر نکالنا جائز نہیں۔(صفحہ نمبر:۶۰)
(۴) عمومی راستہ پر قبضہ کرنا ناجائز ہے جب کہ تنگی ہو اور گذرنے میں تکلیف ہو۔
ترمیم : ہندوستان جیسے ملک میں راستہ اور سرکاری زمین پر قبضہ کرنا مطلقاً ناجائز ہے۔
(صفحہ نمبر:۲۴۱)

(۵) الکحل چونکہ شراب سے بنی ہوئی ہے، اس لئے اس کا استعمال ناجائز ہے، البتہ مجبوراً دوا کے طور پر گنجائش ہے۔
ترمیم : دوا میں استعمال ہونے والی الکحل چونکہ عموماً شراب سے نہیں بنائی جاتی ہے، اس لئے اس کا استعمال جائز ہے۔(صفحہ نمبر:۳۱۶)
(۶) پنشن کی رقم میں وراثت جاری ہو گی۔
ترمیم : وراثت جاری نہیں ہو گی، بلکہ وارثین میں سے جس کے نام آئے وہی حقدار ہوں گے۔(صفحہ نمبر:۳۴۰)

مختصر تعارف

مدرسۂ رفیق العلوم، آمبور

مدرسہ کا آغاز اور اس کی تقریب :

شہر آمبور (ضلع ویلور، صوبۂ مدراس) کا ایک مشہور ومعروف اور مقبول دینی ادارہ مدرسۂ رفیق العلوم ہے۔ جس کے بانی مبانی الحاج آنیکار عبد الشکور صاحبؒ ہیں، آپ چمڑے کے ایک بڑے مخیر اور صالح تاجر تھے، آپ کا حضراتِ علمائے کرام بالخصوص علمائے دیوبند سے بڑا گہرا تعلق تھا، جب آپ نے شہر آمبور اور اُس سے متعلق قریوں میں کوئی دینی علوم سے بہرہ ور، قرآنِ مجید اور احادیثِ مبارکہ کا صحیح فہم اور شریعتِ مطہرہ کا مکمل تحفظ اور مسلکِ حق کی صحیح اشاعت کرنے والا کوئی ادارہ نہ پایا تو آپ نے علمائے کرام سے مشورہ کرنے کے بعد بروزِ دوشنبہ مؤرخہ ۶/رجب ۱۳۹۶ھ مطابق ۵/جولائی ۱۹۷۶ء ایک دینی مدرسہ کا آغاز بنام "رفیق القرآن" فرمایا، پھر چار سال کے بعد بروزِ شنبہ مؤرخہ ۱۸/شوال ۱۴۰۰ھ مطابق ۳۰/ اگست ۱۹۸۰ء بنام "مدرسۂ رفیق العلوم" جدید عمارت کا افتتاح عمل میں آیا، اِن دونوں قدیم و جدید اداروں کا افتتاح حسنِ اتفاق اور سعادت مندی سے حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ (سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند) کے دستِ مبارک سے عمل میں آیا۔ نیز حضرت قاری صاحبؒ کی تجویز پر مدرسہ کا نام بانیٔ مرحوم کے مرحوم فرزند آنیکار رفیق احمد صاحبؒ کے نامِ نامی اور علم دوستی کی نیک فالی کو مد نظر رکھ کر طے کیا گیا۔

مدرسہ کے شعبہ جات :

مدرسہ میں کل آٹھ شعبے ہیں :

(۱)شعبۂ عالمیت (جماعتِ فارسی تا جماعتِ ہفتم)

(۲) شعبۂ حفظ (جس میں چار درسگاہیں)

(۳)شعبۂ ناظرہ و تصحیح (جس میں دو درسگاہیں)

(۴) شعبۂ افتاء

(۵)شعبۂ کمپیوٹر

(۶)شعبۂ تقریر و تحریر

(۷)شعبۂ قرأت (برائے شعبۂ حفظ و عالمیت)

(۸) کتب خانہ

شعبۂ عالمیت :

اس شعبہ میں جماعتِ فارسی تا جماعتِ ہفتم آٹھ سال درسِ نظامی کی تعلیم ہوتی ہے، جس میں اکثر دارالعلوم دیوبند کے نصاب کے مطابق میزان ومنشعب سے لے کر مشکوۃ، جلالین اور شرح عقائد جیسی اہم کتابوں کا درس دیاجاتا ہے،ہر سال نصاب کی تکمیل کے اہتمام کے ساتھ طلبہ میں ٹھوس علمی صلاحیت پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کی جاتی ہے۔

شعبۂ حفظ :

جس میں بالترتیب چار درسگاہیں ایک نہایت وسیع ہال میں موجود ہیں، الحمدللہ سالہاسال کے تجربوں کو مدِ نظر رکھ کر پیہم مشوروں اور تجاویز کے بعد حفظِ قرآنِ مجید کاچار سالہ ایک جامع نصاب تیار کیا گیا ہے،اسی کے مطابق طالبِ علم کی ترقی اور تنزل ہوتا رہتاہے،ان طلبۂ کرام کو ابتدائی دینیات کی تعلیم بھی دی جاتی ہے، نیز حفظ کی تکمیل پر سند کے لئے ۲۱/ دور لازمی ہے، جبکہ اکیسواں دور ایک ہی نشست

میں سناجاتا ہے،الحمدللہ مضبوط بنیادوں پر پروان چڑھنے کی وجہ سے یہاں سے جید حفاظ فارغ ہوکر حسبۃً للہ بغیر اجرت کے محراب سناتے ہیں۔

شعبۂ ناظرہ و تصحیح :

مدرسۂ ہذا میں مذکورہ دو شعبوں کے ساتھ شعبۂ ناظرہ بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے، مدرسۂ اشرف المدارس ہردوئی سے فیض یافتہ اساتذۂ کرام کی نگرانی میں یہ شعبہ اپنی تعلیمی سرگرمیوں میں مشغول ہے، فی الحال اِس شعبہ میں دو درسگاہیں ہیں، جس میں مخارج، صفاتِ لازمہ و مستحسنہ وغیرہ پر مکمل توجہ دی جاتی ہے اور شعبۂ حفظ میں داخلہ اس شعبہ میں کامیابی پر ہی منحصر ہے۔

شعبۂ افتاء :

مدرسۂ ہذا کا ایک نہایت اہم شعبہ ہے، جس میں عوام الناس کے سوالات کے شرعی جوابات دے کر اُن کی دینی رہنمائی کی جاتی ہے، الحمد للہ اس عرصہ میں سیکڑوں فتوے جاری کیے جاچکے ہیں، بفضلہٖ تعالیٰ یہ مجموعہ اسی کا ایک نمونہ ہے۔

شعبۂ کمپیوٹر :

سب واقف ہیں کہ آج کے اِس دور میں کمپیوٹر زندگی کے مختلف شعبوں میں کس درجہ ضروری ہے، اس کی اسی ضرورت اور اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے بحمد اللہ مستقل اِس شعبہ کے قیام کا فیصلہ کیا گیا اور طلبۂ کرام کو کمپیوٹر اور اس کے چند مخصوص و مشہور پروگراموں کے متعلق بنیادی تعلیم دینے کا نظم کیا گیا ہے، دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مقاصدِ حسنہ میں اخلاص کے ساتھ ہم سب کو کامیابی نصیب فرمائے۔ آمین

شعبۂ تقریر و تحریر :

شروع دن سے مدرسۂ ہذا میں اِس شعبہ کا قیام ہے، جس میں طلبۂ کرام کو

قلم کی روانی اور زبان وادب کی جادو بیانی سکھلائی جاتی ہے تاکہ طلبہ ان مخفی طاقتوں کو بروئے کار لاکر اُمت کی رہنمائی کر سکیں، الحمد للہ! شعبۂ تحریر سے دو عربی دیواری پرچے بنام "القاسم" اور "الرشید" اور دو اُردو دیواری پرچے بنام "شمعِ امداد" اور "فیضانِ اشرف" جاری ہیں۔

اور تقریری سلاست وطلاقت کی خوابیدہ صلاحیت اُجاگر کرنے کے لئے دو عربی انجمنیں بنام "حفلۃ الادیب وحید الزماں اور حفلۃ القاری امیر حسن" اور چار اُردو انجمنیں بنام "بزمِ محمود، بزمِ صدیق، بزم انعام اور بزمِ ابرار" قائم ہیں۔

شعبۂ عالمیت کے طلبۂ کرام کے لئے ایک شعبۂ مناظرہ بنام "انجمنِ تقویۃ الاسلام" قائم ہے، جس میں فرقِ باطلہ سے متعلق پوری آگاہی دی جاتی ہے، اور بڑی جماعت کے طلبہ کو وافر مواد کے ساتھ سنجیدہ طور پر فرقِ ضالہ سے بات پیش کرنے کی مشق کرائی جاتی ہے، تاکہ حکمتِ بالغہ کے ساتھ سمجھانے میں مدد ملے۔

شعبۂ قرأت (برائے شعبۂ عالمیت اور حفظ وناظرہ) :

شعبۂ عالمیت اور حفظ وناظرہ کے طلبۂ کرام میں قرآنِ کریم پڑھنے کا لب و لہجہ دُرست کرنے اور اُن میں نکھار پیدا کرنے کے لئے مستقل قرأت کی دو انجمنیں بنام "صوت القرآن اور زینت القرآن" کی بنیاد رکھی گئی، یہ انجمنیں ہر جمعرات کو بعدِ نمازِ ظہر منعقد ہوتی ہیں، شعبۂ عالمیت کے لئے سبعہ قرأت اور شعبۂ حفظ و ناظرہ کے لئے امامِ مسجدِ نبوی شیخ حذیفی الموقر حفظہ اللہ کی آواز میں لہجہ کی مشق کرائی جاتی ہے، الحمد للہ! اس کا زبردست فائدہ محسوس کیا گیا۔

کتب خانہ :

الحمد للہ مدرسۂ ہذا کا کتب خانہ ایک گنجِ گراں مایہ ہے، جہاں ہر فن میں قدیم

وجدید کتابیں اور علمائے کرام کی بیش بہا سینکڑوں تصنیفات وتالیفات فراہم ہیں، جو منظم اور مرتب انداز میں اپنے محل پر موجود ہیں، جس کی بنا پر ہر مضمون سے متعلق مواد کا ایک وافر ذخیرہ بآسانی ہم دست ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ مدرسہ تا قیامِ قیامت بعافیت وسلامت ترقی کی راہ پر گامزن رہے، جملہ شرور و آفات سے محفوظ رہے اور اس کا فیض سارے عالم میں پھیلے۔ آمین!

FATAWA RAFEEQIYAH



Published By

Department of Publication & Distribution
Madrasa-e-Rafeequl Uloom, Ambur.